تذکرہ

مجاہدِ اسلام ناصرِ تحریکِ پاکستان حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

بھرچُونڈی شریف

نفحاتُ الرحمٰن

سیّد محمد فاروق القادری

حافظ الملّت اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ

جملہ حقوق طبع بحق مصنّف محفوظ ہیں

نام کتاب : نفحات الرحمٰن
مصنّف : السیّد محمد فاروق القادری (ایم اے)
ناشر : حافظ الملّت اکادمی بھرچونڈی شریف
کتابت : شبیر دھریجہ
بار اوّل : ایک ہزار
پرنٹرز : حسین عظیم پرنٹنگ پریس خانپور
سنِ اشاعت : جون ۱۹۹۴ء

قیمت - 150 روپے

نذرِ سیّد بنامِ سیّد

امام الاحرار، مجدّد سلسلہ عالیہ قادریہ شیخ المشائخ
السیّد محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ (روضہ دھنی)
کے
سجادۂ مشیخت اور چمنستانِ حریت کے گلِ سرسبد، سیاستِ دوراں
کے کوہِ بلند نشان، سکندرِ مملکتِ فقر و عرفان
اعلیٰحضرت الشاہ مردان شاہ (پیر پاگارا ہفتم) بالقابہ
کے نام
جن کی ذاتِ گرامی اس مصرعہ کی مصداق ہے
؎ اے کہ مجموعہ خوبی! بچہ نامت خوانم

نذر گذار
السیّد محمد فاروق القادری (ایم اے)
آستانۂ قادریہ شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خاں
بہاول پور ڈویژن
۱۵ جون ۱۹۹۴ء

فہرست مضامین

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اقبالؒ

اے تیری آواز آوازِ خدا — اور خاموشی تیری رازِ خدا
تھے لبِ شیریں لبہائے فرات — اس لیے ہر بات تھی آبِ حیات
جو حکایت، جو مثل، جو بات تھی — عالمِ معنیٰ کی اک سوغات تھی

سالہا در کعبہ و بُت خانہ مے نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

پیش لفظ

در جہانِ کائنات کردیم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ کاہ

ہوا و ہوس اور مادہ پرستی کے اِس دورِ ناہنجار میں خدا شناسی خدا رسی، راہ یابی اور راست روی تو بڑی چیزیں ہیں۔ اگر اپنی کمی اور اصلاح و تکمیل کی ضرورت کا احساس یا کم از کم مردانِ خدا کی محبت نصیب ہو جائے تو بڑی بات ہے۔ دانشورانِ عالم کے نزدیک ہر دور میں انسان کو فرد اور معاشرہ کیلئے سُود مند اور بہتر انسان بنانے کی تحریک سے زیادہ مبارک اور بہتر اور کوئی کام نہیں۔

انسانی تاریخ میں جہاں جہاں ایسے مصلحین کی مساعیٔ جمیلہ اور اس راہ میں انہیں پیش آنے والی مشکلات کا جائزہ لیتے ہیں پھر اُن کی ثابت قدمی اور استقلال کے مناظر آنکھوں کے سامنے آتے ہیں تو اُن کے لیے تشکر و امتنان کے جذبات اُبھرتے اور ان کیلئے محبت و عقیدت کے چشمے پھُوٹ پڑتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ایک انسان کو تربیت دینا اور سکھانا جانوروں کو سدھانے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ انسانوں سے بھری ہوئی اِس دنیا میں بہتر انسان کی تلاش اور اس کی صحبت کی لذت سے بڑھ کر غالبًا اور کوئی نعمت نہیں ہے۔

ایک خاص بات جو آپ کو بیشتر خانوادگانِ فقر سے امتیازی حیثیت عطا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی جماعت میں جہاد کی اسپرٹ پیدا کی۔ آپ کی جماعت عملاً مجاہدین کی جماعت ہے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید علی مکی رحمۃ اللہ علیہ ۵۲۰ھ مطابق ۱۱۲۶ء عباسی دورِ حکومت میں مکہ معظمہ سے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں سندھ میں تشریف لائے۔ آپ کی نسل میں منبع رشد و ہدایت حضرت سید محمد راشد علیہ الرحمۃ نے بڑا نام پایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر خصوصی کرم فرمایا۔ آگے کئی نسلوں تک بلکہ موجودہ دور تک آپ کے اخلاف آپ کی زاہدانہ اور مجاہدانہ وراثت کے مکمل امین رہے ہیں۔

اس خاندان کی کوششوں سے لاکھوں غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جودھ پور، بے پور، جیسلمیر اور بیکانیر (راجستھان) میں سات لاکھ اور پاکستان میں بیس لاکھ کے قریب افراد نے اس خاندان کے ہاتھ پر جہاد کیلئے بیعت کی۔

اعلیٰ حضرت سید محمد راشد علیہ الرحمۃ کی ذات سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کو نئی زندگی مل گئی۔ آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء نے اصلاح اخلاق و اعمال کے ساتھ ساتھ انگریزی سامراج کے خلاف جو تاریخی جد و جہد کی کم از کم برصغیر کی تاریخ تصوف اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ خاندان برصغیر میں اسلام کا مبلغ رہا ہے اس کی ایک سو سالہ تاریخ دینی خدمات کے ساتھ ساتھ جنگی کارناموں سے لبریز ہے۔

اس خاندان نے اپنی جماعت کو صحیح اسلامی خطوط پر چلایا اور اس میں مجاہدانہ جذبۂ جہاد پیدا کیا۔ یہ خاندان ہمیشہ غیر اسلامی طاقتوں کے خلاف برد آزما رہا۔ یہ خاندان اسلامی اخوت اور قومی اتحاد کا پاسبان ہے اس میں ملک کی نظریاتی اور علاقائی سرحدوں کی حفاظت کا جذبہ اور حوصلہ موجود ہے۔

خالی کتابیں پڑھ لینے سے اگر تہذیب اور شائستگی ضروری ہوتی تو دنیا کی تعلیم یافتہ اور متمدن قومیں ظلم و بربریت کا وہ مظاہرہ نہ کر رہی ہوتیں جو دنیا کے نقشے پر ہم دیکھ رہے ہیں۔

اسلام کا یہ اعجاز ہے کہ جہاں اس نے زندگی کے مختلف اور متنوع محاذوں پر ہر دور میں تازہ دم اور انتہائی مستعد جماعتیں مہیا کی ہیں۔ مثلاً میدانِ جہاد کیلئے غازی اور مجاہد، درس و تدریس کیلئے علماء و فضلاء، قرآن مجید کی حفاظت کیلئے حفاظ، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو محفوظ رکھنے کیلئے محدثین، علوم قرآنی کیلئے مفسرین، سیاست کیلئے سیاستدان وغیرہ ٹھیک اسی طرح کردار سازی اور عظمت انسانی کے بلند ترین معیار کو قائم رکھنے کی خاطر قرن اول سے اس نے ایک ایسی جماعت پیش کی ہے جو اپنے بلند اخلاق جذبۂ خدمت، حریتِ فکر، سادگی، قناعت پسندی اور بیشمار ظاہری و باطنی خوبیوں کی بناء پر انسانی تاریخ کا قابل فخر سرمایہ ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں ایسے نفوسِ قدسیہ کی تعداد لاکھوں میں ہے تاہم جن بڑے بڑے مشائخ صوفیاء نے تاریخ کے دھارے بدلے ہیں یا نئی تاریخ رقم کی ہے ان میں سلسلۂ عالیہ قادریہ کے عظیم المرتبت بزرگ، مجدد سلسلۂ عالیہ قادریہ منبع رشد و ہدایت السید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ (صاحب الروضہ پیر پاگارام ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء) کی ذاتِ گرامی بہت نمایاں اور ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ بقول مولانا عبید اللہ سندھیؒ آپ اس دیار میں علمی اور روحانی طور پر تقریباً وہی شہرت اور مرتبہ رکھتے تھے جو ان کے معاصر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کا شمال مغربی ہندوستان میں تھا[1]۔

---

[1] پرانے چراغ: ۱۴۷ مولانا ابو الحسن علی ندوی

اسی خاندان کے فیض یافتگان میں حافظ الملت، صدیق الامت سیدالعارفین
حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ (بھرچونڈی شریف) کی ذاتِ گرامی انتہائی ممتاز
مقام کی حامل ہے آپ کی نگاہِ دور رس اور سیاسی تدبر و بصیرت نے اپنی مجاہدانہ تربیت
سے ایسے ایسے انقلابی انسان تیار کیے جنہوں نے آگے چل کر سندھ کی بمبئی سے آزادی
انگریزی استبداد کے خلاف جہادِ حریت اور بالآخر دو قومی نظریہ کی بنیاد پر آزادیٔ
وطن اور حصولِ پاکستان کی تحریکوں کا جھنڈا لہرایا اور صرف برصغیر میں ہی نہیں بلکہ افغانستان
ایران، ترکی اور روس تک جاکر ان تحریکوں کی قیادت سنبھالی اور دنیائے اسلام میں
بیداری کی لہر پیدا کی۔

آپ نے خانقاہی نظام میں پیدا ہو جانے والی تمام بدعات و رسوم کا قلع قمع کیا
اور اس میں نکھار پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقبولیت و محبوبیت کا ایسا بلند درجہ عطا
فرمایا جہاں جید علمائے کرام، مفتیانِ وقت، متشدد مزاج علماء، جابر زمیندار اور خوانین
اور عوام الناس نے ایک دوسرے سے بڑھ کر عقیدت کی گردنیں جھکائیں۔ اس آخری
دور میں آپ مرجعیت کے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے۔

آپ نے خانقاہی نظام کے بعض معمولات میں مجتہدانہ انداز میں تبدیلیاں کیں
آپ نے اپنی خانقاہ "بھرچونڈی شریف" کو ایک ادارہ اور تحریک کی شکل دی۔ بھرچونڈی
شریف نے اپنی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں دینی و ملی خدمات کے لافانی نقش ثبت کیے۔

زیرِ نظر کتاب "نفحات الرحمٰن" اسی خاندان کے گل سرسبد شیخ المشائخ مجاہدِ
اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ ۱۳۰۸ھ - ۱۳۸۰ھ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل
تذکرہ ہے۔ اس میں آپ کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں، ذوقِ عبادت، روحانی واردات

اور ہمہ جہت اصلاحی اقدامات، کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان کے سلسلے میں آپ کی
ولولہ انگیز قیادت کی جھلکیاں، سندھ کو بمبئی سے آزاد کرانے اور ہندو بالادستی کے خاتمے
کے لیے آپ کی مساعی کا تاریخی جائزہ اور آپ کی معاصر روحانی، علمی اور سیاسی تاریخ کا
عکس جمیل سمٹ کر آگیا ہے نیز اس بات کی تردید کہ فقر و تصوف شریعت سے کوئی علیحدہ چیز ہے۔

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ قرنِ اوّل کی تصویر تھے آپ کی
زندگی کے چند نمایاں پہلو یہ تھے۔

• حافظ الملت سے وراثت میں ملی انگریز سے نفرت • ہندوؤں سے بے تعلقی
• اسلام کیلئے ہر وقت سربکف رہنا • تحریک پاکستان میں ولولہ انگیز جدوجہد
• اتباعِ سنت کا مثالی اور بلند ترین معیار • رسوم و رواج اور بدعات کے خلاف
عملی اقدامات • سلسلۂ عالیہ قادریہ کے معمولات پر سختی سے عمل۔

راقم السطور کو آپ کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل ہوا ہے اور وہ پوری
شرحِ صدر سے کہہ سکتا ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے شیخ کی جو بھی کڑی سے کڑی
شرائط رکھی جائیں یا جو بھی بہتر سے بہتر معیار مقرر کیا جائے مجاہد اسلام حضرت پیر
عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ہر لحاظ سے اس پر پورے اترتے تھے۔

نامور اہل قلم میر حسان الحیدری ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"حضرت پیر محمد عبدالرحمٰن المعروف بھورل سائیں رحمۃ اللہ علیہ خانوادہ حافظ الملت
کے وہ گل سرسبد تھے جس کی خوشبو چار دانگ عالم میں پھیلی وہ اس "ہمہ خانہ آفتاب"
گھرانے کی ایسی کرن تھے جس کی ضیا پاشیوں سے پورا برصغیر چمک اٹھا۔ بقول سائیں
خانقاہ بھرچونڈی شریف کی تحریک کے امام ہی نہیں تھے بلکہ زوال پذیر چودھویں

صدی ہجری میں تحریک احیائے اسلام کے علمبردار اور پاکستان کے حقیقی معماروں اور
بانیوں میں سے تھے ان کی زندگی سراپا علم و عمل اور ان کا پیکر عشقِ رسول کا امین
تھا۔ محبت رسالتمآب علیہ السلام اور اتباعِ سنتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
ان کو خاندانی ورثے میں ملی تھی جو زندگی بھر ان کا اوڑھنا بچھونا رہی۔[1]

میں نے اِس کتاب میں شخصی اور انفرادی باتوں پر ان واقعات کو زیادہ
ترجیح دی ہے جن کا واسطہ ملتِ اسلامیہ یا اس کے اجتماعی مفادات اور امور سے
ہے۔ شخصی خوبیاں یقیناً اہمیت کی حامل ہیں مگر شخصیات کا دور گزر چکا اب وہی
شخصیت، نظریہ یا کارنامہ اہمیت کا حامل ہے جس کا رُخ معاشرے یا عوام کی
طرف ہے بحمداللہ صاحبِ تذکرہ کی پوری زندگی اسی فکر کی عکاس ہے۔ ؎

شمع کی طرح جئیں کارگہ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

گذشتہ پچاس ساٹھ سال کی تاریخ کو سمیٹنا آسان کام نہ تھا۔ سارا
مواد کسی ایک جگہ اکٹھا موجود نہ تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ کتاب میں بعض جگہ
قارئین کو کمی کا احساس ہوگا مگر اسے ہماری معذوری پر محمول کرنا چاہیئے۔ قلتِ
وسائل کے باعث اِس طوفانی دور کی تاریخ کے سارے گوشوں تک میری رسائی
ممکن نہ ہو سکی۔ تاہم میں نے اپنی سی بھرپور کوشش کی ہے کہ تمام ضروری چیزیں
آجائیں۔ کتاب میں کشف و کرامات اور خوش عقیدگی کی دوسری روایتیں موجود نہیں

---

[1] پیش لفظ ذکر میلاد النبیؐ کی مقدس محفلیں: ۲۰ میر حسان الحیدری

ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ان چیزوں کا قائل نہیں ہوں۔ بلکہ میرے نزدیک
یہ چیزیں انفرادی حوالے ہیں۔ اجتماعیت اور معاشرے کو ان کی چنداں ضرورت
نہیں ہے۔ بحمداللہ مختلف اسلامی اور دینی موضوعات پر میں خاصے صفحے سیاہ
کر چکا ہوں۔ مگر اپنے مرشد طریقت کے حالاتِ زندگی اور آپ کی زرّیں اسلامی و ملی
خدمات پر یہ کتاب لکھ کر میں اپنے اندر خوشی و مسرت کی جو کیفیت پا رہا ہوں وہ
الفاظ کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی۔ عرصہ دراز سے میں اپنے ذمّے یہ قرض محسوس
کر رہا تھا جسے آج ادا کر سکے میں اپنے آپ کو سبکبار سمجھ رہا ہوں۔ میرے لیے یہی
نسبت کافی ہے ؎

فی الجملہ نسبت بہ تو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

آخر میں فخر المشائخ حضرت پیر عبدالخالق صاحب سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ
بھرچونڈی شریف کی علم دوستی اور اپنے بزرگوں کے کارناموں سے محبت اور انہیں
عام کرنے کی تڑپ کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کے اسی جذبے نے مجھ سے
کم بخت اور کم نویس شخص سے یہ کام کرایا۔ جزاھم خیر الجزا۔

میں تمام مسلمانوں بالخصوص بھرچونڈی شریف کے سلسلۂ قادریہ سے نسبت
رکھنے والے دوستوں سے اپنے حق میں دعائے خیر و عافیت کی اپیل کرتا ہوں۔

خاکِ راہ

فقیر سید محمّد فاروق القادری
خانقاہِ عالیہ شاہ آباد شریف
گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خان

۱۸ مئی ۱۹۹۴ء

باب اوّل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حکایت از قدِ آں یارِ دلنواز کنیم
باین فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

مجاہدِ اسلام ناصرِ تحریکِ پاکستان حضرت پیر عبدالرحمٰن صاحب بھرچونڈی شریف سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق سنہ ۱۸۹۱ء میں سمیجہ قوم کے ایک ایسے معتبر اور معزز گھرانے میں پیدا ہوئے جو علم و معرفت، اپنی دینی و ملّی خدمات اور اتباعِ سنّت کے اعتبار سے ملک گیر شہرت حاصل کر چکا تھا. آپ کے جدِّ امجد جنیدِ وقت سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ کے ایک دور دِہ قصبے بھرچونڈی میں علم و معرفت کی جو جوت جگائی تھی اس کی روشنی سندھ و پنجاب سے نکل کر برصغیر کے دور دراز علاقوں کو منور کر رہی تھی. بھرچونڈی شریف ہند و سندھ کے طالبانِ حق کا مرکز بن چکا تھا. مستند روایات کے مطابق تین لاکھ آدمیوں نے جنیدِ وقت سید العارفین حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنی زندگیاں

اسوۂ رسول کے قالب میں ڈھالنے کا عہد کیا. بارہ بزرگ خلافت سے نوازے گئے جنہیں آگے تبلیغِ دین، محبت الٰہی اور اعلیٰ انسانی اقدار کی تبلیغ و ترویج کی خدمات سونپی گئیں.

معروف عالمِ دین اور تحریکِ آزادی کے نامور مجاہد مولانا تاج محمود امروٹی زبدۃ السالکین خلیفہ غلام محمد دین پوری، سرتاجِ صوفیا خلیفہ مولانا عبدالغفار خانگڑہی سرخیلِ صوفیا سیّد محمد جعفر شاہ بخاری، مجاہدِ آزادی مولانا عبیداللہ سندھی ایسے سینکڑوں علم و معرفت اور حریّت و آزادی کے شمس و قمر بھرچونڈی شریف کی خاک کو کحل بصر اور اور اس کے نانِ جویں کو مائدۂ بہشت سمجھتے ہوئے اِس قبلۂ شوق اور کعبۂ انجذاب کے طواف میں مصروف تھے.

آپ کے والدِ گرامی شیخِ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ جو جنیدِ وقت سیّد العارفین حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر آپ کے جانشین قرار پائے. خود روحانیت کے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے. آپ کی تعلیم و تربیت حافظ الملّت نے اپنی سرپرستی میں مکمل کرائی. حافظ الملّت کے جانشین اور اُن کے مشن کے علمبردار نے اُن کے اسلامی اور تاریخی مشن کو جس طرح آگے بڑھایا اور اُسے کامیابی سے ہمکنار کیا اُسے ہم برصغیر کی ملّی اور اسلامی تاریخ کے روشن صفحات میں بآسانی دیکھ سکتے ہیں. حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی بلا مبالغہ وہ ایک ایسا دینی، اسلامی اور روحانی ماحول تھا جسے عہدِ صحابہ کے علاوہ کسی اور زمانے سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی.

اس وقت بھرچونڈی شریف[1] کا معاشرہ اور ماحول ٹھیک انہی بنیادوں پر

[1] بھرچونڈ سمیجہ قبیلہ کا ایک مشہور باڑہ (شاخ) ہے چونکہ حضرت حافظ الملّت (باقی اگلے صفحہ پر)

استوار تھا جو حافظ الملتؒ نے اس کے لیئے قائم کی تھیں۔ اس ماحول اور معاشرے کی دُنیا ہی نرالی تھی۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ اور اس کے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت وسیرت عملی شکل میں موجود تھی۔ عام خانقاہی معمولات کے برعکس یہاں پر مدار و معیار صرف اور صرف کتاب و سنّت تھی۔ اس وقت تین چار سو کے قریب ایسے خدامست درویش موجود تھے جو اصحابِ صفہ کی اقتداء میں مسجد میں رہتے۔ لنگر کے معمولی دال ویلے یعنی قوت لایموت پر گزارہ کرتے مگر بالنہار فرسان "وفی اللیل رھبان" (یہ لوگ دن کے وقت مجاہد اور رات کے وقت راہب ہوتے ہیں۔) کا نظارہ پیش کرتے۔ تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی اور حضورِ مرشد کے علاوہ انہیں کسی چیز سے واسطہ نہ ہوتا۔ ان میں سے بیشتر اُمی مگر نگاہِ مُرشد کے طفیل فرائض، سنن، واجبات، مستحبات، حلال وحرام، نماز روزہ کے باریک مسائل حتیٰ کہ وراثت اور فرائض کے مسائل کے ایسے عالم کہ علماء بھی زبان سنبھال کر بات کریں۔

والدِ غوثِ زماں ہادیٔ گمراہاں حافظ محمد عبداللہ والد ماجد حافظ قرآن اور عارف ماحول سیّد العارفین کا پیدا کردہ اس میں جو بابرکت بچہ پلا بڑھا ہو گا اس کا اندازہ ناظرین بآسانی کر سکتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ ثانی حضرت حافظ محمد عبداللہؒ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ایک کمسن بچہ گود میں دیتے ہوئے فرمایا عبداللہ!

(بقیہ حاشیہ) کا تعلق سمہ قبیلہ کی اسی شاخ سے تھا اس لیئے آپ کا مسکن بھر چونڈی کے نام سے موسوم ہوا۔

کو سنبھالو! ایک وقت آئے گا کہ بڑے بڑے قہرمان وقت اس کے سامنے اپنی پیشانیاں جھکائیں گے اور اس کے پاؤں کی خاک کو بطورِ تبرک باہم تقسیم کریں گے۔

تعلیم و تربیت

عمر چار سال کو پہنچی تو حضرت شیخ ثانی نے حافظ الملت کے مزار مبارک کے پاس بیٹھ کر رسم بسم اللہ ادا کرائی اس موقع پر جماعتِ فقراء میں زبردست خوشی اور مسرت کا اظہار کیا گیا جانور ذبح کیئے گئے مولود خوانی ہوئی اور فقراء نے ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کی۔

آپ نے قرآن مجید ناظرہ پڑھا مگر تراویح کی جماعت میں حافظ قرآن کو غلطی لگتی تو اس کی درستی کر لیتے تھوڑے عرصے میں قرآن مجید ختم ہو گیا۔ آپ تلاوت کرتے تو الفاظ موتیوں کی طرح گرتے۔ آواز باٹ دار مگر سوز و درد میں ڈوبی ہوئی تھی قرآن مجید شروع کرتے تو سخت سے سخت دل موم بن کر پگھل اُٹھتے۔

قرآن مجید کی تعلیم مکمل ہوئی تو حسبِ دستور فارسی اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں شروع ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم آپ نے علاقہ کے معروف عالم دین عمدۃ الفضلاء مولانا علی شیر لک پوری سے حاصل کی۔

حضرت مولانا علی شیر لک پوری علیہ الرحمۃ

آپ لک پور دبھر چونڈی شریف ڈہرکی سے دو میل کے فاصلے پر واقع

شمال مشرق میں ایک قصبہ) کے رہنے والے تھے۔ دینی علوم کی تکمیل راجن پور (تحصیل ادباڑو کی مشہور علمی بستی) کے استاذ العلماء مولانا یار محمد صاحب سے کی۔ تکمیل کے بعد آبائی گاؤں لک پور میں دینی علوم کی درس گاہ قائم کی چنانچہ یہاں آپ سے یہاں بیشما علماء نے فیض حاصل کیا۔ ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ عالم باطنی کی نعمت سے بھی مالا مال تھے آپ کو تمام دینی علوم پر یکساں مہارت حاصل تھی مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ آپ کے پاس زیرِ تعلیم رہے۔ سات آٹھ ماہ کا عرصہ آپ بھرچونڈی شریف میں بھی قیام پذیر رہے۔ ۱۹۴۲ء میں واصلِ بحق ہوئے مزار مبارک لک پور کے قبرستان میں ہے۔

استاذ العلماء مولانا نور محمد چاچڑؒ

اس کے بعد آپ کچھ وقت مشہور مردم خیز قصبے راجن پور کے نامور علمی گھرانے کے چشم و چراغ مولانا نور محمد چاچڑ علیہ الرحمہ کے پاس پڑھتے رہے مولانا نور محمد صاحب کو شیخ ثانی حضرت حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار کے ساتھ بھرچونڈی شریف میں ٹھہرا لیا تھا جہاں آپ حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ درجن بھر بڑی کتابوں والے طلباء کو بھی پڑھاتے تھے آپ ۱۹۳۹ء میں واصل بحق ہو کر گھوٹکی میں دفن ہوئے۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ سرخیل اصفیاء حضرت سید سردار شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف آ گئے چنانچہ آپ نے حضرت موصوف ہی سے تعلیم باقاعدہ شروع کر دی۔

رئیس الاصفیاء حضرت سید سردار شاہ بخاری علیہ الرحمۃ

آپ سادات کے مشہورِ عالم بخاری خاندان کی ایک نہایت معزز اور معتبر شاخ کے فردِ فرید تھے۔ آپ کے والدِ گرامی حضرت سید محمد جعفر شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے نامور ولی اللہ اور انتہائی مستجاب الدعوۃ بزرگ تھے۔ آپ گڑھی اختیار خان (بہاول پور) کے عباسی نواب سردار علی گوہر خان مرحوم کی استدعا اور خواہش پر گڑھی اختیار خان میں آباد ہوئے۔ ان نوابوں کے بیشتر اہلِ خانہ آپ سے شرفِ بیعت رکھتے تھے۔

سید العارفین جنیدِ زمانہ حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ گڑھی اختیار خان کی تاریخی جامع مسجد کی زیارت کے لیے اس قصبے میں تشریف لائے تو نواب علی گوہر خان عباسی نے بصد اصرار آپ کو اپنے مرشد سید محمد جعفر شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ملوایا۔ نمازِ فجر کے بعد ظہر کی اذان تک دونوں بزرگوں میں علم و معرفت کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس قران السعدین نے دونوں خاندانوں میں محبت و مودت کے جو بیج بوئے وہ بحمد اللہ آج تک سرسبز و شاداب ہیں۔

حضرت سید سردار شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جید عالم دین، کئی زبانوں کے ماہر، نغز گو شاعر، شب بیدار درویش اور فقیر دوست بزرگ تھے۔ آپ نے مختلف اوقات میں سات سال کا عرصہ مدینہ منورہ میں گزارا۔ دورۂ حدیث اور فصوص الحکم کا درس استاذ العلماء ملاذ الفقہاء مولانا عبدالباقی لکھنوی ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حرم نبوی میں بیٹھ کر حاصل کیا۔ مولانا لکھنوی کی خصوصی نظرِ عنایت شاملِ حال تھی چنانچہ آپ

نے حضرت سید سردار شاہ علیہ الرحمۃ کو اپنے ہاتھ سے اجازتِ بیعت اور سندِ خلافت لکھ کر دی۔

آپ کو بارگاہِ نبوی میں خصوصی قرب حاصل تھا۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی بلا تکلف روضۂ مقدسہ کے مواجہ میں حاضر ہو کر عرض کرتے۔ اسی وقت ضرورت پوری ہو جاتی۔ راقم کے والد گرامی حضرت سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلی بار دو سال کے بعد آپ دیارِ رسول سے واپس آئے تو سیدھے اپنے مرشد کے حضور بھرچونڈی شریف پہنچے۔ اس وقت آپ کے بدن پر کھدر کے تین کپڑے پاؤں میں معمولی چپل اور کھدر کی ایک چادر کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت شیخ ثانی کی قدم بوسی حاصل کی۔ تو آپ نے جماعتِ فقراء سے فرمایا "شاہ صاحب کے سامان کی خبر گیری کرو۔" آپ نے فرمایا حضور! میرا سامان تن کے یہی کپڑے ہیں اور کوئی چیز میرے ساتھ نہیں ہے۔ حضرت شیخ ثانی علیہ الرحمۃ نے خوش ہو کر پیشانی چومی اور فرمایا سچے فقیر کی شان یہی ہے کہ

"با دُنیا و اہلِ دُنیا کارے ندارد"

حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ نے آپ سے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا بیان کیا جاتا ہے کہ استاد و شاگرد ایک جگہ جمع ہوتے تو دُنیا کو بھول جاتے بعض اوقات پورا دن اور بعض دفعہ تو آنے والی رات بھی ان کی وسعتوں کا ساتھ نہ دے سکتی۔ اس دوران کسی تیسرے شخص کو اندر آنے کی اجازت نہ ہوتی۔ یوں خدا کے یہ دو مقبول بندے علم و روحانیت کے افادے اور استفادے میں مصروف رہتے آپ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۱ء ۱۱ شعبان المعظم کو واصل بحق ہوئے مزارِ پُر انوار

آستانہ قادریہ شاد آباد شریف گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خان میں ہے۔ مزار پر بلند و بالا ہشت پہلو روضہ تعمیر کیا گیا ہے۔

منفرد قسم کے استاد و شاگرد کی یہ نورانی مجلسیں جاری تھیں کہ حضرت سید سردار شاہ علیہ الرحمۃ کو دیارِ حبیب کا بلاوا آگیا آپ نے مدینہ طیبہ کیلئے رختِ سفر باندھا اس دوران اچانک پنجاب کے ایک نامور عالمِ دین سیر و سیاحت کرتے ہوئے بھرچونڈی شریف آنکلے حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ نے فرستادۂ غیب سمجھتے ہوئے ان کی خوب آؤ بھگت کی اور ان سے اپنا تعلیمی سلسلہ شروع کر دیا۔

استاذ العلماء مولانا عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ ضلع سرگودھا کے مشہور قصبے کُفری کے رہنے والے تھے علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے آپ کے اکابرین مغلیہ دور میں منصب قضا پر فائز رہے تھے اسلیئے قاضی کہلاتے تھے۔ آپ کے بھائی قاضی رکن الدین بھی درس و تدریس کرتے تھے۔

مولانا عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ نے پنجاب کے مختلف مدارس میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ فقہ اور منطق و معقولات میں آپ کو ماہرانہ دسترس حاصل تھی۔ فقہ کی باریک سے باریک جزئیات پر وہ عبور تھا کہ باید و شاید۔ تقویٰ و طہارت کا پیکر تھے۔ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے بھرچونڈی شریف وارد ہوئے مگر حضرت شیخ ثانی علیہ الرحمۃ کی محبت نے ایسا گلوگیر کیا کہ نہ صرف اپنا سب کچھ قربان کر کے بیعت ہو گئے بلکہ عمرِ عزیز کے بقیہ چالیس برس بھی آستانۂ شیخ کی جاروب کشی اور صاحبزادگان کی تعلیم و تربیت میں گزار دیئے۔

اپنے مُرشد کی خانقاہ کے ادب کا یہ عالم کہ عمر بھر طہارت کیلئے بھرچونڈی شریف سے تقریباً نصف کلومیٹر دور واقع نہر جو چھوٹا واہ کے نام سے مشہور ہے کو عبور کر کے آگے تشریف لے جاتے۔ حدیہ کہ پیشاب کی خاطر بھی یہ فاصلہ طے کرتے۔

آپ مسجد کے صدر دروازے والے قُبہ نما حجرے میں رہتے اس لیئے مولوی صاحب قبہ والے کے نام سے مشہور تھے حجرے میں دو جوڑے کپڑے، معمولی برتنوں اور سونے کے لیئے چٹائی کے بستر کے سوا اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ گویا آپ ترک دنیا اور زُہد کی مجسم نشانی تھے۔ دن تعلیم وتدریس میں گزرتا اور رات نوافل اور ذکرِ الٰہی میں۔ آپ علمائے حق کی زندہ تصویر تھے۔ موسم گرما میں مرشد کے روضۂ عالیہ کے نزدیک پختہ فرش پر اینٹ سرہانے رکھ کر یہ درویش سوتا۔ تو چہرے سے بادشاہوں کی سی بے نیازی ٹپکتی۔ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ نے حدیث اور فنون کی آخری کتابیں آپ کے پاس پڑھیں۔

آپ ۱۹۵۹ء میں واصل بحق ہو کر اپنے گاؤں کفری میں مدفون ہوئے۔

چونکہ بھرچونڈی شریف کا میکدۂ عرفان دور دور تک دعوتِ مے ونوش دے رہا تھا اس لئے اہلِ علم، اربابِ طریقت، متلاشیانِ حق اور سالکانِ راہ خود بخود کھنچے چلے آ رہے تھے حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ مولانا عبد الکریم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آخری کتابیں پڑھ رہے تھے کہ نامور فقیہ استاذ العلماء حضرت مولانا سراج احمد صاحب مکھن بیلویؒ بھرچونڈی شریف تشریف لائے۔ علوم فقہ اور میراث میں آپ کی شہرت اور قابلیت مسلّمہ تھی۔ حضرت شیخ ثانی علیہ الرحمۃ نے آپ کو بھرچونڈی شریف میں قیام پر راضی کر لیا۔

سراج الفقہاء استاذ العلماء حضرت مولانا سراج احمد مکھن بیلویؒ

آپ سابق ریاست بہاول پور کے قصبہ مکھن بیلہ کے ایک ممتاز علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ سابق ریاست بہاول پور کے بہت سے جید علماء آپ کے شاگرد ہیں ابتدا میں اپنے آبائی قصبے مکھن بیلہ میں درس وتدریس اور فتویٰ نویسی کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ درویش منش، خدا دوست، متوکل، صابر و شاکر، انتہائی سادہ مزاج مگر متبحر عالمِ دین تھے۔ معروف صوفی بزرگ اور سرائیکی زبان کے امرار القیس حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ آپ کو فقہ پر ایسا عبور حاصل تھا کہ مخالفین بھی اس کے قائل تھے بالخصوص علم میراث (علم الفرائض) میں آپ کو جو دسترس حاصل تھی اس دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ علم فرائض کے بعض مسائل کے سلسلے میں فاضل بریلوی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کی خط وکتابت ہوتی رہی۔ فاضل بریلوی نے اس فن میں آپ کی مہارت کو سراہا۔ غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمیؒ نے آپ کو "سراج الفقہاء" کا لقب دیا۔

آپ نے علم فرائض میں "الزبدۃ السراجیہ" کے نام سے کتاب بھی لکھی ہے آپ کے فتوے متحدہ ہندوستان کے کونے کونے میں جاتے اور ہر جگہ عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔

سراج الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ کافی عرصہ تک دربار عالیہ بھرچونڈی شریف میں مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ کو فقہ اور علم الفرائض کی آخری کتابیں پڑھاتے رہے۔

آپ ۱۹۷۲ء مطابق ۱۳۹۲ھ واصل بحق ہوئے۔ مزار مبارک خان پور کے قبرستان مائی صاحبہ میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

حق بحقدار رسید

شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی شریعت وطریقت کا ایسا قد آور درخت تھی جس کے سائے میں حجروں کے زاویہ نشین، میدانِ جہاد کے غازی، مسجد کے نمازی، تقویٰ وطہارت کے متلاشی زہد وعبادت کے رسیا، ذکرِ الٰہی کے متوالے، عشق ومحبت کے دیوانے اور میدانِ سیاست کے شہسوار یکساں راحت اور سکون محسوس کرتے۔ بلاشبہ آپ کی شخصیت اس شعر کی سچی تصویر تھی۔

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن

حضرت شیخ ثانی نے وصال مبارک سے پانچ برس قبل جبکہ شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تیس سال سے اوپر ہو چکی تھی، میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب کے موقع پر حسبِ دستورِ مشائخ رات کے وقت اپنے بنگلے میں بلوایا اول سامنے بٹھا کر توجہ دی اور پھر سلسلہ عالیہ قادریہ نقشبندیہ میں اجازت وخلافت

نوازا۔ اس تقریب میں رئیس الاصفیا حضرت سید سردار احمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ خلافت الٰہیہ کا بارِ گراں آپ کے کاندھوں پر آیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور کافی دیر بے سدھ پڑے رہے بعد میں حضرت شیخ ثانی نے سلسلۂ عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ میں اجازت بیعت اور خلافت نامہ تحریر کرنے کے لیئے حضرت سید سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا جس کی فوراً تعمیل ہوئی۔

شیخ ثانی کا وصال

شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ۳۸ سال تک سجادۂ حافظ الملت کو زینت بخشی۔ آپ نے ایک بھرپور اور کامیاب زندگی گزاری۔ خانقاہ کے دینی دنیوی اعزاز میں زبردست اضافہ کیا۔ مسجد عالیہ کی تزئین وآرائش کی۔ حافظ الملت کے مزار پر ہشت پہلو بلند وبالا مقبرہ تعمیر کرایا۔ زائرین کی سہولت کے لیئے مکانات تعمیر کرائے۔ درس قرآن کو منظم کیا۔ آپکی سیاسی بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب بعض جوشیلے علما نے ہند وسندھ کو دار الحرب قرار دے کر یہاں سے ہجرت کا نعرہ لگایا تو شیخ ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ واحد دینی رہنما تھے جنہوں نے شد ومد سے اس کی مخالفت کی۔ اور اس کے خلاف فتوے لکھوا کر پورے سندھ میں ان کی تشہیر کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کو سندھ کے غریب اور سادہ عوام کی اکثریت نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ کے طعنے سننے سے بچ گئی۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو پاکستان

کے قیام کا کیا جواز رہ جاتا؟ بالآخر حضرت شیخ ثانی نے معمولی بیماری کے بعد ۱۳۴۶ھ ۲۵ رجب المرجب کو حضرت امیر خسروؒ کا یہ شعر دہراتے ہوئے جانِ جانِ آفرین کے سپرد کی۔

شاد باش اے دل کہ فردا بر سرِ بازارِ عشق
وعدۂ قتل است اگرچہ وعدۂ دیدار نیست

مشہور عالم دین اور سندھی زبان کے قادر الکلام شاعر و نثر نگار اور مشکوٰۃ شریف کے پہلے سندھی مترجم و شارح حضرت مولانا احمد صاحب (سجادہ نشین خانگڑھ) نے اِس مصرعہ سے تاریخِ وفات نکالی۔

در بغل معراج آمد شد وصال
۱۳۴۶ھ

دستار بندی

شیخ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے تیسرے روز حسبِ دستور خانقاہی قل خوانی (سوئم) کی محفل قائم ہوئی۔ اِس محفل میں سندھ و پنجاب کا وہ سارا دینی حلقہ اُمڈ آیا جسے حضرت حافظ الملت یا شیخ ثانی رحمۃ اللہ علیہم کے حلقہ بگوش ہونے یا ان سے عقیدت رکھنے کا شرف حاصل تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مجمع روایتی قسم کا نہیں بلکہ اللہ والوں کا ایسا اجتماع تھا جس کی دور دور تک نظیر نہیں ملتی۔ حضرت مولانا احمد صاحب سجادہ نشین خان گڑھ شریف (آپ بھرچونڈی شریف کے خلفا میں سے تھے۔ جید عالم دین، صاحبِ احوال

اور واقفِ راہ بزرگ تھے) نے دستار اپنے ہاتھوں سے آپ کے سر مبارک پر رکھی فریاد و فغاں اور شور و بکا کا غلغلہ آسمان پر پہنچا۔

آپ نے تین ماہ تک ایصالِ ثواب کیلئے خیرات و صدقات کے دروازے کھول دیئے۔ ہر روز کئی کئی جانور ذبح ہوتے سارا دن لنگر خانے میں طعام پکتا رہتا۔ اور غربا و مساکین کے علاوہ ہر وارد و صادر بلا امتیاز کھانا کھاتا۔ آپ کی سجادہ نشینی ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں عمل میں آئی۔

سید العارفین جنیدِ وقت حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی کا منصب سنبھالتے ہی آپ بانی خانقاہ بھرچونڈی شریف کے اصلاحی اور تبلیغی روحانی مشن کو آگے بڑھانے کیلئے سرگرمِ عمل ہو گئے۔

تعلیم القرآن

ایک اسلامی معاشرے بالخصوص خانقاہی ماحول میں تعلیم قرآن کی جو اہمیت ہے اس سے کون بے خبر ہو سکتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" (تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جس کا مشغلہ قرآن پڑھنا اور قرآن پڑھانا ہے) پر ہر دور میں مسلمانوں نے عمل کیا ہے۔ اہل خانقاہ تو اپنی ابجد ہی تعلیم قرآن سے کرتے ہیں۔

یوں تو بھرچونڈی شریف میں حضرت حافظ الملت کے دور سے قرآن مجید کے درس و تدریس کا نہایت معیاری مدرسہ قائم تھا۔ شیخ ثانی علیہ الرحمۃ نے اسے مزید ترقی دی۔ مگر شیخ ثالث حضرت پیر عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے مدرسے

کو از سرِ نو منظم کیا. چونکہ آپ کو قرآن مجید سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا اس لئے آپ کے دور میں بھرچونڈی شریف کے در و دیوار قرآن مجید کی دلکش صداؤں سے معمور ہوگئے. حضرت حافظ الملّت نے قرآن مجید کی قرأت میں ترتیل، اہتمام مخارج، صحت الفاظ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا جو امتیازی اور منفرد اسلوب اختیار کیا تھا اور جس کی بنا پر پورے سندھ میں حافظ الملّت کا اندازِ قرأت مشہور ہوگیا تھا. آپ نے اسے پوری کوشش اور دلجمعی کے ساتھ پھیلایا اور فروغ دیا.

درگاہِ عالیہ میں رہائش پذیر بڑی عمر کے فقراء پر بھی لازم تھا کہ جو لوگ قرآن مجید پڑھنا نہیں جانتے وہ پڑھیں جو پڑھے ہوئے ہیں وہ باقاعدگی سے صبح و شام حافظ صاحب ڈنہ مرحوم کو الحمد شریف سنائیں تاکہ ان کا مخرج اور تلفظ درست ہو.

سو کے قریب مسافر طالب علم جو رات دن قرآن مجید کی تعلیم میں مصروف تھے. تقریباً اتنے ہی مقامی یا گرد و نواح کے دیہاتوں سے آجاتے. ان کی تعلیم کیلئے دو نہایت ماہر اور قابل استاد مقرر تھے. مسافر طلباء کے جملہ مصارف لنگر برداشت کرتا. ماسوائے رات کے ایک تھوڑے حصے کے بھرچونڈی شریف میں داخل ہونے والے ہر شخص کے کانوں میں جو پہلی صدا پڑتی وہ قرآن مجید کی ہوتی. سحری کے وقت سے لیکر ایک پہر رات گزرنے تک درگاہِ عالیہ کی مسجد، مدرسہ، روضۂ عالیہ اور ارد گرد کا ماحول قرآن مجید کی دل کش آوازوں سے گونجتا رہتا.

شیخ ثالث حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ شروع میں خود بھی اپنے جدِ امجد حضرت حافظ الملّت کی سنّت اور روایت کے مطابق کافی عرصہ تک قرآن مجید اور دینی کتابوں کا درس دیتے رہے. بعض درویش باقاعدہ آپ ہی کے شاگرد تھے یعنی انہوں

نے قرآن مجید پڑھنے کی سعادت آپ سے حاصل کی.

ایک عجیب بات جو شاید عام قارئین کے لیے بالکل نئی ہو یہ ہے کہ بھرچونڈی شریف کے ماحول میں ہر قسم کا دینی کام کرنے والے لوگ تنخواہ، اُجرت اور مشاہرے وغیرہ کے نام تک سے بھی ناآشنا تھے. یہاں سارا کام دینی خدمت، رضائے الٰہی اور ذاتی فرض سمجھ کر انجام دیا جاتا. لنگر جس کی حیثیت مرکزی بیت المال کی تھی وہ صرف ان حضرات کے خورد و نوش اور دیگر ضروریات از قسم لباس، علاج معالجہ، رہائش وغیرہ کا بقدر معمول گزارہ بندوبست کرتا. اس پر بھی حافظ الملّتؒ کی تربیت یافتہ جماعت کے یہ افراد شہنشاہوں کی سی تمکنت اور بے نیازی کے ساتھ اپنی زندگیاں گزارتے اور ایمانداری، دیانتداری، لگن اور اخلاص کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیتے.

قرآن مجید کی مسندِ درس پر مختلف اوقات میں جو لوگ فائز رہے ان میں استاذ الحفاظ حضرت محمد بلاول، قاری قرآن حافظ محمد عالم، رئیس الحفاظ حافظ خیر محمد، امام مسجد بھرچونڈی شریف حافظ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ ایسے نام ہیں جن کی بے لوث خدمات اپنے مرشد کی خانقاہ سے محبت، انکسار اور للّٰہیت کی داستانیں بھرچونڈی شریف کی تاریخ میں ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی.

بآں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

حلقۂ ذکر

سیدالعارفین حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکرِ الٰہی کو اپنے طریقے کی اساس اور بنیاد قرار دیا تھا۔ آپ کے مطابق سلسلۂ عالیہ قادریہ صدیقیہ میں داخل ہونے والے ہر طالب راہ کے لیئے ضروری ہے کہ وہ نمازِ فجر سے پہلے اور نمازِ مغرب کے بعد ذکرِ الٰہی کی چار تسبیحات باآوازِ بلند ادا کرے پہلی تسبیح لا اِلٰہَ اِلَّا اللہ دوسری تسبیح اِلَّا اللہ، تیسری تسبیح اللہ، چوتھی تسبیح ھُو پر مشتمل ہو۔ یہ تسبیحات انتہائی خشوع، رقت اور گداز کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں

بھرچونڈی شریف میں شروع سے یہ طریقہ چلا آیا ہے کہ صبح کی تسبیحیں انفرادی طور پر ہوتی ہیں جبکہ بعد از نماز مغرب اجتماعی طور پر حلقۂ ذکر بالجہر کی محفل قائم ہوتی ہے۔

شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے حلقۂ ذکر میں

باقاعدگی پیدا کی اس کے لیئے نماز کی طرح پابندی کا نظام قائم فرمایا۔ مقیم یا مسافر درگاہ میں موجود ہر شخص کیلئے ضروری ہوتا کہ جونہی مغرب کے بعد ذکرِ الٰہی کے حلقے میں شامل ہونے کی آواز کانوں میں پڑے۔ ہر شخص اپنے اپنے کام چھوڑ کر فوراً حلقۂ ذکر میں شامل ہو۔

آپ حلقۂ ذکر میں نہ صرف یہ کہ شامل ہوتے بلکہ خود ذکر کراتے۔ تمام جماعت مسجد کے صحن میں حلقہ (گول دائرہ) بنا کر بیٹھتی۔ آپ مصلّےٰ امامت پہ جماعت کی طرف رُخ کر کے بیٹھتے اور یوں ذکر کی محفل شروع ہوتی۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی محفل ذکر میں جن لوگوں کو شرکت کا موقع ملا ہے اس کی لذّت، سرور اور سرمستی کا اندازہ وہی لوگ ہی لگا سکتے ہیں۔

قرآن و حدیث میں ذکرِ الٰہی کی جو فضیلتیں آئی ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں ہیں حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ ذکرِ الٰہی کو تمام مسائل و مشکلات کا درماں اور معرفت و محبتِ خداوندی کی بنیادی کلید قرار دیتے تھے۔ آپ کے مطابق ذکرِ الٰہی کی ایک ہی ضرب پتھر دلوں کو موم کر کے گناہوں کے دفتر دھونے کیلئے کافی ہے۔

ذکرِ او سرمایۂ ایماں بود ہر گدا از یادِ او سلطاں بود

گر تو خواہی در دو عالم آبرو یاد او کن یاد او کن یاد او

قرآن مجید میں خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ (رعد)

بلاشبہ ذکرِ الٰہی ہی سے دلوں کو سکون نصیب ہوتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (آل عمران)

اور کثرت سے اپنے رب کا ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔

اسی طرح حدیث مبارک میں ہے کہ ایک دفعہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سبق المفردون   مفرد لوگ آگے نکل گئے۔

صحابہ کرامؓ نے پوچھا حضور مفرد لوگ کون ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا "جو والہانہ انداز میں ذکرِ خداوندی میں مشغول رہتے ہیں"۔

ذکرِ الٰہی کی یہ محفل اپنی حلاوت، انفرادیت اور کشش کے اعتبار سے ایسی بے نظیر محفل تھی جس میں شمولیت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے شاہ و گدا، امیر و غریب اور عالم و جاہل سب لوگ برابر اشتیاق رکھتے تھے۔

ذکرِ الٰہی کی یہ چار تسبیحیں آہوں، سسکیوں اور خوفِ خداوندی سے ہچکیوں میں ادا ہوتیں۔ بعض اہلِ دل بے ہوش ہو جاتے۔

سفر ہو یا حضر حلقۂ ذکر اپنی پوری شان و شوکت سے جاری رہتا۔ ٹرین کا سفر درپیش ہوتا تو عام حالات میں بھی ہمرکاب فقراء اور درویشوں کی تعداد دو تین سو سے کم نہ ہوتی۔ جونہی حلقۂ ذکر کا وقت آتا تو ریل کے سارے ڈبے نغماتِ توحید سے گونج اٹھتے۔ ناواقف یا غیر مسلم لوگ حیرت اور استعجاب سے یہ منظر دیکھتے۔ سینکڑوں لوگ اِس عملی تبلیغ سے متاثر ہو کر گناہوں سے تائب اور غیر مسلم کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

دورانِ سفر نماز کا وقت آجاتا تو شہر ہوں یا صحرا، ریلوے کے پلیٹ فارم ہوں یا جلسہ گاہ۔ آپ کے پُرجوش فقراء مسجد کا سا سماں پیدا کر لیتے۔ صفیں بچھ جاتیں اذان و اقامت کے ساتھ نماز باجماعت شروع ہو جاتی۔ اِس منظر کو دیکھ کر غیر مسلم خصوصاً ریلوے کے انگریز افسران بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ ٹوپیاں اتار اتار کر سلام کرتے اور جب تک نماز مکمل نہ ہوتی گاڑی روکے رکھتے۔ اس وقت آپ علامہ اقبال کے مردِ غوغا کی صحیح تصویر نظر آتے۔ ؎

حذر زبیعت پیرے کہ مردِ غوغا نیست

ذکرِ الٰہی کی چار تسبیحیں مکمل ہوتیں تو تھوڑی دیر کے لیے دل پر نگاہ رکھ کر مراقبہ کیا جاتا بعد میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کے حصول کے لیے دعا کی جاتی۔

الغرض سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ کے طریقۂ مرضیہ حلقۂ ذکر کو نہ صرف یہ کہ آپ نے قائم و دائم رکھا بلکہ اس میں نئی روح پھونک دی۔ بحمد اللہ العزیز یہی طریقہ آج تک درگاہِ عالیہ میں من و عن قائم و دائم ہے [illegible]۔

لنگرِ عالیہ

مشائخ صوفیا کے ہاں ہمیں ایک چیز ابتدا ہی سے نظر آتی ہے اور وہ ہے لنگر کا قیام۔ لنگر سے مُراد دراصل اُس خانقاہ یا رُوحانی ادارے کا وہ اجتماعی بیت المال ہے جسے تمام اہلِ خانقاہ اپنے اپنے کسبِ حلال کے ذریعے قائم کرتے ہیں اور پھر

اس میں خانقاہ میں آنے والی تمام فتوحات از قسم ہدیہ، نذرانہ، تحفہ جمع ہوتی ہیں
یہ ضروری نہیں کہ یہ سب نقد صورت میں ہوں۔ نقد، جنس، کپڑا الغرض انسانی زندگی
سے تعلق رکھنے والی تمام اشیا حتیٰ کہ سوئی دھاگے کی منزل تک چیزیں خانقاہوں کے
بیت المال میں جمع ہوتی رہی ہیں۔

مشائخ صوفیا نے بالاتفاق ایک چیز کی ہمیشہ مذمت کی ہے اور وہ ہے بیکاری
اور تن آسانی۔ انہوں نے انتہائی باریک بینی اور حکیمانہ طرزِ فکر اختیار کرتے ہوئے
اشتراکِ محنت کا ایسا اصول وضع کیا جہاں تمام لوگ ایک خاندان کے افراد یعنی الخلق
عیال اللہ (تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے)، ہیں ہر شخص اپنی حیثیت اور استطاعت
کے مطابق کمائے اور کام کرے۔ اور اپنی ضرورت کے مطابق بیت المال سے
خرچ کرے۔ خرچ کرنے کے ضمن میں پھر مشائخ صوفیا کا زریں اصول یہ ہے کہ
ضروری نہیں کہ بیت المال یا لنگر صرف اُن لوگوں پر خرچ کرے جو اُس کے لیے
کماتے یا اُس میں جمع کراتے ہیں۔ نہیں نہیں یہ لنگر ما دشما کی تمیز کے بغیر
ہر ضرورت مند، ہر محتاج، ہر مسکین اور ہر بے کس کا مادیٰ ومرجع اور جائے پناہ ہے
یہ بالکل سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس ارشاد مبارک کی عملی شکل ہے جس میں
آپ نے فرمایا کہ جو شخص ترکہ چھوڑے اُس کے مالک اُس کے ورثا ہیں مگر جو مقروض
ہو کہ مرے اُس کا قرض مجھ سے وصول کیا جائے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اِس قاعدے سے خانقاہ کا مرشد بھی مستثنیٰ نہیں
ہوتا۔ برصغیر میں بھی اِس خانقاہی بیت المال کی بہترین مثال حضرت خواجہ نظام الدین
محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اور خود حافظ الملت جنید وقت حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ

کی زندگیوں میں مثالی انداز میں مل جاتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ
نے اپنے پیشرو مشائخ کی اس روایت کو نہ صرف یہ کہ زندہ رکھا بلکہ زمانے کے بدلے
ہوئے حالات کے تحت اسے زیادہ منظم اور جدید خطوط پر استوار کیا۔

آپ نے لنگر خانے کو مرکزی حیثیت دی، بھرچونڈی شریف کے ماحول میں
کسی فرد کی بھی ذاتی کوئی چیز نہیں تھی ہر چیز لنگر کی ملکیت تھی۔ آپ کی زبان مبارک
سے کبھی کسی نے یہ جملہ نہیں سُنا کہ فلاں چیز میری ہے آپ اپنی ذات کو بھی لنگر کی
ملکیت سمجھتے تھے لنگر ہی وہ بنیادی ادارہ تھا جو خانقاہِ عالیہ کے تمام اداروں کی
براہِ راست نگرانی کرتا۔ مسلمانوں کے اجتماعی مسائل ہوں یا مفادِ عامہ کی باتیں،
نجی اور خانگی معاملات ہوں یا قومی اور سیاسی جھمیلے یہ تمام چیزیں لنگر کے حوالے سے
طے ہوتیں۔ انہیں کسی شخصی یا انفرادی رویے کی بھینٹ نہیں چڑھایا جاتا۔ لنگر عالیہ
کے اہتمام وانصرام میں وقتاً فوقتاً جو لوگ مصروف رہے ان کے نام یہ ہیں۔ حافظ عمر
حاجی اسحٰق چھچھن، میاں عبدالقادر، خلیفہ احمد کوری، حافظ صاحب ڈنہ فقیر، میاں جی عبدالرحیم
چاچڑ، کامل فقیر راجڑی۔

شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ نے لنگر عالیہ کو جس طرح ایک ادارہ کی شکل دی
ہم اسے مختصراً اِن عنوانات یا شعبہ جات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

مطبخ

یہاں دن رات مختلف طعام پکتے رہتے۔ عام حاضر باش یا اصحاب صفہ کی

تقلید میں مسجد میں رہنے والے درویشوں کی تعداد بھی سینکڑوں میں تھی اس کے علاوہ
دن رات آنے والے زائرین، عقیدت مند اور اہلِ غرض لوگ نیز علماء، سادات مشائخ
اور افسران بھی سینکڑوں کی تعداد میں درگاہِ عالیہ پر حاضر ہوتے. مطبخ کا یہ شعبہ
اس قدر مستعد اور سرگرم تھا کہ بلا تکلف تمام لوگوں کو بر وقت کھانا مہیّا کرتا. مطبخ میں
دو تین باورچیوں کے علاوہ تقریباً دس بارہ اور درویش یہ خدمات سر انجام دیتے
مطبخ ایک وسیع احاطے میں قائم تھا جہاں ضرورت کی تمام چیزیں نہایت وافر مقدار میں
موجود رہتیں. کھانا مٹی کے صاف ستھرے برتنوں میں انتہائی سلیقے سے پیش کیا جاتا.

کھانے پکانے مطبخ کیلئے لکڑیاں لانے، اُسے پیش کرنے، برتن دھونے
مہمانوں اور زائرین کی خبر گیری کرنے والے تمام لوگ ایسے درویش اور اللہ والے
کہ اُن سے نماز کی تکبیرِ اولیٰ بھی کبھی فوت نہیں ہوئی. بے نفس ایسے کہ بے وقت مہمان
آگئے تو خود فاقہ کر لیا مگر مہمانوں کی مدارات میں کمی نہ آنے دی. گویا یہ لوگ صحیح معنیٰ
میں اس آیت کے مصداق تھے.

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (القرآن)

درگاہِ عالیہ کے لنگر کی یہ سادہ روٹی اِس قدر پُر کشش تھی کہ لوگ دور
دور بطور تبرک لے جاتے. اُمراء مطبخ کے دروازے پر جھولی پھیلا کر یہ لقمہ ہائے
نور حاصل کرنا اپنی سعادت سمجھتے.

بیتُ المال

یہ وہ اجتماعی مرکز تھا جہاں اس ادارے کا سارا اثاث البیت جمع رہتا

نقد جنس، کپڑے، بستر ے، برتن الغرض ضرورت کی ہر چیز یہاں موجود ہوتی اس
سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ شاید یہ تمام اشیاء اہتمام سے یہاں جمع کی جاتی ہوں گی
ایسا نہیں تھا بلکہ اس کی صورت یہ تھی کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے
والے لوگ اپنے اپنے طور پر لنگرِ عالیہ میں اپنی کمائی، محنت، کاریگری اور ہنر مندی
کی چیزیں پیش کرتے. یہ ساری چیزیں مرشد کی ذاتی تحویل میں جانے کی بجائے
بیت المال میں جمع ہو جاتیں. پھر انتہائی دیانتدار اور امین نگرانوں کے ذریعے ضرورت مندوں
میں وقتاً فوقتاً یہ چیزیں تقسیم ہوتی رہتیں. جس درویش کو جس چیز کی ضرورت ہوتی اسے
لنگر سے فوراً مہیا کر دی جاتی. حضرت شیخ ثالث رحمتہ اللہ علیہ خود بھی عام فقراء
کی طرح اپنی ضرورت کیلئے لنگر کے ارباب بست وکشاد سے اپیل کرتے، اس شعبے کی
نگرانی خلیفہ دائم فقیر خشک، خلیفہ دائم بھٹو، خلیفہ شیخ محمد فقیر، خلیفہ علی شیر سرکی وغیرہ کرتے.

کاشت کاری

لنگر خانہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات پوری کرنے کیلئے کاشت کاری پر
خصوصی توجہ دی جاتی. لنگر عالیہ کی ملکیت میں مزروعہ زمین کے کافی کھیت تھے
حضرت شیخ ثالث مجاہد اسلام پیر عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ کاشت کاری کے تمام
مراحل میں بنفسِ نفیس حصّہ لیتے. اس زمانے میں ابھی گدو بیراج کی تعمیر نہیں ہوئی تھی
اس لیئے زراعت کیلئے پانی کی شدید کمی تھی. نئے کنوئیں احداث کیئے جاتے غیر آباد
اور بنجر زمینوں سے جنگل صاف کر کے انہیں کاشت کے قابل بنایا جاتا. متعدد مقامات
پر آپ نے آموں، کھجوروں اور دیگر ثمر دار درختوں کے نہایت عمدہ باغ لگوائے.

آپ خود بسا اوقات کئی کئی دنوں تک ان زرعی زمینوں پر مقیم رہتے اپنے ہاتھ سے خود کام کرتے۔ ملنے والے بڑے لوگ ہوں یا عام زائرین۔ اللہ کا یہ برگزیدہ بندہ انتہائی متواضع، منکسر المزاج اور ہاتھ سے کما کر کھانے والا بندہ اس حال میں ملتا کہ خادم و مخدوم اور مرید و مرشد کی تمیز نہ کی جا سکتی۔ اس وقت آپ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی عملی تصویر ہوتے۔

آپ بنڑے سلطان جہاں دا
آپ بنڑے مزدور

کاشت کاری کے جملہ لوازمات آلات وغیرہ، عمدہ قسم کے بیل وافر مقدار میں لنگرِ عالیہ میں موجود رہتے۔ فقراء کی ایک بڑی جماعت رزقِ حلال کے اس مقدس پیشے سے وابستہ تھی۔ کاشت کاری سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی لنگرِ عالیہ کی ملکیت ہوتی۔

چونکہ آپ بے کاری اور تن آسانی کے سخت خلاف تھے اس لیے اپنی جماعت کو عملی تربیت دینے کی خاطر زندگی بھر اپنے لیے کوئی امتیازی مقام نہ رکھا بلکہ زندگی مبارک کے آخری دنوں تک اپنے ہاتھ سے کام کرنے اور محنت و مشقت کے کاموں میں شریک ہونے میں خوشی محسوس کرتے۔ کاشت کاری کے کام میں شریک ہونے والے فقراء کیلئے کوئی امتیازی حصہ مقرر نہ تھا۔

جانوروں کے ریوڑ

لنگر کی مختلف ضروریات از قسم گوشت، دودھ، مکھن، لسی، گھی وغیرہ پوری کرنے کی خاطر دودھ دینے والے اور گوشت کے لیے کام آنے والے جانوروں

کے باقاعدہ گلے (ریوڑ) موجود تھے۔ بھینسیں، گائیں، مختلف نسل کی بکریاں سینکڑوں کی تعداد میں موجود رہتیں۔ جن کی حفاظت اور انہیں جنگلوں میں چرانے کی ذمہ داریاں الگ الگ ایسے درویشوں کے ذمہ تھیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اِن مقاصد کے لیئے گزار دیں۔ یہ لوگ جانوروں کو پانی پلاتے انہیں جنگلوں میں چراتے ان کا چارہ کاٹتے انہیں دوہتے مگر کسی بھی حال میں ذکرِ الٰہی۔ پنج وقتہ نماز اور تہجد سے معمولی تساہل کے روادار نہ ہوتے۔

اپنے مرشد کی محبت نے انہیں ایسا وارفتہ کیا کہ روکھی سوکھی کھا کر پھٹے پرانے کپڑے پہن کر جنگلوں میں جانوروں کی خدمت کرتے ہوئے اپنی زندگیاں گزار دیں۔ مگر کبھی کسی اجرت یا معاوضے کے طلبگار نہ ہوئے۔

تو بندگی چوں گدایاں بشرطِ مزد کن
کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھار ان جانوروں کو دیکھنے کی خاطر ان کے ٹھکانوں پر تشریف لے جاتے تو نگران فقراء خوشی سے پھولے نہ سماتے اور جھوم جھوم اُٹھتے۔ ان جانوروں یا ان سے حاصل ہونے والی اشیا کی حفاظت نگرانی اور اس میں احتیاط و دیانت کا جو مظاہرہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت فقراء سے دیکھنے میں آتا اس سے خیر القرون کے اصحاب تقویٰ و دیانت کی یاد تازہ ہو جاتی۔

اصطبل

مشائخ صوفیاء نے اپنے جانشینوں کو اکثر بطورِ وصیت اچھی سواری رکھنے

کی نصیحت کی ہے۔ قرآن مجید میں ایک برتر مقصد یعنی جہاد کی تیاری کے ضمن میں ارشاد ہوتا ہے۔

اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

چونکہ آپ مجاہدانہ شان کے بزرگ تھے۔ اسلام کی شان وشوکت اور دبدبے وطنطنے کی علامت تھے اس لیئے آپ کو ہر اُس چیز سے فطرتاً محبت تھی جو اسلام کے جذبۂ حریت اور جہاد سے تعلق رکھتی تھی۔ اس حوالے سے اسلامی تاریخ میں گھوڑوں اور اونٹوں کی جو اہمیت رہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں چنانچہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ نے حسبِ دستورِ مشائخ بطورِ خاص اعلیٰ نسل کے گھوڑوں اور اونٹوں پر توجہ دی۔ آپ کے اصطبل میں پچاس کے قریب عمدہ نسل کے گھوڑے بہترین ساز وسامان سے مزین اور تیس کے قریب نہایت تیز رفتار اور اعلیٰ نسل کے اونٹ موجود رہتے جنہیں مزید سدھانے، سکھانے کیلئے تجربہ کار گھڑ سوار اور شُتر سوار خود جماعت کے اندر موجود تھے۔

سواری کے یہ جانور نمائشی طور پر نہیں بلکہ تبلیغی دوروں اور جہاد کی ضروریات کیلئے رکھے جاتے۔

شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقتدا و پیشوا، سید العارفین، جنیدِ زمانہ حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی اقتدا میں خانقاہ کا معاشرہ اس طرح ترتیب دیا جسے آج کے فوجی نظام سے بہت مشابہت دی جا سکتی ہے۔ جس طرح فوج اپنی تمام ضروریات میں خود کفیل ہوتی ہے

اسے انجینیروں، ڈاکٹروں، معماروں حتیٰ کہ درزیوں، صفائی کرنے والوں، حجاموں اور نکھانوں تک کے معمولی کاموں کیلئے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ٹھیک اسی طرح مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے بھرچونڈی شریف کے معاشرتی ماحول کو اس طرح منظم کیا کہ اولاً یہاں کے باسی باخدا درویش، شب زندہ دار فقیر اور باعمل مجاہد تھے۔ اس کے بعد یہی لوگ عالم، حکیم، مستری، مزدور، محنت کش، کسان، درزی، حجام، بڑھئی اور وہ سب کچھ تھے جس کی معاشرتی زندگی میں ہر قدم پر ضرورت پڑتی ہے انہی میں سے حساب کتاب رکھنے والے منشی، قاصد، خط وکتابت پر مامور اہل علم اور حکومت کے افسران یا دوسرے عمائدین سے میل ملاقات والے سفیر ہوتے۔

الغرض یہ ایک ایسا باخدا مگر خود کفیل معاشرہ تھا جو سراسر خود انحصاری اور قلبیت کے اصول پر مبنی تھا۔

لنگر بطور ایک رفاہی ادارہ

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ لنگر عالیہ کے شعبہ جات میں بیت المال ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کلیتہً ایک رفاہی ادارے میں بدل دیا۔ بے کس، بے سہارا اور یتیم بچوں کی نگہداشت اور ان کو وظیفے لنگر عالیہ سے مقرر کیئے جاتے۔ بیوہ اور بے سہارا عورتوں کی خصوصی امداد کی جاتی۔ نادار اور یتیم بچیوں کو شادی بیاہ میں خصوصی امداد دی جاتی۔ نومسلم حضرات کو نہ صرف وقتی بلکہ انہیں مستقل اپنے پاؤں پہ کھڑا کرنے کے لیئے کاروبار کرا دیئے جاتے۔ گمشدہ بچوں کی تلاش کے سلسلے میں تعاون کیا جاتا۔ جھوٹے کیسوں میں ملوث

افراد کی رہائی کیلئے تنگ ودو کی جاتی۔

الغرض لنگر عالیہ ایک ایسا ہمہ وقتی فلاحی ادارہ تھا جو ہر درد مند، پریشان حال، ضرورت مند، پریشان حال، نادار، مفلوک الحال، مظلوم با قرانی اصطلاح میں مستضعفین کی امداد، بحالی اور تعاون کیلئے مستعد، سرگرم اور حاضر ہوتا۔

جس زمانے میں آپ کراچی جیل میں نظر تھے۔ ترنڈہ عیسیٰ خاں کا ایک شخص کسی مقدمے میں ماخوذ ہو کر جیل آیا۔ چھ ماہ قید یا چار سو روپے جرمانہ کی سزا تھی اس نے رو کر حضرت والا کو اپنی بپتا سنائی کہ کس طرح اُسے جھوٹے کیس میں ملوث کیا گیا آپ نے اسی وقت میرے والد گرامی حضرت سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ کو لنگر عالیہ کی طرف سے فوراً چار سو روپے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ جونہی رقم داخل ہوئی وہ جیل سے رہا ہوا اور دعائیں دیتا چلا گیا۔

آپ کے دور میں لنگرِ عالیہ چھوٹے پیمانے پر ایک مستقل اسلامی فلاحی ریاست کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ جس میں زندگی کے تمام شعبہ جات اپنی اپنی جگہ خود مختار منظم، اور خود کفیل تھے اس کا مختصر نقشہ کچھ یوں تھا۔

مسجد و روضۂ عالیہ

یہ تمام انتظام والفرام از قسم صفائی، روشنی، اذان، امامت، درسِ قرآن وغیرہ حفاظ، علماء، طلباء اور اصحابِ صفہ کی پیروی میں مسجد میں فروکش درویشوں کی ایک جماعت کے ذمے تھی۔ اس جماعت کے سرکردہ افراد میں سے میاں جی غلام قادر حافظ محمد قاسم، حافظ خیر محمد، کامل فقیر، میاں جی عبد الرحیم چاچڑ، غلام حیدر فقیر وغیرہ نے ساری عمر یہ خدمات سرانجام دیں۔

مطبخ

اس میں حافظ عمر، حافظ صاحب ٹنہ، حاجی اسحاق چھجن، میاں عبد القادر میاں جی عبد الرحیم اور کامل فقیر نے انتہائی دیانت، اخلاص اور محبت سے اپنے فرائض سرانجام دیئے۔

مختارِ عام

لنگرِ عالیہ کیلئے زرعی زمینوں کی خرید و فروخت اور سرکاری ریکارڈ رکھنے افسران بالا سے رابطہ کے فرائض منشی نور محمد کٹہ (سکنہ احمد پور لمہ) نے انجام دیئے ان کے ساتھ اور کئی درویش بطور نائب کام کرتے تھے۔ منشی صاحب مرحوم تجربہ کار، زمانہ شناس اور انتہائی مخلص شخص تھے۔

زرعی زمینوں کی کاشت برداشت

اس اہم کام کی نگرانی حاجی عبد الغفور کھوسو، خلیفہ احمد اور دوسرے کئی فقراء کرتے تھے۔

خطوط نویسی

درگاہِ عالیہ سے روزانہ افسران، سیاسی عمائدین، زمینداروں اور وڈیروں کے نام سینکڑوں خطوط جاری ہوتے۔ یہ خطوط ضرورت منداور مسکین لوگ حاصل کرتے تاکہ درگاہِ عالیہ کے توسط سے اپنے مسائل حل کرا سکیں۔ خطوط نویسی کا سارا کام صابر فقیر علوی اور ان کے نائبین سرانجام دیتے۔

باھر کی ڈاک

ملک اور بیرون ملک سے ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں خطوط آتے ان

خطوط میں جواب طلب سوالات، دُعا کی درخواستیں، رُوحانی امراض کے علاج کی گزارشات ہوتیں۔ بعض دفعہ فوری مسائل کیلئے تار بھی آتے۔ جن میں دعا وغیرہ کی درخواست ہوتی، یہ خطوط حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمتہ کی خدمت میں پیش کرنا، ان کے جوابات حاصل کرنا، ان کا ریکارڈ رکھنا، واپسی جوابات بھجوانا مستقل ادارہ تھا اس میں منشی [illegible] صاحب کو برادران کے لڑکے غلام فرید کو بر نے بہت خدمات سرانجام دیں۔ بعد میں فقیر عبدالقادر سمیجہ اور مولوی رسول بخش سمیجہ بھی بحسن و خوبی یہ فرائض سرانجام دیتے رہے۔

منتظمین و کارپردازان

اس شعبے میں خلفا کی ایک بڑی جماعت کام کرتی تھی۔ خانقاہ عالیہ کے اندرونی و بیرونی مسائل حل کرنا، ملکی و ملی مسائل میں خانقاہ کی پالیسیاں طے کرنا، جماعت مریدین کے باہمی جھگڑے تنازعے طے کرنا۔ خانقاہ کے معاشی و اقتصادی مسائل کی نگرانی کرنا۔

حضرت شیخ کی نشست و برخاست، سفر و حضر اور ضروریات کا اہتمام اور نگرانی کرنا، یہ سب کچھ اس گروہ کے ذمے تھا۔ اس میں بڑے بڑے تجربہ کار فقرا، علمائے دین اور ذی حیثیت لوگ شامل تھے۔ آگے ٹیم کے طور پر سینکڑوں درویش ان کی ماتحتی میں کام کرتے۔ کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو حضرت والا وشاورھم فی الامر کے مطابق فوراً انہیں بلوا لیتے۔ ان میں سے بعض لوگ مستقلاً خانقاہ عالیہ میں قیام پذیر تھے باقی بھی بیشتر وقت خانقاہ ہی میں گزارتے۔ کچھ وقت کے لیے اپنے اپنے گھروں کو جاتے تو دل حضور مرشد میں رہتا۔ ان حضرات نے خانقاہ عالیہ کے احاطے میں مستقلاً اپنی اپنی

[illegible] رہائشگاہیں بنالی تھیں جو مکمل گھر کا نقشہ پیش کرتیں۔ عام حالات میں یہ لوگ اپنی [illegible] خود پوری کرتے اور اپنے احباب اور علاقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی [illegible] اور سہولتوں کا بھی خاص خیال رکھتے۔

خلفا اور منتظمین میں سے چند اہم نام یہ ہیں۔

خلیفہ دائم فقیر خٹک، خلیفہ فتح محمد فقیر، حاجی عبدالغنی خاں جتوئی کھوسہ، خلیفہ علی شیر [illegible]، خلیفہ خدا بخش مارواڑی، خلیفہ دائم بھٹو، حافظ نور محمد قلندر رحتوئی، خلیفہ میاں واحد بخش [illegible] نصیر خاں گولاٹہ، عبدالخالق کھتری، حافظ صاحبڈنہ، محمد یعقوب منیجر، حاجی کریم بخش [illegible] اللہ بخش، خلیفہ احمد فقیر، جندوڈہ فقیر سومرو، فقیر محمد بخش خشک۔ لنگر عالیہ کے [illegible] اور اونٹوں کی نگرانی کالو فقیر مارواڑی اور مولاڈنہ فقیر (برادر خلیفہ فتح محمد) کے [illegible] تھی۔ ہر ایک کے ساتھ کئی دوسرے درویش یہ خدمات سرانجام دیتے۔

مستری کریم بخش سومرو سکنہ پنو عاقل جو لکڑی کے کام کا مانا ہوا کاریگر ہے [illegible] ہر وقت مسجد عالیہ روضہ مقدسہ اور مہمان خانے کے در و دیوار کی زیبائش و آرائش [illegible] مصروف دکھائی دیتا۔ بحمداللہ مستری کریم بخش تاحال زندہ سلامت اور لنگر عالیہ کی [illegible] سرانجام دے کر اپنی جھولیاں دعاؤں سے بھر رہا ہے۔

ڈہر کی شہر سے لنگر کیلئے خورد و نوش اور پارچات وغیرہ کی خرید اور دکانداروں [illegible] حساب کتاب کا معاملہ ڈہر کی شہر کے فقیر جندوڈہ سومرو کے سپرد تھا۔ جندوڈہ فقیر انتہائی [illegible] جان نثار اور درویش صفت انسان تھا اسے گھر میں چین نہ آتا دن میں بھرچونڈی [illegible] کے کئی کئی چکر لگاتا۔ راقم کے والد حضرت شاہ مغفور القادری علیہ الرحمتہ کے [illegible] اس کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ جب تک بھرچونڈی شریف میں مقیم ہوتے

جندوڈہ فقیر آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا۔ ؎

اُٹھ گئے کیسے کیسے پیارے لوگ

جندوڈہ فقیر کے صاحبزادے پروفیسر محمد اسماعیل گورنمنٹ کالج میرپور ماتھیلو کے پرنسپل ہیں۔ اور درگاہ عالیہ سے بدستور اپنا رشتۂ عقیدت و محبت قائم رکھے ہوئے ہیں۔

شیخ ثالث رحمتہ اللہ علیہ اور علم دین کی نشرواشاعت

اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سب سے پہلی وحی اقراء (پڑھو) کے لفظ سے شروع ہوئی۔ گویا اسلام کی ابتداء بسم اللہ ہی علم کی خواندگی سے ہوتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

دوسری جگہ آپ کا ارشاد ہے "میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے صحابہ کرام کے دو الگ الگ حلقے دیکھے۔ ایک حلقہ ذکرِ خداوندی میں مشغول تھا۔ اور دوسرا دینی مسائل کی تعلیم و تدریس میں۔ آپ نے فرمایا "دونوں حلقے اچھے ہیں مگر جو لوگ علم دین حاصل کر رہے ہیں یا دوسروں کو سکھلا رہے ہیں وہ زیادہ افضل ہیں۔ میں خود بھی معلّم بن کر

بھیجا گیا ہوں۔" یہ فرما کر آپ خود علمی حلقے میں شریک ہو گئے۔

باب مدینۃ العلم حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا فرمان ہے کہ "علم مال سے بہتر ہے۔ مال کی حفاظت کرنا پڑتی ہے جبکہ علم صاحبِ علم کی خود حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ علم حاکم ہے مال محکوم۔ مالدار ختم ہو گئے مگر اہلِ علم ہمیشہ کیلئے زندہ ہیں۔ آپ ہی کے اشعار ہیں۔

لیس الجمال باثواب تزینھا — ان الجمال جمال العلم والادب

کن ابن من شئت واکتسب ادبا — یغنیک محمودہٗ عن النسب

حسن و جمال خوبصورت کپڑوں سے نہیں آتا — حقیقی حسن، علم و ادب کا حسن ہے

تم جس خاندان سے بھی ہو اس کی فکر نہیں — علم حاصل کرو علم کی فضیلت تمہیں نسب سے بے نیاز کر دے گی۔

چونکہ شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ خود فارغ التحصیل عالم دین تھے۔ اسی لئے آپ دینی علوم کی اہمیت اور قدر و قیمت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ علمائے دین کی تعظیم و توقیر میں آپ کسی حد بندی کے قائل نہ تھے۔ عالم دین چھوٹا ہو یا بڑا آپ اُس کے سامنے بچھ جاتے۔ علمائے دین کے سامنے اس قدر نیازمندی، انکساری اور بچھائی کا مظاہرہ فرماتے کہ بعض اوقات علمائے کرام خود شرمسار ہو جاتے۔ اسی لیئے عادت مبارک سے واقف علمائے کرام درگاہ عالیہ حاضر ہوتے یا سفر میں اکٹھے ہوتے تو عمداً آپ سے دور دور رہتے تاکہ اُن کی ہر وقت آمد و رفت سے بار بار اٹھنے، یا اپنی نشست چھوڑنے اور آداب

بجالانے کی زحمت نہ ہو۔

آپ نے منصب سجادگی سنبھالتے ہی علم دین کی طرف خصوصی توجہ دی، کتب خانے کو از سرِ نو منظم کیا۔ اسلامی تعلیمات کیلئے جید علمائے کرام کی خدمات حاصل کیں۔ بھرچونڈی شریف کے دارالعلوم میں آپ کے دور میں وقتاً فوقتاً جن نامور علماء نے تدریسی خدمات سرانجام دیں اُن میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

استاذ العلماء سراج الفقہاء مفتی سراج صاحب مکھی بیلوی رحمۃ اللہ علیہ (پہلے آپ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کے لیے بھی بھرچونڈی شریف میں اقامت پذیر رہے تھے دوسری دفعہ آپ نے اپنے استاذِ گرامی کو بصد اصرار صاحبزادگان اور دوسرے طلباء کی تعلیم کیلئے ٹھہرایا)

نیز راس العلماء رئیس الاصفیاء مجمع الکمالات حضرت حافظ پیر سید مغفور شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف کی علمی مسند کو جس باکمال شخصیت نے تادیر زینت بخشی وہ آپ کی ذات تھی۔ تمام صاحبزادگان بلا امتیاز اور درگاہ سے تعلق رکھنے والے علماء یہاں تک کہ بڑی عمر کے فقراء سب آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ کا انداز تدریس ایسا سہل مگر منفرد نوعیت کا تھا کہ آپ سے ابتدائی کتابیں پڑھنے والے دوسرے مدارس کے منتہی طلباء سے زیادہ علمی ذوق اور بصیرت پیدا کر لیتے تھے۔ ہر چند آپ کا سلسلہ بیعت حضرت شیخ ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا مگر آپ حضرت شیخ ثالث کو بھی مرشد ہی سمجھتے تھے۔ جید عالم دین، کئی زبانوں کے شاعر، صاحب طرز ادیب، قاریٔ قرآن، خوش بیان واعظ ہونے کے باوجود پوری زندگی شیخ کی خدمت میں گزار دی۔ لنگر کی روکھی سوکھی پر گزارہ کیا مگر دنیاوی آسائشوں اور دعوات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھی۔

۳۔ یادگارِ اسلاف حضرت مولانا عبدالرحمٰن پتانی علیہ الرحمۃ کافی عرصے تک درگاہِ عالیہ میں پڑھاتے رہے۔

۴۔ مولانا سید شمس الضحیٰ صاحب جن کا تعلق یوپی کے ایک علمی گھرانے سے ہے۔ مدّتوں درگاہِ عالیہ میں پڑھاتے رہے ابھی تک بقیدِ حیات ہیں اور کراچی میں قیام پذیر ہیں۔

۵۔ مولانا خدابخش پتانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا تعلق ضلع ڈیرہ غازی خاں سے تھا ہمعصر علما میں صرف و نحو کے ماہر استاذ کی حیثیت سے آپ کی خاصی شہرت تھی آپ بھی کئی سال تک بھرچونڈی شریف میں تشنگانِ علم کو سیراب کرتے رہے غالباً انتقال فرما چکے ہیں۔

۶۔ فاضل نوجوان سید ذاکر شاہ صاحب آپ کا تعلق ایران کے مکرانی علاقہ سے تھا۔ تعلیم مدرسہ انوار العلوم میں مکمل کی۔ اور اپنے استاذِ گرامی غزالیِ زماں رازیِ وقت حضرت سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم اور شیخِ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر آپ نے بھرچونڈی شریف کی مسندِ تدریس سنبھالی۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی علمائے کرام بھرچونڈی شریف کے مدرسہ میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ دورانِ تدریس بعض اوقات خود مدرسہ میں تشریف لے آتے۔ طلبا میں گھل مل کر بیٹھتے۔ اُن سے ذاتی معلومات حاصل کرتے۔ غریب اور نادار طلبا کی جملہ ضروریات لنگر سے پوری کی جاتیں۔ مدرسین کے خورد و نوش کا خصوصی اہتمام کراتے ان کی رہائش اور نشست و برخاست

میں دلچسپی لیتے۔ مدرس علما کو ملازم نہیں بلکہ مخدوم و محترم قرار دیتے۔ اُن کی جملہ ضروریات حتیٰ کہ ان کے اہل و عیال کی ضروریات کا بھی خیال رکھتے۔

علمائے کرام سے اُن کی درسگاہوں میں خود جاکر ملتے اور اکثر اوقات علمی مجالس کا اہتمام فرماتے۔ بعض دفعہ علم و معرفت کی یہ پاکیزہ محافل صبح صادق تک جاری رہتیں۔

دینی کتابوں کی فراہمی، قلمی کتابوں کی بڑے بڑے کتب خانوں سے نقلیں تیار کرانے اور انہیں خوبصورت جلدوں کے ذریعے محفوظ رکھنے میں آپ بہت دلچسپی اور شوق رکھتے تھے۔ فاضل بریلوی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور فتاویٰ "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" جو جہازی سائز کی دس جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد ایک ہزار صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہے۔ آپ کی تحریک اور مالی تعاون سے پہلی بار لاہور کے ایک اشاعتی ادارے نے شائع کیا۔

جن نامور علمائے کرام سے آپ کے قریبی اور مخلصانہ تعلقات برابر قائم رہے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مخدوم العلماء سحبانِ ہند حضرت سید محمد شاہ صاحب محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ آپ ایک بار بھرچونڈی شریف تشریف لائے۔ حضرت والا نے حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد پر بڑی خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ شاندار ضیافت کا اہتمام کیا اور ان کی آمد کو انتہائی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا۔

حضرت محدث اعظم کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کو بلند پایہ ولی اللہ

اور عارف باللہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ آل انڈیا سنی
کانفرنس میں شرکت کیلئے ۱۹۴۶ء میں بنارس پہنچے تو آپ کے استقبال کے لئے
حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ بنفسِ نفیس خود ریلوے اسٹیشن پر تشریف لائے
بقول مصنف "عباد الرحمٰن" جب حضرت محدث کچھوچھوی کی خدمت میں کرسی پیش کی
گئی تو آپ نے یہ کہہ کر کرسی پر بیٹھنے سے انکار کر دیا کہ " ایک اللہ والے کے
استقبال میں جو قدم اٹھیں گے اور جتنی دیر اُس کی انتظار کی جائے گی یہ سب
لمحات کل بروزِ قیامت میرے لئے توشۂ آخرت ثابت ہوں گے "۔

چنانچہ ریل پہنچنے تک آپ کھڑے رہے اور مجمع الکمال حضرت پیر سید مغفور
شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو کانفرنس میں پڑھے جانے والے اپنے صدارتی خطبے کے اقتباسات
سناتے رہے آپ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء لکھنؤ میں واصل بحق ہوئے اور خانقاہِ
قادریہ کچھوچھہ شریف میں دفن ہوئے۔ غزالی زماں رازی وقت قائد اہلسنت حضرت
علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے اس قدر گہرے
اور دیرینہ تعلقات تھے کہ ہر دینی معاملے میں آپ انہی کی رائے کو فوقیت دیتے
حضرت کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابھی ملتان میں بھی مقیم نہیں ہوئے تھے کہ آپ کے
اُن سے تعلقات قائم ہو لئے۔ حضرت علامہ کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دورانِ
گفتگو ایک دفعہ خود ارشاد فرمایا کہ پہلی بار میں بھرچونڈی شریف رام پور سے
حاضر ہوا تھا۔

غزالی زماں بعض اوقات ہفتہ ہفتہ بھرچونڈی شریف میں قیام فرماتے آپ
نے علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ لے کر سندھ کے قریے قریے میں ان کی تقاریر کرائیں۔

تاکہ لوگ اپنے اعتقادات و اعمال کی اصلاح کریں۔

اگرچہ حضرت کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملتان میں قیام پذیر تھے اور آپ
بھرچونڈی شریف میں۔ مگر روحانی اور قلبی تعلق اِس قدر گہرا تھا کہ دلوں کے تار
آپس میں جڑے ہوئے تھے گویا۔

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست

راقم الحروف کو غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی
رحمۃ اللہ علیہ سے کئی سال تک دینی علوم کے استفادے کا موقع نصیب رہا ہے علمی دُنیا
میں آپ کا مقام کیا تھا؟ میرے ناقص خیال میں لغت نے ابھی تک ایسے الفاظ ہی
وضع نہیں کئے جو آپ کے علمی تبحر، استحضار، شرح صدر اور مختلف علوم پر حاکمیت کی
صحیح ترجمانی کر سکیں۔ آپ علم کے شہسوار تھے۔ میں نے بار ہا دیکھا کہ جونہی شیخ
ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن کا ذکر آتا۔ غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ
مبارک بشاشت سے کھل اُٹھتا اور گھنٹوں حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی یادیں اور
باتیں دہراتے رہتے۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر آپ نے جو
تعزیتی خط میرے والد گرامی کو لکھا اس کے دو جملے یہ تھے۔

" آہ! ایک حجتِ ایزدی، ایک ظلِ رحمت اور سایۂ عاطفت ہمارے سروں سے
اُٹھ گیا "۔

حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف آتے یا کسی دینی تقریب
میں ملاقات ہوتی تو دونوں بزرگوں میں ایک دوسرے کیلئے تواضع، ادب اور انکسار
کے جو نظارے دیکھنے میں آتے انہیں الفاظ کی صورت میں بیان کرنا ممکن نہیں"۔

غزالیٔ زماں انتہائی بلند اخلاق، مہمان نواز، کشادہ دست، کریم النفس اور دیدہ ور بزرگ تھے۔ بھرچونڈی شریف کی نسبت اور میرے والدِ گرامی سے پرانے تعلقات کی وجہ سے اس ہیچداں پر خصوصی کرم فرماتے۔ میں نے آپ کی خدمت اور معیت میں پاکستان کے تمام بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں حاضری دی میرے سینے میں آپ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات کی خوشگوار یادوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

میں نے علمی تبحر کے ساتھ ساتھ شخصی طور پہ آپ کے اندر انکساری، فروتنی سادگی، درویشی، چھوٹوں کو بڑا بنانے کی کریمانہ عادات، چشم پوشی، درگزر، حلم و حوصلہ اور دین کے معاملے میں استقامت کے جو مظاہرے دیکھے انشاء اللہ العزیز وقت نے مہلت دی تو یہ ساری امانتیں حوالۂ قرطاس و قلم ہوں گی۔ میرے پاس آپ کے ڈیڑھ درجن سے زیادہ خطوط موجود ہیں۔ یہ خط میرے نام صادر ہوئے راقم نے چھ سات سال کا عرصہ آپ کی خدمت میں آپ کے گھر کی فرد کی حیثیت میں گزارا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے سید مظہر سعید کاظمی مدظلہ ہر اعتبار سے آپ کے نعم الخلف لنعم السلف ہیں۔ آپ اس فقیر سے دلی محبت رکھتے ہیں۔

ان کے علاوہ ملک کے نامور عالم دین اور فقیہہ امام العلما حضرت سید احمد ابوالبرکات قادری رحمۃ اللہ علیہ لاہور مجاہد تحریک پاکستان مولانا عبد الحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، مفسرِ قرآن حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ، محدثِ اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ (فیصل آباد) ایسے برگزیدہ علماء کے ساتھ آپ کے ہمیشہ نہایت قریبی اور مخلصانہ تعلقات رہے۔

علامہ سید ابوالبرکات اور حضرت مفتی احمد یار خاں گجراتی رحمۃ اللہ علیہم متعدد بار بھرچونڈی شریف بھی تشریف لائے۔

علم دین سے محبت اور لگن کے نتیجے میں آپ نے بے شمار نئے مدارس قائم فرمائے۔ بالخصوص اپنے مریدین و معتقدین کے اہم مراکز میں قرآن مجید اور حدیث و فقہ کی تعلیم و تدریس میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ فرماتے۔ جامعہ قادریہ سکھر، جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یار خان، مدرسہ عربیہ کندھ کوٹ ضلع جیکب آباد کے تو گویا بانی ہی آپ تھے ان مدارس کو ذاتی طور پر گرانقدر عطیات عطا فرماتے۔ مدارس کے انتظامی اور تعلیمی امور میں دلچسپی لیتے۔

اہل سنت والجماعت کے مرکزی دینی مدرسے انوار العلوم ملتان اور فیصل آباد کے جامعہ مظہر الاسلام رضوی جامع مسجد سے آپ کو قلبی لگاؤ تھا۔ ان اداروں کے سالانہ جلسوں میں اکثر جماعت سمیت جس کی تعداد سو ڈیڑھ سو درویشوں سے کبھی کم نہ ہوتی شریک ہوتے۔ عطیات پیش فرماتے۔ بعض مدارس کو مستقلاً سالانہ امداد بھجواتے یہ امداد ہمیشہ خانقاہِ عالیہ اور آپ کی بلند و بالا شخصیت کے مطابق ہوتی۔

تبلیغی دورے

سید العارفین جنیدِ وقت حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی دوروں کا جو طریقہ شروع کیا تھا۔ شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے جدت، افادیت اور نتیجہ خیزی کے اعتبار سے ان میں چار چاند لگا دیئے یہ دورے خالصتاً تبلیغی انداز کے ہوتے۔ ان کا مقصد مریدین کی اصلاح و تربیت

غیر مسلموں کو اسلام کے اخلاق و اوصاف کے عملی نمونے دکھانا۔ اور فسق و فجور یا بدعات و منکرات میں مبتلا عوام کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگاہ کرنا ہوتا۔

اس سفر میں جلبِ زر یا کسی اور دنیوی غرض کا کوئی شائبہ نہ ہوتا۔ جو بھی شخص دعوت پیش کرتا فوراً قبول کی جاتی۔ جماعت کے ہر درویش کیلئے ضروری تھا کہ وہ ڈنڈا، مسواک اور لاٹھی ضرور ساتھ رکھے۔ صاحبِ دعوت پر معمولی بوجھ ڈالنے کی بھی سختی سے ممانعت ہوتی۔ غریب، نادار اور مسکین لوگوں کی دعوت پر جملہ اخراجات لنگر خود برداشت کرتا بلکہ روانگی کے وقت اُلٹا اور نقد اور جنس کی صورت میں اس کی مدد کی جاتی۔

آپ کے سفر کی صورت یہ ہوتی کہ تیس چالیس گھوڑے، بیس پچیس اونٹ ان پر نہایت نورانی شکل متشرع درویش سوار ہوتے۔ آپ کی سواری کے لیئے موٹر کار یا جیپ ہوتی۔ پیادہ پا فقراء اور مقامی جماعت کے لوگ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوتے یوں آپ جہاں سے گزرتے معلوم ہوتا کہ کوئی والئ ملک گزر رہا ہے۔ بعض اوقات جماعتِ فقرا کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کر کے ہزاروں تک جا پہنچتی۔

یہ برگزیدہ جماعت جہاں سے بھی گزرتی قادری صدیقی طریقے کے مطابق لا اِلٰہ الا اللہ کی ضرب بلند کرتی۔ ضرب کی یہ آواز اپنے اندر شان و شوکت اور قوت و سطوت کا جو پیغام رکھتی تھی اُسے الفاظ کی تنگنائی میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

مدرسہ تعلیم القرآن کے اساتذہ اور طلباً، علوم دینی کے اساتذہ اور طلبہ بھی شاملِ سفر ہوتے۔ حضرت شیخ ثالث رحمتہ اللہ علیہ جہاں اُترتے حلقۂ ذکر، تعلیم قرآن مجید اور تدریسِ احادیث و فقہ کے نغمات وہیں گونج اُٹھتے۔

امین الملّت میر محمد امین خان کھوسہ کے تاثرات

ایک ایسے ہی سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے تحریک آزادئ وطن کے معروف [illegible] متحدہ ہندوستان کے ممبر قانون ساز اسمبلی، مردِ درویش امین الملّت میر محمد امین خان کھوسہ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"میرے مرشد و آقا شیخ المشائخ پیر عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ جس جگہ تشریف لے جاتے وہ جگہ جنگل و بیابان ہوتی تو باغ و بہار بن جاتی۔ زمین و آسمان خوشی سے جھوم اٹھتے۔ چاروں طرف ایک مسرت آمیز روحانی فضا قائم ہو جاتی۔ دور سے آنے والے کو [illegible] ملت اور اس زمین کے ذرات وجد میں معلوم ہوتے تھے۔ ہر چند آپ کی نشست کا انداز درویشانہ تھا مگر اس میں وہ رُعب اور دبدبہ کہ بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا [illegible] حقیقی درویشی جو اس درویش نما سلطان کے ہاں دیکھنے میں آتی۔"

(ذاتی یادداشتیں امین الملّت میر محمد امین خان کھوسہ رحمتہ اللہ علیہ مملوکہ میر نظام الدین خان کھوسہ برادرِ خورد امین الملّت مرحوم)

دورانِ سفر آپ کے ساتھ علمأ کی ایک جماعت موجود رہتی۔ ان کے اسمائے [illegible] یہ ہیں۔ عالم ربّانی حضرت علامہ حافظ سید مغفور شاہ القادری رحمتہ اللہ علیہ، فخر العلمأ [illegible] المدرسین حضرت مولانا محمد عبداللہ بھائیہ رحمتہ اللہ علیہ (آپ احمد پور لمہ کے قریب [illegible] بھی مولویاں تحصیل صادق آباد کے باشندے تھے) فخر المشائخ مولانا سید تاج محمود [illegible] رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ آپ جید عالم دین، معقولات و منقولات کے ماہر [illegible] نہایت صاحبِ تاثیر واعظ تھے)

واعظِ خوش بیان مولانا سید حضور بخش شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آپ کا تعلق سابق ریاست بہاول پور کے ایک نامور علمی خاندان سے تھا۔ شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ آپ انتہائی نڈر، بلا خوف لومۃ لائم کلمۂ حق کہنے والے عالمِ دین تھے۔ آپ کو اپنے شیخ کے آستان اور جماعت سے جو محبت تھی اس کے ذکر پر اہلِ دل آج بھی تڑپ اُٹھتے ہیں) راقم السطور نے لنگرِ عالیہ کے مطبخ کیلئے لکڑیوں کا گٹھا سر پر اُٹھا کر بھرچونڈی شریف میں داخل ہوتے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً)

سابق ریاست بہاول پور کے قادر الکلام اور سحر بیان واعظ حضرت سید حاجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بعض دفعہ ان تبلیغی دوروں میں شامل ہوتے۔

اہم مقامات پر غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شامل کیا جاتا۔ ان تبلیغی دوروں میں آپ کے خصوصی محب اور سید العارفین کی خصوصی دعاؤں کے حامل خاندان کے فرد فرید سید غوث علی شاہ المعروف شان بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اکثر موجود ہوتے۔

(سید شان بخاری مرحوم عالمِ دین، اعلیٰ پائے کے مقرر، نامور شاعر، قابل وکیل اور بے شمار دوسری خوبیوں اور کمالات کے حامل تھے۔ آپ سندھ کے انتہائی معتبر اور مشہور عالمِ دین حضرت سید محسن علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۵۰ء کے بڑے صاحبزادے تھے۔)

رسوم ورواج اور بدعات کیخلاف اقدامات

چونکہ یہ سفر کسی دنیوی منفعت کی خاطر نہیں بلکہ محض اعلائے کلمۃ الحق، اصلاح

اخلاق واعمال اور رضائے الٰہی کی خاطر اختیار کیئے جاتے تھے۔ اس لیئے شیخ ثالث مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بلا جھجک خلاف سنّت باتوں پر گرفت کرتے سنّتِ رسولؐ کے مطابق داڑھی رکھنے کا عہد لیتے۔ خلاف سنّت بڑھی ہوئی بڑی بڑی مونچھیں اپنے سامنے ترشواتے، ہاتھوں سے انگوٹھیاں، چھلّے وغیرہ اتروا تے۔ مردوں سے سونے چاندی کے تمام زیور اور قمیصوں کے بٹن تک اُتروا دیتے۔

شادیوں پر فضول رسومات، ناچ گانے، ڈھول باجے، آتش بازی، جہیز وغیرہ کے بارے میں سختی سے ممانعت ہوتی۔ بھرچونڈی شریف سے تعلق رکھنے والے ہزاروں لوگوں نے حکمِ شیخ پر اپنی برادریوں سے صرف اس لیئے ناطے توڑ لیئے کہ وہ لوگ ان غیر شرعی رسومات کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔

آپ سگریٹ نوشی، نسوار چشی، حقّہ کشی ایسی بے فائدہ اور لغو چیزوں سے اپنی جماعت کو سختی سے روکتے۔

آپ منت (نذر) کی مروجہ قسم جس میں مزارات پر جانور لے جا کر ذبح کرتے اور پھر عورتیں مرد اکٹھے ناچتے گاتے ہیں کو سختی سے منع فرماتے۔ آپ کے مطابق مزارات لہو ولعب کی جگہ نہیں یہ تذکرۂ آخرت کی جگہ ہے۔ کسی بزرگ کو ایصالِ ثواب کیلئے اس کے مزار پر مخلوط اجتماع کی بجائے گھر پر ایصالِ ثواب کرنا زیادہ بہتر ہے۔

الغرض تبلیغی سفر کے دوران یہ عملی تبلیغ جاری رہتی۔ ہزاروں لوگ فسق وفجور اور بدعات ورسُوم سے تائب ہوتے۔ بے شمار غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوتے جہاں ضرورت ہوتی علمائے کرام انتہائی سادہ مگر دلنشیں انداز میں وعظ ونصیحت کرتے وعظ و

نصیحت کی اِن مجلسوں میں حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ بنفسِ نفیس موجود رہتے۔

دورانِ سفر دنیادار پیروں کی طرح نذر و نیاز کا ہرگز کوئی سلسلہ نہ ہوتا اگر کوئی شخص اپنی مرضی یا خواہش سے کچھ پیش کرتا تو اسے اجتماعی بیت المال کے نگرانوں کے سپرد کر دیا جاتا۔

قیام صلوٰۃ کا اہتمام

آپ خود نماز باجماعت کے ایسے پابند تھے کہ سنِ بلوغت سے دمِ واپسیں تک شاید ہی کوئی نماز جماعت کے بغیر ادا ہوئی ہو۔ آخری عمر میں ضعیفی اور بیماری کی بنا پر اپنے پاؤں پر چل کر آنے کی طاقت نہ رہی تو اپنے آپ کو چارپائی پر اُٹھوا کر بھی جماعت میں شامل ہوتے رہے۔

فقہ کی کتابوں میں نماز کے بارے میں "صاحب ترتیب" کا جو لفظ پڑھا تھا عملاً اُسے شیخ ثالث مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں دیکھا آپ کے دور میں نماز باجماعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ صرف تکبیرِ اولیٰ میں نہ پہنچنے والے کو پانچ جوتے لگائے جاتے۔

جونہی اذان کی آواز بلند ہوتی بھرچونڈی شریف کا سارا ماحول ساکت ہو جاتا۔ اب ہر شخص نماز کیلئے نکلتا۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ سنتیں اور نوافل جائے قیام پر ادا کرتے جونہی فرض نماز کیلئے آپ مسجد کی طرف نکلتے درویش فقراء میں حق ہُو کے مستانہ وار نعرے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیتے۔ نماز کی ہر صف میں خشیت الٰہی سے آہوں اور سسکیوں کی آوازیں عجیب سماں پیدا کر دیتیں۔

سچ ہے ؎ غلغلِ تسبیحِ شیخ ار چہ مقبول است لیک

آہِ دردِ آلودِ رنداں، راقبولِ دیگر است

بعض لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے اپنی کتاب "بلوچستان میں اردو" میں نوابزادہ یوسف عزیز خاں آف جھل مگسی کی بھرچونڈی میں حاضری اور شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا نہایت دلچسپ واقعہ لکھا ہے نوابزادہ یوسف عزیز خاں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، بیدار مغز، باغیرت مسلمان، اور نہایت صاحبِ درد شاعر تھے۔ آپ ۱۹۳۵ء کے زلزلہ کوئٹہ میں شہید ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

نوابزادہ یوسف عزیز خاں آف جھل مگسی کی بھرچونڈی شریف میں نماز

میر محمد امین خان کھوسہ اپنے مضمون "بلوچستان میں دینی سیاست کی بنیاد رکھنے کیلئے تاریخ کا ایک مبارک ورق" میں لکھتے ہیں۔

"کہ وہ کانفرنس میں (آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد ۱۹۳۲ء) کے زمانے میں (۱۹۳۲ء) علی گڑھ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے وہاں سے جیکب آباد آئے پھر یوسف عزیز (نوابزادہ) کے ہمراہ حضرت پیر صاحب بھرچونڈی شریف (مجاہدِ اسلام شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ٹرین سے ڈھرکی اترے اور تانگہ میں بھرچونڈی شریف گئے۔ اسی راستے پر حضرت عبیداللہ سندھی

پا پیادہ حضرت حافظ صاحب (سید العارفین) کی خدمت میں آیا جایا کرتے تھے۔ بھرچونڈی شریف میں حضرت صاحب کی امامت میں یوسف عزیز اور امین کھوسہ نے نماز پڑھی یوسف نے امین سے پوچھا کہ "نماز یہاں پر ہمیشہ اسی طریق سے ہوتی ہے؟" پھر کہا "یہ تو مجاہد پیدا کرنے والی نماز ہے" واپس ہوئے تو یوسف عزیز کا چہرہ متغیر تھا۔ اس سے عیاں تھا کہ اُن کا دل اس مقدس فضا سے بہت زیادہ متاثر ہو چکا ہے بھرچونڈی شریف سے ڈھرکی ریلوے اسٹیشن تک انہوں نے یہ مشہور نظم لکھی۔

میں اگر چاہوں تو ذرّے کو بیاباں کردوں — قطرۂ آب میں پیدا سر طوفاں کردوں
یہ ارادہ ہے کہ اسلام کا خادم بن کر — ساری دنیا کو نئے سر سے مسلماں کردوں
پھر وہی بھولا سبق یاد دلاؤں سب کو — ہر بلوچی کو غرض عاملِ قرآں کردوں
جی میں آتا ہے کہ پھر طور کو آباد کروں — آتشِ دل سے پہاڑوں میں چراغاں کردوں
جوش میں آکے اگر نعرۂ اللہ ماروں — حق و باطل کے تفاوت کو نمایاں کردوں
میں وہ مجنوں ہوں اگر چاہوں جہاں کو یکسر — طرۂ یار کی مانند پریشاں کردوں
گاندھی و مالوی کے وعظ دھرے رہ جائیں — میں اگر قولِ محمدؐ کو نمایاں کردوں
اس قدر شعلہ فشاں بزمِ جہاں میں ہو جاؤں — ذرّے ذرّے میں بپا حشر کا ساماں کردوں
میں وہ مالی ہوں اگر کھول دوں دل کی سوتیں — خشک صحراؤں میں پیدا گل و ریحاں کردوں

اُسی ایقانِ براہیم کا وارث ہوں عزیز
اب بھی آتش کو اگر چاہوں گلستاں کردوں" [1]

---

[1] بلوچستان میں اردو، ۱۱۶-۱۱۷، ڈاکٹر انعام الحق کوثر شائع کردہ مرکزی اردو بورڈ لاہور

"عباد الرحمٰن" کے مصنف نے بھرچونڈی شریف کی نماز کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے اگرچہ یہ واقعہ شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہؒ کے دور کا ہے تاہم حضرت شیخ ثالث کا دور مبارک بھی ہو بہو دورِ اوّل کی تصویر تھا کہ آخر باوّل نسبتے دارد۔

آپ لکھتے ہیں۔

"جب آپ نماز کیلئے تشریف لاتے تو کئی آدمی بے ہوش ہو جاتے جن کے کانوں میں کبھی اسمِ ذات کی صدا بھی نہ پڑی تھی ان سے ذکر الٰہی کے ترانے بے اختیار نکل جاتے۔ میاں لدھا مرحوم زرگر ساکن گڑھی اختیار خاں نماز اوّل وقت میں ادا کرنے کا سختی سے پابند تھا۔ بھرچونڈی شریف آیا نماز عصر میں معمولی تاخیر برداشت نہ کر سکا جماعت سے پہلے نماز ادا کر کے فارغ ہو بیٹھا۔ حضرت شیخ تشریف لائے صفیں درست ہوئیں نماز کا وہ سماں بندھا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ہچکیاں نہ لے رہا ہو بلکہ میاں لدھا مرحوم اپنے آنسو بھی نہ روک سکا۔ نماز دوبارہ حضرت کے ساتھ پڑھی حالانکہ نماز عصر کے بعد نماز جائز نہیں۔ اس نماز میں وہ شوق اور کیف میسر ہوا کہ ساری عمر کی نمازیں بے کیف اور خشک معلوم ہونے لگیں۔ نماز کے بعد مؤلف کتاب کے والد ماجد سے عرض کرنے لگا کہ حضرت! میری حقیقی نماز یہی ہے جو میں نے حضرت شیخ کے ساتھ پڑھی ہے۔ مجھے اب پتہ چلا ہے کہ نماز یوں پڑھی جاتی ہے۔

سچ فرمایا حضرت اقبالؒ نے۔

عشق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

آپ کے دور میں جن خوش قسمت حضرات نے بھرچونڈی شریف کی مسجد میں امامت کا شرف حاصل کیا ان کے نام یہ ہیں۔

میاں جی غلام قادر استاذ الحفاظ حافظ محمد قاسم، زینت الحفاظ حافظ خیر محمد درویش خدامست میاں جی عبدالرحیم چاچڑ رحمۃ اللہ علیہم آپ کے دورِ مبارک میں تقریباً چالیس سال تک غلام حید فقیر نے آذان و اقامت کی خدمات سرانجام دیں۔ اب عرصہ سے اذان کا فریضہ کامل فقیر راجڑی سرانجام دے رہا ہے۔ ان حضرات نے یہ خدمات زندگی بھر بلا مزد و اجرا انجام دیں۔

تواضع اور انکسار

حدیث شریف میں آتا ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ (جو اللہ کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے سربلندی عطا کرتا ہے) مشائخ کرام نے اپنی دعوت اور طریق کار کی ساری بنیاد نرمی، محبت، انکسار اور تواضع پر رکھی ہے یہ لوگ حکمت اور موعظت حسنہ کے قرآنی حکم کی عملی تصویر تھے۔

صاحب تذکرہ مجاہدِ اسلام شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فروتنی عاجزی، انکساری اور بیچدانی کی زندہ تصویر تھے علماُ مشائخ اور سادات کرام تو اپنی جگہ آپ عام انسانوں سے بھی اسی انکساری اور تواضع سے پیش آتے۔

لباس کبھی امتیازی نہ ہوتا۔ سیدھے گریبان کا قادری چولا، ٹخنوں سے ذرا

اوپر شلوار، سر پہ کلاہ قادری یا دستار۔ بعض اوقات کرتے پہ پیوند لگے ہوتے لباس سفید اور صاف ستھرا ہوتا۔

سادات اور علمائے کرام کا جو احترام آپ سے دیکھنے میں آیا وہ سراسر آپ کی روحانی خصوصیت کا امتیاز نظر آتا ہے۔ سادات کرام کے خاندان کا کوئی فرد آجاتا چاہے وہ بظاہر کتنا بے عمل کیوں نہ ہوتا۔ گداگری کیلئے کیوں نہ آتا۔ آپ اُس کے ساتھ یوں برتاؤ کرتے گویا وہ مالک و مخدوم ہے اور آپ اس کے ایک معمولی خادم پاؤں پر ہاتھ رکھتے۔ اپنی مسند خالی کر دیتے۔ خود دور دو زانو مؤدب ہو کر بیٹھتے۔ انتہائی نیازمندی عجز اور فروتنی کا اظہار کرتے ہوئے خیر خیریت پوچھتے۔ سادات کے بچے تک سامنے آجاتے تو سروقد کھڑے ہو جاتے۔ یہی بچے اگر بار بار کھیلنے آجاتے تو ہر بار اُٹھتے۔ اپنے اساتذہ اور مشائخ سلسلہ سے تعلق رکھنے والا کوئی عام فرد آجاتا تو اس کے لئے بھی بچھ جاتے۔

ایک دفعہ بطلِ حریت شیخ المشائخ حضرت پیر سید صبغت اللہ شاہ سائیں دوم پیر پگارا رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف تشریف لا رہے تھے حضرت پیر سائیں رحمۃ اللہ علیہ قبلہ عالم پیشوائے سلسلہ قادریہ حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ صاحب الروضہ کے حوالے سے آپ کے مُرشد اور خاندانِ سادات کے فردِ فرید تھے۔ آپ استقبال کیلئے بھرچونڈی شریف سے جماعت سمیت پیدل چل کر ڈہرکی پختہ روڈ تک پہنچے جونہی پیر صاحب رح تشریف لائے ان کا قافلہ بھرچونڈی شریف کی طرف مڑا تو کچی سڑک سے مٹی اور غبار کے بادل آسمان کو چھونے لگے۔ آپ قافلے کے پیچھے پیچھے اسی گرد و غبار میں چلنے لگے۔ جماعت کے کسی فقیر نے عرض کیا۔ حضور سڑک کو چھوڑ کر کنارے کنارے چلیں

تاکہ گرد و غبار سے محفوظ رہیں۔ آپ نے فرمایا صاحب الرحمۃ کی جماعت کے قدموں کی دھول میری
آنکھوں کا سرمہ اور میری نجات کا سبب ہے چنانچہ سارا راستہ ایک ادنیٰ درویش
کی طرح مٹی اور دھول میں پیدل چل کر بھرچونڈی شریف پہنچے۔

سوئی شریف تشریف لے جاتے تو جوتے خانقاہ کے احاطہ سے باہر اتارتے
سید السادات حضرت سید محمد حسن شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (مرشدِ سید العارفین جنیدِ وقت حافظ
محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ) کی خانقاہِ عالیہ کے سجادہ نشینوں کا مرشدوں کی طرح احترام
کرتے اپنے اساتذہ اور ان سے نسبت رکھنے والے افراد سے ہمیشہ انکساری اور تواضع سے
پیش آتے۔

رئیس الاصفیا مجمع الکمال حضرت الحاج سید سردار شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے
آپ نے کافی عرصہ تک تعلیم حاصل کی۔ اُن کے وصال کے بعد ایک دفعہ حضرت شیخ ثالث
رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزار پر تشریف لائے تو راقم اس وقت وہاں موجود تھا۔ میں نے
اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت والا مزار پر فاتحہ کے بعد تقریباً سو گز تک ننگے پاؤں
اُلٹے قدم چلتے ہے پھر وہاں ٹھہر کر دوبارہ دعا مانگی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا تبار سے جس چیز کو نسبت ہوتی اسے
سر کا تاج اور آنکھوں کا نور سمجھتے۔ خانقاہِ عالیہ بھرچونڈی شریف میں سید العارفین کے
زمانہ مبارک سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارک موجود ہے جس کی کبھی کبھار
زیارت کرائی جاتی ہے۔ یہ طریقہ سید العارفینؒ نے خود شروع کیا تھا۔

حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں جب کبھی جبہ مبارک کی زیارت کا
پروگرام ہوتا۔ نماز جمعہ کے بعد مسجد عالیہ کے صحن میں منبر رکھوایا جاتا منبر سے جبہ شریف

والے کمرے تک چٹائی کا خصوصی فرش بچھایا جاتا۔ نعت خوانی اور درود و سلام کی گونج میں
آپ خود اس کمرے تک پہنچتے۔ اپنے ہاتھوں پر ململ کا صاف کپڑا لپیٹتے پھر جبہ مبارک
اُٹھا کر اپنے سر مبارک پر رکھتے اور منبر تک پہنچتے اور جبہ مبارک کو کاندھے پر اُٹھا کر
منبر پر کھڑے ہو کر جماعت کو جبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ایسے میں
آپ کے آنسو رواں ہوتے۔ جماعت میں گریہ وزاری اور آہ و بکا کی صدائیں بلند ہوتیں
اور نعت خوانی برابر جاری رہتی۔

اس پاکیزہ محفل کے تقدس اور اس کی مسرت آمیز روحانی فضا اور محبت
نبویؐ کے کیف کا اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جنہیں یہ محفلیں نصیب ہوئی ہیں۔

سراج الفقہا مولانا سراج احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے خود بیان فرمایا
"کہ جس زمانے میں حضرت والا نے مجھے بھرچونڈی شریف میں تعلیم و تدریس کیلئے ٹھہرایا تھا
میرے لئے کوئی باقاعدہ تنخواہ یا مشاہرہ مقرر نہ تھا بعض دفعہ تین تین ماہ کچھ نہ ملتا۔
بعض دفعہ اکٹھے بہت کچھ مل جاتا۔ آپ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت میرے
دل میں خیال آیا کہ میرے مشاہرے میں اگر باقاعدگی پیدا ہو جاتی تو مجھے اطمینان حاصل
ہو جاتا اگلے روز حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ میرے کمرے میں تشریف لائے تنہائی کا
موقع ملا تو آپ نے فرمایا حضور! باقاعدہ تنخواہ اور مشاہرہ سے ملازمت اور نوکری کی صورت
پیدا ہو جاتی ہے آپ میرے استاذ اور مالک ہیں۔ میں یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ آپ میرے
ملازم ہیں۔ لہٰذا میں ایسی کوئی چیز گوارا نہیں کروں گا جس سے میرے مالک اور
آپ کے ملازم ہونے کا شائبہ پیدا ہو۔

احترامِ اُستاد

سراج الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بھرچونڈی شریف میں قیام کے دوران ایک دفعہ میں نے خلیفہ فتح محمد کی معرفت چند دنوں کیلئے اجازت چاہی خلیفہ فتح محمد نے میری طرف سے عرض کیا تو آپ رونے لگے. فرمایا فتح محمد! حضرت استاذ سے کہو آپ خود مالک ہیں جب جانا چاہیں تشریف لے جائیں جب دِل چاہے تشریف لائیں. میں ادنیٰ شاگرد ہوں. میں کون ہوتا ہوں آپ کو اجازت دینے والا.

فرستندہ نے فرستادہ!

حضرت سراج الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بسا اوقات میں گھر چلا جاتا اور خانگی ضروریات میں مصروف ہو جاتا. دس دس پندرہ پندرہ دن گزر جاتے جب کبھی فراغت ہوتی بلا اطلاع بغیر پروگرام گاڑی میں بیٹھ کر ڈہرکی پہنچتا بارہا ایسا ہوا کہ میں جونہی اُترا کوئی نہ کوئی درویش سواری لیئے میرا منتظر تھا. پوچھنے پر بتاتا کہ حضرت نے حکم دیا ہے کہ استاذ آ رہے ہیں. سواری لے جاؤ. آپ کا بیان ہے کہ سینکڑوں دفعہ اکھٹے بیٹھے ہوئے میرے دل میں خیال آتا کہ اگر حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ واقعتاً ولی اللہ ہیں تو فلاں کام سرانجام دیں. آپ فوراً وہی کام کرتے مجھے پھر علم تشکیک میں ڈال دیتا کہ یہ اتفاقاً ہو گیا ہے. ایک دفعہ میں نے ایک ایسی محفل میں یکے بعد دیگرے پانچ بار آپ کو آزمایا. میں دل میں کوئی شرط قائم کرتا آپ

فوراً وہی عمل کرتے. آخری بار میرے علم نے ہتھیار ڈال دیئے. اور میں رونے لگا. آپ انجان بن کر مجھے بہلانے لگے.

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

ایک دفعہ شرق اردن کے کچھ سفرا سرکاری دورے پر ملتان آئے ہوئے تھے ان دنوں مدرسہ انوار العلوم کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا. غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں شرکت کی دعوت دی. انہوں نے قبول کر لی. اجلاس کے وقت یہ لوگ جلسہ گاہ پہنچے ان کے لیئے اسٹیج پر کرسیاں لگوائی گئیں جبکہ تمام علمائے کرام اور مشائخ عظام بشمول حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ فرش پر تشریف فرما تھے بہت سارے حضرات کو ان کا کرسیوں پر بیٹھنا ناگوار گزرا. کئی صاحبان تو مجلس سے اُٹھ کر چلے بھی گئے آپ آخر تک اسی شان سے جلوہ افروز رہے جس طرح پہلے تھے. مہمان سفرا نے شانِ رسالت ﷺ پر عربی میں تقریریں کیں. نشست کے اختتام پر آپ نے راقم کے والدِ گرامی حضرت شاہ مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا میاں صاحب! اگر یہ لوگ صرف نسبتِ وطن کو سامنے رکھ لیتے تو ناگواری محسوس نہ کرتے صرف اتنا خیال کر لیتے کہ یہ لوگ دیارِ عرب کے باسی ہیں نسبت کا یہ رشتہ ان کا دامن تھام لیتا لیکن افسوس کہ اِس نسبت پر ان کی نگاہ نہ پڑی مجھے اس وقت نیچے بیٹھنے میں جو کیف و سرور حاصل ہوا وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا.

میرا عہدیست باجاناں کہ جاں در بدن دارم
ہوا داراں کویش را چو جانِ خویشتن دارم

نہد شاخ پُرمیوہ سر بر زمیں

ابتداً میں سندھ کانگریس کا مضبوط گڑھ تھا، چنانچہ کانگریس کا زور توڑنے اور مسلم لیگ کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لئے آپ نے جو دوررس اور نتیجہ خیز انقلابی اقدامات کیلئے وہ ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں۔ اِس تحریک کے دوران آپ نے سندھ کے تمام مشائخ اور گدی نشینوں کی ایک تنظیم قائم کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ سندھ کی یہ بااثر اور انتہائی محترم جماعت ایک مرکز پر جمع ہو کر برصغیر میں اسلامی حکومت کے قیام کیلئے راستہ ہموار کرے۔ عباد الرحمٰن کے مصنّف حضرت شاہ مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔

"تنظیم المشائخ کی دعوت پر جب سندھ کے پیرانِ طریقت حیدر آباد میں عطا محمد اخوند کے مکان واقع تلک چاڑی میں جمع ہونے لگے تو حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ میزبان کی حیثیت سے ہر صاحب طریقت بزرگ کا استقبال کرتے اور اسے اس کی نشست پر بٹھاتے۔ جب تمام اربابِ طریقت اور صاحبانِ سجادہ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ انتہائی بشاشت اور خوشدلی کے ساتھ صفِ نعال یعنی جوتیوں والی جگہ پر بیٹھ گئے گویا۔ ؎

درِ کوئے ما شکستہ دلی مے خرند و بس
بازارِ خود فروشی ازاں سوئے دیگر است

آپ نے دورانِ تعلیم چند روز مولانا جان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ایک دفعہ مولانا صاحب علاج کیلئے

شہر جاتے ہوئے دُعا کیلئے بھرچونڈی شریف تشریف لائے آپ کو حضرت استاذ کی آمد کی اطلاع ملی تو جوتا پہننا بھول گئے فوراً مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب اور تواضع سے ملے۔

مولانا نور محمد صاحب چاچڑ راجن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آپ نے کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی تھی، اُن کے صاحبزادے مولوی محمد یوسف زمینوں کی پیمائش وغیرہ پر مامور سرکاری ملازم تھے۔ مولوی محمد یوسف بھرچونڈی شریف کے علاقے میں زمین کی پیمائش پر جب آتے تو حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ اُن کے ساتھ موجود تمام عملے کا کھانا اپنے ہاں سے بھجواتے۔ بعض اوقات کھانا ساتھ اٹھوا کر خود بھی وہاں پہنچتے مولوی محمد یوسف کا یہ اعزاز اُن کے والدِ گرامی کی نسبت سے تھا جو آپ کے استاد تھے[1]

میلادُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے معمولات

سرورِ عالم حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے آپ کو جو بے پناہ محبت تھی اس کے نظارے اکثر دیکھنے میں آتے جونہی شانِ رسالتؐ پر کسی عالمِ دین کا بیان شروع ہوتا آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو جاتیں کیا مجال کہ ہیئت نشست بدلنے پائے بعض اوقات چار چار گھنٹے گزر جاتے مگر اللہ کا یہ مقبول بندہ اپنی وضع میں بیٹھا رہتا۔ نہ آرام کا خیال نہ تکیہ کی ضرورت۔ آنکھوں میں ساون بھادوں کا سماں، اپنی مستی میں دنیا و مافیہا سے بے خبر۔

عباد الرحمٰن کے مصنف پیرِ طریقت عالمِ ربّانی حضرت شاہ سیّد مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ۔

---

[1] ماہنامہ شریعت سوانح حیات نمبر: ۴۷۹

"ایک دفعہ میں غوث اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے مواعظ حسنہ پر مشتمل کتاب "الفتح الربانی" آپ کو سنا رہا تھا یہ مواعظ حسنہ آپ کے خلیفہ حضرت عفیف الدین ابن المبارک رحمتہ اللہ علیہ نے جمع کئے ہیں اس میں ایک مقام پر یہ ارشادات سامنے آگئے۔

یاغلام اجعله فی دیولد معلمك هو الحاكم بين الارواح المربي للمريدين جهبذ المرادين امير الصالحين. قسام الاحوال والمقامات لان الحق عز وجل فوض ذلك اليه وجعله امير الكل الخلع اذا خرجت من عند الله بالجند انما تقسم على يد امير هو[1]

"اے طالب راہ! سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سہارا اور مُرشد بنا۔ آپ ہی عالم ارواح کے حکمران، مریدوں کے والی، اہل مراد کی مُراد نیکوکاروں کے امیر اور احوال و مقامات کے تقسیم کنندہ ہیں اس لئے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے حوالے کر رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کائنات کا امیر بنایا ہے بادشاہ سے لشکر کیلئے خلعتیں نکلتی ہیں تو وہ تقسیم امیر لشکر ہی کے ذریعے ہوتی ہیں"۔

میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ایسا گریہ طاری ہوا کہ کئی دن تک جاری رہا۔ شب و روز کے معمولات میں فرق آگیا۔ الغرض کئی دنوں تک یہ

[1]: الفتح الربانی: ۹۷ مطبوعہ مصر

حالت قائم رہی۔"[1]

بارہ ربیع الاوّل یعنی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر نہایت خوشی و مسرت کا اظہار کرتے۔ کئی قسم کے طعام تیار کرائے جاتے مسجد عالیہ میں تمام جماعت صف بستہ ہو کر بیٹھ جاتی۔ آپ ہاتھ میں پانی کے برتن اُٹھاتے، خاص خادم چلمچیاں اٹھاتے اور قبل از طعام ساری جماعت کے ہاتھ خود دھلواتے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد مبارک کی خوشی میں شامل ہونے والے خوش قسمت افراد کے ہاتھ دھلانا اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھتے۔ بعد میں انتہائی خوبصورت برتنوں میں قسم قسم کے طعام فقرا کو کھلاتے۔ کپڑوں کی نہایت قیمتی پوشاک مع پاپوش کسی درویش کے حوالے کرتے اور اس کا ثواب بارگاہِ نبوی میں نذر گزارتے۔

[1]: عباد الرحمٰن: ۱۵۷

آپ کا اندازِ وعظ و نصیحت

اور اہم قومی مسائل میں اصابت رائے

آپ روایتی قسم کی تقریروں کو اصلاحِ اعمال کے سلسلے میں فائدہ مند نہیں سمجھتے تھے۔ لچھے دار تقریریں کرنے والوں اور گلا پھاڑ پھاڑ کر تقریر کرنے والے خطیبوں کو ناپسند کرتے تھے۔ آپ بعض اوقات منبر پر بیٹھ کر انتہائی سادہ، پُر اثر قرآنی انداز میں جماعت کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور آپ کے یہ چند کلمات علمائے کرام کی مسجع تقریروں سے زیادہ کام کر جاتے تھے۔ زیادہ تر آپ توحید اتباعِ سنت، دُنیا کی ناپائیداری اور غیر شرعی رسوم کے خلاف عنوانات پر لوگوں کو سمجھاتے۔

راقم کا مشاہدہ ہے کہ جونہی آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، زبان کھلنے سے پہلے مجمع سے گریہ و بکا اور آہ و فغاں کا شور پیدا ہو جاتا تھا۔ بھرچونڈی شریف کی اہم تقریبات میں راقم کے والدِ گرامی حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ خانقاہی انداز

میں تقریر فرماتے۔ آپ کی تقریر کے دوران لوگوں کو تن من کی خبر نہ ہوتی۔ بعض لوگ روتے روتے بے ہوش ہو جاتے۔ دورانِ تقریر چیخ و پکار اور گریہ و بکا سے سماں بندھ جاتا۔ یہ محفل ختم ہوتی تو لوگ ندامت اور خوف کے آنسوؤں سے گناہوں کے دفتر دھو کر اپنے آپ کو سبکبار محسوس کر رہے ہوتے۔

عام جلسوں میں آپ تقریر نہیں کرتے تھے البتہ سیاسی ہنگامہ خیزیوں کے دوران قومی اور ملی اہم اجلاسوں اور میٹنگوں میں کھل کر آپ نے اظہار خیال فرمایا۔ آپ کی گفتگو کا اوّل و آخر، اسلام ہوتا۔

البتہ بھرچونڈی شریف میں اہم تقریبات میں مریدین و معتقدین کو ضرور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اخلاق و اعمال کو سدھارنے، سنوارنے کی تلقین فرماتے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس منعقدہ ۱۹۴۶ء میں آپ نے جو خطبہ دیا وہ آپ کے تدبّر اسلامی حمیت اور دور اندیشی کا بہترین آئینہ دار ہے۔ اس کے کچھ اقتباسات ہم پیش کر چکے ہیں۔

۱۹۵۸ء کے آغاز میں جہانگیر پارک کراچی میں جمعیۃ علمائے پاکستان کے پلیٹ فارم پر مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے "شہادتِ حسین" کے موضوع پر ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی صدارت سیدنا طاہر سیف الدین "سلطان البوہرہ" نے کی اور افتتاحی اجلاس میں صدرِ پاکستان میجر جنرل اسکندر مرزا، وزیر اعظم ابو القاسم فضل الحق اور ملک کے نامور عمائدین شریک ہوئے اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ دو روزہ کانفرنس میں مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ الحاج داؤد ناصر، جناب آغا پویا، علامہ رشید ترابی، صاحبزادہ

سید فیض الحسن مفتی پاکستان مفتی صاحب داد خانؒ، ابوالحقائق علامہ عبدالغفور ہزارویؒ نے بھی خطاب کیا۔ اس کانفرنس میں پچاس ہزار سے زیادہ حاضری رہی۔

اس کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ نے کی۔ آپ نے جو صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے اہم نکات یہ تھے۔ آپ کے خطبے کا خلاصہ اور کانفرنس کی تفصیلات ہم کانفرنس کی مطبوعہ روئیداد بزبانِ عربی (المؤتمر السابع السنوی) سے ترجمہ کی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔

خطاب مولانا پیر شاہ عبدالرحمٰن (رحمۃ اللہ علیہ)

اس اجلاس کا صدارتی خطبہ شیخِ طریقت حضرت مولانا پیر شاہ عبدالرحمٰن صاحب سجادہ نشین بھرچونڈی شریف نے دیا اس میں آپ نے پاکستان میں فوری طور پر اسلامی قوانین نافذ کرنے اور ملک کے لیئے اسلامی آئین مرتب کرنے پر زور دیا آپ نے فرمایا چونکہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے لہذا جتنی جلدی ممکن ہو اسے اس کی اصل بنیادوں (اسلام) پر استوار کیا جائے۔ اس وقت ملک کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے۔

اس کے بعد آپ نے فتنۂ انکارِ حدیث کا ذکر کیا اور فرمایا کہ پاکستان میں کچھ لوگ کھلم کھلا صرف قرآن مجید پر عمل کرنے اور احادیث کو ترک کر دینے کی مہم چلا کر مسلّمہ اسلامی ڈھانچے کو شکست و ریخت سے دوچار کرنا چاہتے ہیں حکومت اور عوام اس خطرناک مہم کے خلاف عملی اقدامات کریں۔ پھر آپ نے ملکی سطح پہ ایک ایسے علمی دینی اور ثقافتی ادارے کے قیام کی تجویز پیش کی جو مسلمانانِ پاکستان کو کتاب و سنت کے

مطابق زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کا فریضہ انجام دے۔ (راقم کا خیال ہے بعد میں اسلامی نظریاتی کونسل یا اسلامی مشاورتی کونسل کا قیام اسی تجویز کی ایک نامکمل صورت ہے) آپ نے دینی تعلیمات کے فروغ کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی پھر مسئلہ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے حکومت پاکستان کی طرف سے اس بارے میں سرد مہری اور کوئی جرأت مندانہ قدم نہ اُٹھانے پر مسلمانانِ پاکستان کے بڑھتے ہوئے اضطراب، پریشانی اور قلق کا اظہار کیا اور جہادِ کشمیر کے لیئے ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح مجاہد پیش کرنے کا اعلان کیا۔

اس کے بعد آپ نے مسلمانانِ عالم بالخصوص مسلمانانِ پاکستان کے درمیان اخوت، محبت، اتفاق اور قریبی روابط کی اہمیت اور ضرورت پہ زور دیا نیز آپ نے اسلامی دنیا کے عمائدین اور علما کو مختلف اسلامی ممالک میں آمد و رفت اور تبادلہ افکار و خیالات کے ذریعے باہم رشتۂ یگانگت اور محبت بڑھانے کی تجویز پیش کی۔ اجلاس کے اختتام پر مؤتمر نے صدرِ جلسہ حضرت پیر عبدالرحمٰن کی تائید میں حسبِ ذیل قراردادیں منظور کیں۔

۱۔ کتاب و سنّت اور فقہ اسلامی کے مطابق فوری طور پہ پاکستان کے دستور کی تدوین اور اس کا نفاذ، اسی طرح مسلمانوں کے اوقاف اور دوسرے معاملات کی خاطر وزارتِ اوقاف کا قیام۔

۲۔ حج بیت اللہ کے سفر کیلیئے ہر قسم کی پابندیوں کو ختم کرنا، حج سفر کو آسان بنانا سہولتیں فراہم کرنا۔

۳۔ مسئلہ کشمیر کے بارے میں حکومت کی سرد مہری، سستی اور عدم دلچسپی پر احتجاج

اس بارے میں فوری طور پر رضا کار مجاہدین کی تنظیم قائم کرنا بالخصوص حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کے ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح رضا کار پیش کرنے صاحبزادہ فیض الحسن کے پچاس ہزار اور پیر سید دامن شاہ جیلانی کے پانچ ہزار رضا کار پیش کرنے کے اعلان کا خیر مقدم۔

۴۔ منکرینِ حدیث کے فتنے کے استیصال اور ان کے لٹریچر پر پابندی۔

۵۔ اُن مفاسد اور برائیوں کا جو اُمتِ مسلمہ کے جسم میں ناسور کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں قلع قمع کرنا۔ مثلاً شراب، زنا، جوا وغیرہ

۶۔ صیہونیت کی عالمی اسلام دشمن سازشوں کے خطرات، اسرائیل کی استعماری پالیسی سے نفرت اور مراکش و الجزائر کے مجاہدین کی تائید کا اعلان۔

۷۔ مولانا عبدالحامد بدایونی پر مکمل اعتماد اور آئندہ آٹھویں جلسے کے انعقاد کے لئے اُنہیں مکمل اختیارات دینے کا اعلان۔

اس کانفرنس میں صدر جمال عبدالناصر صدر مصر جناب انوار السادات نائب صدر، مفتی فلسطین امین الحسینی، فضیلۃ الاستاذ شیخ عبدالرحمان تاج، شیخ الجامع الازہر کے پیغامات بھی پڑھ کر سنائے گئے۔

آپ ﷺ کی محفل

حیرت و وقار کا مُرقّع

سیدالمرسلین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل اقدس کے وقار اور تقدس کے آداب خود ربّ العالمین نے قرآن مجید میں متعین فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ (الآیۃ)

اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

اس بارے میں فوری طور پر رضا کار مجاہدین کی تنظیم قائم کرنا بالخصوص حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کے ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح رضا کار پیش کرنے صاحبزادہ فیض الحسن کے پچاس ہزار اور پیر سید وامن شاہ جیلانی کے پانچ ہزار رضا کار پیش کرنے کے اعلان کا خیر مقدم۔

۴۔ منکرین حدیث کے فتنے کے استیصال اور ان کے لٹریچر پر پابندی۔

۵۔ اُن مفاسد اور برائیوں کا جو اُمتِ مسلمہ کے جسم میں ناسور کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں قلع قمع کرنا مثلاً شراب، زنا، جوا وغیرہ

۶۔ صیہونیت کی عالمی اسلام دشمن سازشوں کے خطرات، اسرائیل کی استعماری پالیسی سے نفرت اور مراکش والجزائر کے مجاہدین کی تائید کا اعلان۔

۷۔ مولانا عبدالحامد بدایونی پر مکمل اعتماد اور آئندہ آٹھویں جلسے کے انعقاد کے لیے اُنہیں مکمل اختیارات دینے کا اعلان۔

اس کانفرنس میں صدر جمال عبدالناصر صدر مصر جناب انوار السادات نائب صدر، مفتی فلسطین امین الحسینی، فضیلۃ الاستاذ شیخ عبدالرحمان تاج، شیخ الجامع الازہر کے پیغامات بھی پڑھ کر سنائے گئے۔

آپ ﷺ کی محفل

حیرت و وقار کا مُرقّع

سیدالمرسلین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل اقدس کے وقار اور تقدس کے آداب خود رب العالمین نے قرآن مجید میں متعین فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ (الآیۃ)

اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (الآیۃ)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل اقدس کے حاضرین کے ادب اور احترام کا نقشہ حدیث شریف نے اس طرح کھینچا ہے۔

كَاَنَّهُمْ عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الطُّيُوْرُ۔

گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

یعنی وہ اس قدر دم بخود، ساکت وصامت اور مبہوت بیٹھے ہوتے کہ مبادا ذرا سی حرکت سے اُن کے سروں پر بیٹھے ہوئے پرندے اڑ جائیں۔ عزت بخاری نے محفلِ اقدس کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

ہمارے مشائخ صوفیا کے ہاں بھی ادب واحترام، سمع وقبول اور تسلیم ورضا کی یہ اسلامی روحانی روایت اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ہمیشہ موجود رہی ہے۔ ہمارے شیخِ ثالث مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے اس نبوی وراثت کا حصہ وافر مقدار میں عطا فرمایا تھا۔ آپ کی محفل حیرت ووقار کا ایک ایسا مرقع ہوتی تھی جس کی صحیح تصویر کشی الفاظ کے ذریعے ممکن نہیں ہے سینکڑوں کی تعداد میں حاضرین موجود ہوتے مگر مچھر کی بھنبھناہٹ بھی سنائی نہ دیتی۔ حاضرین انتہائی مودب، دوزانو، خاموش گردنیں جھکائے بیٹھے ہوتے۔ حضورِ مرشد میں

نا پھوسی یا سرگوشی تو اپنی جگہ رہی باہم اشارے سے بات کرنا بھی سوءِ ادب سمجھا جاتا۔ بالفاظ دیگر یہ محفل اس شعر کا مصداق ہوتی تھی۔

یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں؟

یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

جسے کچھ عرض کرنا ہوتا یا جس سے کچھ پوچھا جاتا وہ دوزانو ہو کر پست آواز میں عرض پیش کرتا مگر ایک ہاتھ سے رومال یا عمامے کا پلڑا اپنے سامنے رکھ لیتا تاکہ منہ کی بدبو حضورِ شیخ کے مزاج پر اثر انداز نہ ہو۔ اس خاموشی اور سکوت میں رہ رہ کر سرد آہیں، اللہ یا ہو کے نعرے بے ساختہ فقرا سے بلند ہو جاتے بسا اوقات محفل کے کونے کھدروں سے عشقِ الٰہی میں ہچکیوں اور سسکیوں کی دبی دبی آوازیں صاف سنائی دے رہی ہوتیں۔ الغرض محفل اقدس کی اس خاموشی اور سکوت پر ہزاروں رنگین بیانیاں اور خوش گفتاریاں قربان ہو رہی ہوتیں۔

بڑے بڑے نامور لوگ محفل میں داخل ہوتے تو عقل و ہوش گنوا بیٹھتے بدحواسی اور حیرت زدگی کے سینکڑوں واقعات بڑے بڑے لوگوں سے رونما ہوتے گویا کیفیت یہ ہوتی۔

کسی کے آنے سے ساقی کے ایسے ہوش اڑے

شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

آپ آنکھ اٹھا کر حاضرین کی طرف دیکھتے تو لوگ مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے۔ راقم السطور نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ مسجد

بھی عرس کی تقریب میں موجود تھے۔ مجمع کے آخر میں چاروں طرف ہزاروں ا
صف بستہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے تھے آپ نے جونہی نگاہ اُٹھائی سامنے کھ
ہوئے لوگ دھڑام سے دیوار کی طرح نیچے گر کر تڑپنے لگے۔ آپ نے دائیں
تو اللہ اللہ کرتی ہوئی یہ صفوں کی صفیں بھی اُلٹ گئیں پھر آپ نے بائیں نگاہ کی
کیفیت وہاں بھی رُونما ہوئی۔ یہ کیا چیز تھی؟ دلوں پر اس قدر گرفت اور غلبہ سوا
حقیقی اللہ والے کے اور کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ سچ ہے۔

ہیبت حق است ایں، از خلق نیست
ہیبت ایں پیر صاحبِ دلق نیست
فقر چوں عریاں شود زیر سپہر
از نہیب او بلرزد ماہ و مہر

آپ کی اِس محفل میں بیشتر گفتگو اشاروں کنایوں میں نہیں نگاہ ک
زبان میں ہوتی۔ نگاہ اُٹھاتے تو محرم راز خلفاً مثلاً راقم کے والدِ گرامی حض
سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ اور خلیفہ فتح محمدؒ علیہ الرحمۃ نگاہوں نگاہوں میں مُر

ؔ خلیفہ فتح محمد ایک ایسا نام ہے جو شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر
کرتے ہوئے خود بخود ذہن میں آجاتا ہے برصغیر میں سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الد
محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں جو درجہ یا رتبہ حضرت امیر خسروؒ کو حاصل تھا بلا شبہ
حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہی درجہ خلیفہ فتح محمد کو حاصل تھا۔ خلیفہ فتح محمد
شیخ کا نذر بردار، محرم راز، ہمدم و دمساز، ڈرائیور، پرائیویٹ سیکرٹری، ذاتی دربا
نعت خواں اور باڈی گارڈ تھا، خلیفہ فتح محمد معمولی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود متنوع خو

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کا مالک تھا وہ متشرع، پابند صوم وصلوٰۃ اور نہایت بااخلاق شخص تھا۔ انگریز افسران
ہوں یا سیاستدان علمائ اور مشائخ ہوں یا نواب اور جاگیردار حضرت شیخ کا یہ سچا خادم
ہر شخص کے نزدیک قابل عزت و احترام سمجھا جاتا۔ خلیفہ فتح محمد کی خدمت گزاری
ہمہ وقتی تھی وہ رات دن اپنے آقا کے چشم و ابرو کے اشارے کا منتظر ہر وقت
مستعد اور چوکس رہتا۔ حضرت شیخ کا اس قدر مزاج شناس اور محرم راز کہ صاحبزادگان
ہوں یا پرانے خلفاً۔ یا جماعت کے معزز افراد اپنے مسائل حل کرانے کی خاطر خلیفہ فتح محمد
کی منت و سماجت کرتے نظر آتے۔ بھرچونڈی شریف کی ذیلی خانقاہوں دین پور، امروٹ
خان گڑھ جاتا تو وہاں کے مشائخ خلیفہ کے سامنے باقاعدہ نذر گزارتے۔ بھرچونڈی شریف
کی جماعت میں خلیفہ فتح محمد کا احترام مثالی انداز میں کیا جاتا۔

خلیفہ فتح محمد چوہان قوم کا فرد تھا ان کے والد الٰہی بخش فقیر سیدالعارفین جنید
وقت حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت رکھتے تھے خلیفہ فتح محمد
بستی چوہان تحصیل صادق آباد میں سنہ ۱۳۱۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور حسنِ اتفاق سے اسے
شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے دودھ شریک بھائی ہونے
کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کا کوئی سفر حضر اور جلوت وخلوت ایسی
نہ تھی جس کا خلیفہ فتح محمد محرم راز نہ ہو۔ راقم السطور کے جدّ امجد شیخ طریقت الحاج سید سردار
شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن میں خلیفہ فتح محمد کی پیشانی میں آثارِ سعادت دیکھ کر حضرت شیخ ثالث
علیہ الرحمۃ کو بطور خادم خاص اپنے ساتھ رکھنے کا مشورہ دیا۔ خلیفہ فتح محمد کی شادی حضرت شیخ نے کرائی
۱۹۸۱ء میں فوت ہوا اور روضۂ عالیہ بھرچونڈی شریف کے قرب میں اپنے آقا کے سائے تلے میٹھی نیند سو رہا ہے خلیفہ
فتح محمد کا بڑا لڑکا حاجی الٰہی بخش بدستور بھرچونڈی شریف میں ڈرائیوری اور دوسری خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

کا پیغام، حکم، خواہش یا ضروریات سب کچھ سمجھ لیتے۔ عام لوگ حیران رہ جاتے کہ صرف ایک دزدیدہ نگاہ سے ان لوگوں نے ہر دفعہ نئی بات کیونکر سمجھی۔ اِن محافل میں بعض اوقات آپ خود انتہائی سادہ اور موثر الفاظ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، مشائخ سلسلہ کے ملفوظات و اقوال یا قرآن مجید کی کسی آیت کی تشریح فرماتے کبھی اِن محافل میں حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظِ حسنہ الفتح الربانی پڑھے جاتے۔ اِس دوران محفل کا تقدس اسی طرح برقرار رہتا۔ ایک دفعہ راقم کے والد ماجد حضرت شاہ مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ الفتح الربانی پڑھ رہے تھے حضرت شیخ سامنے موجود تھے اہلِ دل فقراء گوشِ دل اور چشمِ تر سے یہ مواعظ سُن رہے تھے کہ سامنے بیٹھے ہوئے ایک درویش نے پہلو بدلا میرے والد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب بند کر دی اور حضرت مرشد نے محفل برخاست کر دی۔ آپ نے فرمایا محفل کا خصوصی کیف ٹوٹ گیا ہے اب لذت اور ذوق و حضور کی مطلوبہ کیفیت حاصل نہیں ہو گی۔

علامہ منظور احمد نظامی کے تاثرات

معروف ماہرِ تعلیم علامہ منظور احمد نظامی[1] اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں۔

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

---

[1] مشہور ماہرِ تعلیم علامہ منظور احمد نظامی خان پور ضلع رحیم یار خان کے ایک ممتاز دینی گھرانے کے فردِ فرید ہیں آپ کے والدِ گرامی حضرت حافظ نظام الدین صاحبؒ باخدا درویش تھے آپ نے عمر بھر قرآن مجید پڑھایا سینکڑوں طلبا نے آپ سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ نظامی صاحب ریٹائرڈ ماہرِ تعلیم، بی اے (آنرز) ایم اے بی ٹی، ایڈمنسٹریشن (امریکن یونیورسٹی آف بیروت)

(باقی اگلے صفحہ پر)

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط الآیۃ (الحج)

ایک مستند پیشنگوئی کے مصداق قادریہ سلسلہ کے مرکز بھرچونڈی شریف کے خلفاء و مشائخ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بالترتیب اسماء الحسنیٰ، اللہ، الرحمٰن، الرحیم کے ساتھ ماقبل عبد لگانے سے تشکیل پاتے ہیں۔ عبد اللہؒ، عبد الرحمٰنؒ، عبد الرحیمؒ ان میں مرشدی حضرت عبد الرحمٰنؒ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ زندگی کے ہر میدانِ عمل، زہد و تقویٰ، ریاضت، جہاد، تبلیغ۔ میں نمایاں درجہ کے حامل ہیں۔

مندرجہ بالا قرآنی آیت سے اِس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ یہ اللہ ہی ہے جو ملائکہ، رسولوں اور لوگوں میں سے (جسے چاہے) برگزیدہ بنا دیتا ہے۔

۱۹۴۶ء میں جبکہ میں ابھی ایک طالب علم تھا مجھے خان پور میں ہی اپنے شیخ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اور میں بیعت سے نوازا گیا۔

این سعادت بزورِ بازو نیست

بلا شبہ احقر حضرت شیخؒ کی وجاہت اور نرم و گرم گفتگو سے بے حد متاثر ہوا۔ بارہا نگاہیں حضرتؒ کی دید کے لئے اُٹھتیں اور سیر نہ ہوتیں۔ لب کشائی فرماتے تو دل بھرتے۔ آپ دلنشیں پیرایہ میں اختصار سے تلقین فرماتے۔ میں پہلی ہی صحبت میں [illegible] گیا۔

(بقیہ حاشیہ) کئی اہم تعلیمی اور انتظامی مناصب پر فائز رہے ہیں۔ چند کے نام یہ ہیں۔ سابق پرنسپل جینئیس اکیڈمی آف سائنس لاہور۔ سابق پرنسپل جامعۃ الفاروق اسلامیہ رحیم یار خان، سابق پرنسپل رضا شاہ پبلک سکول ملتان۔

بعدہٗ کئی بار شرفِ زیارت کیلئے بھرچونڈی شریف کا سفر کیا۔ یہ ہمارے
خوش نصیبی تھی کہ آپ نے دو بار ہمارے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا۔

بھرچونڈی شریف میں قیام کے دوران عقیدت مندوں کی جوق در جوق
مہمانوں میں حضرت شیخؒ کا اپنے دستِ مبارک سے کھانے کی تقسیم بدستِ خود
کی قربانی، مرد و زن میں حضرتؒ کے دیدار کی تڑپ اور شوقِ عبادت از قسم ذکر
اور خشوع و خضوع سے ادائیگی نماز ایسے رقت آمیز مناظر مشاہدہ میں آتے۔ یہ ماحول
نے کبھی بچپن میں بانی مرکز دین پور شریف حضرت خلیفہ بھرچونڈی شریف فقیر غلام محمد
زندگی میں دیکھا تھا۔

بھرچونڈی شریف اور دین پور شریف میں کئی لحاظ سے مماثلت ہے۔

- شہری آبادی سے ہٹ کر ایک ایسی بستیاں ہیں۔
- دونوں مقامات کی مسجدوں کا ایک ہی ڈیزائن ہے۔
- دونوں مراکز ایک ہی سلسلہ، سلسلۂ قادریہ سے منسلک ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) سابق پرنسپل گورنمنٹ کمپری ہینسو ہائی سکول، سابق ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر
سابق پرنسپل اِن سروس / پری سروس ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ کالج۔ نظامی صاحب وضعدار
پابندِ صوم و صلواۃ اور بے شمار علمی و عملی خوبیوں کے مالک ہیں آپ کے سینکڑوں شاگرد ملک کے اہم
مناصب پر شاندار خدمات سرانجام دے رہے ہیں مشائخ بھرچونڈی کے پہلے تذکرے "عباد الرحمٰن"
نظامی صاحب ہی نے تجویز فرمایا۔ آپکے دوسرے بھائی حافظ مقبول احمد صاحب والد گرامی کی مسند تدریس
بحسن و خوبی نبھاتے ہوئے ہیں آپکے چھوٹے برادران صدیق احمد، سعید احمد صاحبان بھی اپنے والد مرحوم کی
اور شرافت کے امین ہیں۔ ان تمام حضرات کو مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ سے شرفِ بیعت حاصل
اور یہ لوگ بھرچونڈی شریف کی جماعت کے لائق فخر فرزند ہیں۔

دین پور شریف اور وہاں کی مسجد کو دیکھ کر بھرچونڈی شریف کا نقشہ سامنے
آجاتا ہے اور میں یہ فکر کرتا رہ گیا کہ دین پور کے خلیفہ کو اپنے پیر و مرشد بھرچونڈی
شریف سے کس قدر والہانہ عقیدت مندی تھی کہ اُن کی پسند کو اپنی پسند قرار دیا۔

نعت خوانی ہمہ وقتی وظیفہ یا مستقل ادارہ

بھرچونڈی شریف کی تاریخ میں نعت خوانی کی شروع سے بڑی اہمیت
رہی ہے یہاں وعظ و تقاریر کی بجائے ذکرِ الٰہی یا نعت خوانی کو زیادہ ترجیح دی جاتی
خاص خاص تقریبات کے علاوہ دن رات نعت خوانی جاری رہتی۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ
علیہ نے نعت خوانی کو ایک ادارہ کی شکل دے دی۔ آپ کی خاص محافل قائم ہوتیں تو
انتہائی صاحب درد و گداز، پابندِ شرع اور ذاکر و شاغل درویش نعت خوانی کرتے۔
صاحب حال عرفا کا کلام پڑھا جاتا۔ اکثر و بیشتر جن بزرگوں کا کلام پڑھا جاتا ان کے
اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت سچل سرمست فاروقی، شاہ عبداللطیف بھٹائی، فقیر خوش خیر محمد، دریا خان
مخدوم شاہ محمد اشرف کامارڈی، بلھے شاہ صاحب قصوری، مولانا جامی، امیر خسرو، مولانا روم
حافظ شیرازی، شمس تبریزی، سید عثمان مروندی عرف لال شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین
وغیرہ۔

آپ کی نشست و برخاست اور گفتار و رفتار محبت نبویؐ کی آئینہ دار تھی۔
اس لیئے نعت خوانی کا یہ سلسلہ خاص تقریبات کے علاوہ سفر و حضر میں بھی جاری رہتا۔

وقتاً فوقتاً جن درویشں فقرا نے آپ کے حضور نعت خوانی کی سعادت حاصل کی ان میں سے چند نام یہ ہیں ۔

فقیر فتح محمد کلاں، خلیفہ فتح محمد (خورد) حافظ صاحبڈنہ اور فقیر قمر دین کلوڑ حافظ بیگ فقیر دیر، محمد صالح فقیر، خلیفہ اللہ بخش فقیر خشک، حاجی آدم فقیر، کامل فقیر راجڑی ان میں سے کامل فقیر اور فقیر اللہ بخش خشک بقید حیات موجود ہیں اور نعت خوانی کی خدمت بدستور سرانجام دے رہے ہیں ۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جُبہ مبارک کی زیارت ہوتی یا اعراس کی تقریبات جمعہ و عیدین کا موقع ہوتا یا سفر و حضر کی محافل، نعت خوانی کا مقدّس سلسلہ ہر جگہ اور ہر موقع پہ برابر جاری و ساری رہتا ۔

ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو

تلک خیالاتٌ تُربّیٰ بھا الطفالُ الطریقة

جو خالق کا وفادار نہیں مخلوق سے کیا وفا کرے گا ۔

الیکشن کا زمانہ ہے مسلم لیگ کے ٹکٹ پہ اسمبلی کے ایک امیدوار آپ کی خدمت میں امداد کی خاطر حاضر ہوتے ہیں دوران گفتگو نماز عشاء کی اذان ہوگئی آپ نے ارشاد فرمایا نماز پڑھ کر جانا مگر وہ کھانا کھا کر روانہ ہو گیا. آپ نے فرمایا جو اپنے خالق کا وفادار نہیں وہ مخلوق سے کیا وفا کرے گا.

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

تعمیر دو جہاں کی بنیاد ہیں تو ہم ہیں

برطانیہ پر ہٹلر کے متواتر حملے شروع ہوتے تو شاہ انگلستان نے وائسرائے

ہند کو حکم بھجوایا کہ ہر مذہب کے بزرگوں سے دُعا کرائی جائے تاکہ جنگ کے یہ ہولناک بادل چھٹ جائیں گورنر سندھ کے حکم پر تحصیل اوباڑہ کا تحصیلدار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دُعا کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا گورنر سندھ سے کہو تمہاری حکومت میں فحاشی اور عریانی حد سے تجاوز کر گئی ہے لوگوں کے اخلاق تباہ ہو رہے ہیں اگر قانونی پابندیوں کے ذریعے اسے کنٹرول کر سکو تو جنگ کے بند ہو جانے کا یہ فقیر ذمہ دار ہے بصورت دیگر ہم دُعا نہیں کر سکتے۔ ہندوستان بھر میں یہ انوکھا جواب انگریز حکومت کو صرف یہیں سے ملا۔

کامل اس فرقۂ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

اے تیری آواز، آوازِ خُدا

ایک دفعہ کراچی سے واپس تشریف لا رہے تھے سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں ایک عورت نیم عریاں مغربی لباس میں ملبوس سوار ہوئی۔ آپ نے نہایت سادہ اور دلنشیں الفاظ میں عریانی کے بُرے اثرات سے آگاہ فرماتے ہوئے اسلام میں عورت کے مقام کی اِس انداز سے وضاحت فرمائی کہ وہ بہت متاثر ہوئی۔ آپ نے اسے اپنا رومال عطا فرمایا تاکہ اپنے جسم کے اس حصے پر ڈال لے جو کھُلا ہوا ہے وہ روہڑی اسٹیشن پر اُتری اور یہ کہہ کر حضرت کا رومال ساتھ لے گئی کہ یہ میرے لیئے سرمایۂ آخرت ہے۔ باقی عمر اس نے عریانیت سے توبہ کی۔ اور اسلامی لباس میں زندگی گزارنے کا عہد کیا۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید

ایک دفعہ ایک شخص نے نام نہاد مدعی تصوف کا ذکر کیا کہ وہ کہتا ہے کہ توبہ

[…]س دمشئوم چیز ہے اس کا میرے سامنے نام بھی نہ لیا کرو۔ آپ نے فرمایا اُسے کہو۔ [...]ے باوا شیطان کو بھی یہ چیز ناپسند تھی۔" واہ واہ سبحان اللہ!

احترامِ اذان

دورانِ اذان گفتگو کو سخت ناپسند فرماتے۔ حکم یہ تھا کہ جونہی اَذان کی آواز کان [...]ے سونے والا اُٹھ بیٹھے۔ ننگے سر والا سر کو ڈھانپ لے۔ کھانے والا اتنی دیر کھانے [...] ہاتھ کھینچ لے اور اذان کے جواب میں مشغول ہو جائے۔ اذان میں بے رُخی اور بے پرواہی [...]ے خداوندی کی تحقیر سمجھتے تھے۔

انبیائے کرام کی داڑھیاں

آخری عمر میں آپ نے گنداواہ ریاست قلات کا سفر اختیار فرمایا۔ سیاحت کی [...] سے ایک پہاڑی پر تشریف لے گئے وہاں ایک نوجوان پہاڑی باشندہ قدم بوس ہوا [...] ابھی تک، دنیا کے مسموم اثرات نے نہیں چھوا تھا۔ اس کی داڑھی کے نوخیز بال نہایت [...]دی سے اس کے رخسار پہ پھیل رہے تھے اس کے بالوں کی اِس بے ترتیبی پر شہروں کی [...] وبناوٹ قربان ہو رہی تھی۔ آپ نے اس کا سر اُٹھا کر گلے لگایا اور داڑھی پہ ہاتھ پھیر [...]ما یا۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی داڑھیاں ایسی ہوا کرتی تھیں۔

طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست

سابق ریاست بہاولپور میں سفر کے دوران میاں نصیر محمد وہلا نے عرض کیا حضور!

مزامیر کے ساتھ سماع کو بعض خانوادوں میں بڑی اہمیت حاصل ہے مگر سلسلہ عالیہ قادریہ میں اس کی مخالفت ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد ہوا سماع بالمزامیر دودھ کی طرح مستحیل بخلط غالب ہے دودھ کی خاصیت یہ ہے کہ پینے والے کے مزاج میں صفرا کا غلبہ ہے تو صفرا بڑھائے گا سودا کا غلبہ ہے تو سودا کو تقویت دے گا اگر تندرست ہے تو صحت کا معاون ہو گا بعینہٖ اسی طرح اگر سننے والے کے اندر ہوا و ہوس کا غلبہ ہے تو سماع اسے بڑھائے گا اگر نفسانی خواہشات سے پاک ہے تو عشقِ الٰہی کو قوت بخشے گا سننے والوں نے بھی شرائط کی پابندی سے سُنا ہے۔ مشائخ قادریہ نے عمومی حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے طالبِ راہ کے دل میں ذوق و شوق بڑھانے کیلئے اور طریقے ایجاد کئے ہیں مثلاً۔

تنت را دل کن و دل درد گرداں
کز نیساں کیمیا سازند مرداں

ان کے ہاں ذکرِ الٰہی سے سوز پیدا کر کے عشقِ الٰہی کو تقویت دی جاتی ہے اور سماع بالمزامیر سے پیدا ہونے والی خرابیوں سے بھی بچاؤ ہو جاتا ہے۔

اتباعِ شریعت کے ثمرات

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ صرف شریعت مطہرہ پر عمل کرنے سے وہ فوائد اور ثمرات حاصل ہوتے ہیں جو عمر بھر کی دوسری ریاضتوں اور مجاہدات سے نصیب نہیں ہوتے۔

گناہ میں بدبُو ہوتی ہے

پیرِ طریقت حضرت سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ

ہم نے امام نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سلک السلوک" کے حوالے سے عرض کیا کہ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر گناہ کی بدبو ہوتی تو کوئی شخص میرے ساتھ نہ بیٹھ سکتا۔ اس پر آپ نے فرمایا ان کا فرمان بجا ہے مگر مجھے بدبو آتی ہے جس جگہ کسی گناہ کا ارتکاب کیا گیا ہو۔ بدبو کے سبب میں وہاں بیٹھ نہیں سکتا۔ بالخصوص جہاں زنا کا ارتکاب کیا گیا ہو وہاں مجھے مرغیوں کی بیٹ کے مشابہ بدبو آتی ہے۔

سانحہ کربلا اور فقرِ نبوی آپ کی نظر میں

ایک دفعہ ارشاد فرمایا سانحہ کربلا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کے واقعات بعض واعظین اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ سے بھی دل سرد ہونے لگ جاتا ہے کربلا کے واقعہ میں اگر حضرت امام کے صبر، ثبات، استقلال، پامردی، شجاعت و جوانمردی اور رضا بقضاءُ اللہ کے مقامات کو وضاحت سے بیان کیا جائے تو سامعین کے دلوں پر حضرت امام کی بے بسی اور تشنگی اسی طرح خاتونانِ اہلبیت کے خود ساختہ نوحوں کا اثر نہ ہو۔ یہ بعض علما اور ذاکرین اس لیئے کرتے ہیں کہ محفل میں گرمی پیدا ہو۔ اسی طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کے واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ آپ کا فقر اختیاری ہے اضطراری نہیں ہے۔

جس نے دیکھے نین متوالے تیرے

مذہبی اجتماعات میں سجادہ نشین حضرات جبہ و عمامہ زیب تن کیے ہوئے اسٹیج پر تشریف فرما ہوتے ادھر یہ مجاہد بھی اپنے سادہ لباس میں اسٹیج کو رونق بخشتا تو ہر آنکھ

آپ کی موہنی صورت کی تماشائی ہوتی۔ دکانداروں کی دُکانیں بے رونق معلوم ہوتیں۔

ظہورِ صبح نے سب کارخانہ کر دیا ابتر

فروغِ شمع کا، پروانہ کا، اربابِ محفل کا

پروانوں کا جمگھٹا اتنا دلفریب ہوتا کہ دیکھنے والا حیران و ششدر رہ جاتا

آپ کی موٹر کار شمع معلوم ہوتی جس پر پروانے قربان ہو رہے ہیں یا کعبہ جس کے گرد

مستانے طواف کر رہے ہیں۔

زندۂ فقرِ معالی

ایک دفعہ خانپور ضلع رحیم یار خان میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک

بڑے جلسے میں صدر کی حیثیت سے اسٹیج پر تشریف فرما تھے مگر کرتے کے دونوں شانوں

پر پیوند لگے ہوئے ہیں حضرت مولائے مشکل کشا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے سیدنا

عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ان اردت ان تلقی صاحبك فرقع قمیصك

وقلل حرصك وكل من دون الشبع۔ اگر آپ دوستِ حقیقی کا وصال چاہتے

ہیں تو کرتے کو پیوند لگائیں۔ آرزوؤں کو کم کریں اور سیر ہو کر نہ کھائیں۔ اس کا نظارہ

آپ کی ذات میں صاف نظر آ رہا تھا۔ لسان الغیب حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے

کتنی برمحل بات کہی۔

زندۂ فقرِ معالی چہ محل عالیست

کہ شود شاہِ رسل بخیہ کشِ دلقِ صہیبؓ

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق

جس مصلیٰ پر گنبدِ خضرا یا بیت اللہ کا نقشہ ہوتا اس پر کبھی نماز نہ پڑھتے۔ کئی

علماء و مشائخ کو ایسے مصلّوں پر بیٹھتے اور ان کو روندتے دیکھا ہے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ

وسلم کے جبہ مبارک کی زیارت مسجد میں خود کراتے۔ کیفیت یہ ہوتی کہ جبہ مبارک کی صندوق

کو بھی ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر ہاتھ لگاتے۔ گویا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب اشیاء

کو قرآن مجید کا درجہ دیتے۔ شرعی مسئلہ تو یہ ہے کہ قرآن مجید کو بغیر وضو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

طریقت کا ادب یہ ہے کہ باوضو ہوتے ہوئے بھی قرآن یا صاحبِ قرآن کے مستعمل

اشیاء/حاجات کو ہاتھ لگانے کیلئے پہلے کپڑا لپیٹنا چاہیئے۔

سادہ کاغذ کا اتنا ادب فرماتے کہ زمین پر پڑا ہوا نہ دیکھ سکتے خود اٹھا کر

کسی دیوار کی دراز میں دبا دیتے۔ ایک دفعہ خلیفہ فتح محمد بازار سے نئے سلیپر کاغذ میں لپیٹ

کر لایا آپ بہت خفا ہوئے۔

جس پلنگ پوش یا تکیے پر کوئی شعر وغیرہ کڑھا ہوتا اس پر نہ سوتے۔ علماء

اور مشائخ کرام کا ذکر انتہائی تعظیم سے فرماتے۔ کسی سے کوئی گستاخانہ یا ناشائستہ لفظ

نکلتا تو سارا سارا دن بے قرار رہتے۔

چاندی کے برتنوں میں کھانے سے انکار

سردار دادن خان لُنڈ کی دعوت پر کھانا چاندی کے برتنوں میں پیش کیا گیا۔

آپ نے دیکھا تو کھانے سے انکار کر دیا۔ کھانا دوسرے برتنوں میں منتقل کیا گیا تو آپ

نے تناول فرمایا۔ بعد میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ چاندی کے برتنوں میں کھانے سے عجب و غرور کا احساس ہوتا ہے۔

آدمیت احترامِ آدمی ہے

انگریز کے دورِ حکومت کے زمانے میں شملہ کی سیر پہ تشریف لے گئے وہاں اس زمانے میں پہاڑ کے پُر پیچ اور صعودی راستوں کو طے کرنے کیلئے سواری کام نہیں دیتی تھی بطاقتور مزدور کاندھوں پہ بٹھا کر اوپر پہنچاتے تھے آپ وہاں پہنچے تو مزدور بھاگ بھاگ کر پیش ہونے لگے آپ نے فرمایا انسان پہ سواری شرعاً ممنوع اور شرف و عظمت انسانی کے خلاف ہے آپ نے یہ مسافت پیدل چل کر طے کی۔

نمی روم براہے کہ کارواں رفتہ است

سالن بہت اچھا پکا ہوتا تو عموماً اس میں تھوڑا سا پانی ملا لیتے عذر یہ فرماتے کہ اس میں مرچ زیادہ ہے حالانکہ مخالفتِ نفس کے سوا مقصد اور کچھ نہ ہوتا تھا گھڑی بجائے کلائی پہ باندھنے کے کہنی سے اوپر باندھتے۔ ارشاد فرماتے مقصد وقت شناسی ہے یہ مقصد اس طرح پورا ہو جاتا ہے کلائی پہ باندھنے سے بار بار وضو کی خاطر اتارنا پڑتی ہے۔

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے

مرید کو مرید کی بجائے دوست کے لفظ سے یاد کرتے۔ ایک دفعہ ریل میں سفر

مشہور شاعر اور سلطان التارکین شیخ حمید الدین حاکم علیہ الرحمۃ متو مبارک کے خاندان کے رکن رکین مخدوم محمد بخش علیہ الرحمۃ کی آپ سے ملاقات ہوگئی۔ دوران گفتگو مخدوم صاحب اپنے خاندان کی حشمت و شوکت اور کثرت تعداد مریدین کے نشانے شاعرانہ انداز میں بیان کرتے رہے۔ آپ خاموشی سے سنتے رہے۔ آخر میں مخدوم صاحب نے آپ سے سفر کی غرض و غایت پوچھی تو آپ نے فرمایا متو مبارک کے قریب ہمارا ایک دوست ملک اللہ بخش رہتا ہے ہم اس کے پاس جاتے ہیں۔ آپ ملک اللہ بخش مرحوم کے ہاں پہنچے تو وہاں سے ملک صاحب کے ہاتھ شہد کی ایک بوتل مخدوم صاحب کو بھجوائی مخدوم صاحب بہت خوش ہوئے۔ اور ملک اللہ بخش سے فرمایا "تمہارے پیر نے میری ساری شیخی کرکری کر دی۔ میں تو اپنے مریدوں کی کثرت پر ناز کرتا رہا، مگر اس نے مرید کو دوست کہہ کر مجھے توجہ دلائی۔ کہ مرید کو مرید کہنا فخر و غرور کا اظہار ہے۔

مشائخ سلسلہ کی نسبت سے

ایک دفعہ پیشوائے سلسلہ قادریہ حضرت پیر سید سکندر علی شاہ المعروف شاہ مردان شاہ پیر پاگارا (موجودہ) مدظلہ العالی بھرچونڈی شریف تشریف لائے مسجد میں جانے لگے آپ نے ان کے بوٹ بڑھ کر خود اٹھا لیے۔ ایک درویش نے لینا چاہے تو فرمایا انہیں اٹھانا میرا حق ہے۔

شانِ غوثیت

ایک دفعہ دوران تقریر ایک مقرر نے بیان کیا کہ بعض جہلاء کے نزدیک شب

معراج حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دوش مبارک پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ
کے قدم مبارک رکھے اور اس طرح آپ عرش پر پہنچے گویا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش
پر پہنچانے والے غوثِ اعظم ہیں. یہ نبوت کی تنقیص ہے اور غلط واقعہ ہے تقریر کے بعد
آپ نے مولوی صاحب کو بلایا اور فرمایا اگر یہ واقعہ اس طرح بیان کیا جائے کہ شب
معراج سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کاندھوں کو اپنے نورانی
قدموں سے مشرف فرمایا تو اس سے تنقیص بھی لازم نہیں آتی. اور شانِ غوثیت بھی چمک جاتی
ہے. اسی وجہ سے حضور غوث اعظم کی زبان مبارک سے نکلا قدمی ھذہٖ علی رقبۃ
کل ولی اللہ. جب آپ کے کاندھوں نے نوری قدموں کو چھوا یا تو ہر ولی کے کاندھوں
نے آپ کے قدموں کو اپنے اوپر رکھنے میں فخر سمجھا. اور اپنی ولایت پر مہر تصدیق
ثبت کرائی.

پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا

ایک دفعہ آپ بستی مولویاں (ضلع رحیم یارخان) میں ایک دعوت پر تشریف لے گئے
تھے کہ بدعت کا ذکر چل پڑا بستی مولویاں کے دینی مدرسہ کے ایک استاذ کہنے لگے کہ
یہاں عورتیں زیبائش کیلئے اُبٹن استعمال کرتی ہیں جو جو کے آٹے سے بنتا ہے حالانکہ
جَو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرغوب غذا تھی یہ کس قدر بے ادبی کی بات ہے کہ اس آٹے
کو بدن پر مل مل کر مسلا جائے. آپ نے ارشاد فرمایا مولانا گندم کا آٹا بھی تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کیا ہے اس طرح اُسے بھی پھوڑے پھنسیوں پر ادویات میں
ملا کر باندھنا بے ادبی قرار پائے گا اسی طرح زمزم کا پانی پینا بھی بے ادبی میں داخل ہو

کیونکہ ہر پانی کا کچھ حصہ پیشاب بنتا ہے زن و شوہر کی باہمی محبت مطلوب شرع ہے.
اگر جو کا آٹا اس غرض سے استعمال کیا جائے تو نعوذ بس شوہر کو خوبصورت نظر آئے
اور زندگی خوش و خرم گزرے تو یہ عین ادب ہے اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے.

غیر محرم کے ساتھ تخلیہ ممنوع ہے

اشتغال باطنی سالکینِ راہ کو خلوت ہی میں سمجھائے جاتے اگر مستورات میں سے
کسی نے کوئی باطنی شغل پوچھنا ہوتا یا کوئی خاص بات کرنا ہوتی تو اپنی صاحبزادیوں یا
اولاد میں سے ضرور کسی کو بلا کر شامل کر لیتے تاکہ اجنبیہ کے ساتھ خلوت کی ہلکی سی
صورت کا وقوع بھی نہ ہو.

دین سراسر نصیحت ہے

پیر طریقت حضرت سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ عباد الرحمٰن میں لکھتے ہیں.
"ایک دفعہ سکھر ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اُترے یہ فقیر اور تین چار اور
درویش بھی ساتھ ہیں پلیٹ فارم سے نکلے سامنے تانگے صف بستہ کھڑے ہیں، ایک کوچوان
کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کتنے عرصہ سے تانگہ چلاتے ہو اس نے کہا پانچ سال
ہے. فرمایا اس عرصے میں کسی کو حسبۃً اللہ و اللہ واسطے، بھی سوار کیا ہے اس نے کہا
ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا. آپ نے فرمایا تو اب سوار کر لو. اس نے کہا کسی اور کے پاس
جائیے آپ دوسرے کوچوان کے پاس گئے اس نے بھی یہی جواب دیا. چار پانچ جگہ سے
یہی جواب ملا تو ایک کوچوان نے خود بلایا. اور دعوت دی کہ میرے تانگے میں سوار ہوں.

آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں ملے گا اس نے کہا میں نہیں لوں گا۔ مگر ایک شرط ہے وہ یہ کہ میری اجازت کے بغیر آپ اُتریں گے نہیں۔ اس میں سوار ہو گئے منزلِ مقصود پر پہنچے تو مجھے حکم دیا اسے تین روپے دے دو جو کرایہ سے چند گنا زیادہ تھے پھر تانگے والے سے پوچھا نام کون ہو۔ اس نے کہا میں سید ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ چیز آپ کو اپنے مورثِ اعلیٰ خواجۂ کائنات سلطان رسل صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے جنہوں نے ساری کائنات کو پار لگانا ہے۔

بعد میں میں نے عرض کیا حضور! اس طرح ایک ایک کوچوان کے پاس جانے میں کیا حکمت تھی۔ آپ نے فرمایا۔ دین نصیحت کا نام ہے۔ انہیں راہِ خدا میں خرچ کرنے کی تعلیم دینا پیشِ نظر تھا تانگے والے نے کرایہ نہ لینے پر کافی اصرار کیا لیکن آپ نے اُسے دلا دیا۔"

عباد الرحمٰن : ۱۴۹

بعض اوقات انبیائے کرام کی دعائیں بھی چالیس سال بعد قبول ہوئیں

منشی خدا بخش صاحب دہار مرحوم جو حضرت شیخ ثانی سے شرفِ بیعت رکھتے تھے آپ شب بیدار، عابد و زاہد اور نہایت بے باک اور صاف گو شخص تھے ضلع رحیم یار خان میں گرداور قانون گو کے عہدے پر فائز تھے آپ فقیر دوست شخص تھے اولادِ نرینہ سے محروم تھے برصغیر کی کوئی خانقاہ اور درویش ایسا نہ تھا جہاں اولادِ نرینہ کی تمنا لے کر نہ گئے ہوں۔ ایک دفعہ منشی صاحب مرحوم بھرچونڈی شریف آئے عشاء کی نماز حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کی اقتداء میں پڑھی۔ حضرت فرض ادا کر کے باہر نکلے تو منشی صاحب بھی پیچھے چل پڑے آپ نے حویلی کے صدر دروازے کے اندر قدم رکھا تو منشی صاحب مرحوم نے آپ کا بازو تھام لیا اور کہا حضرت! اگر آپ کے پاس کچھ ہے تو مجھے اللہ تعالیٰ

سے اولادِ نرینہ لے دیں اور اگر کچھ نہیں ہے تو پھر یہ ہو حق کس لیئے ہے؟ یہ سب کچھ چھوڑیں۔ آپ نے گلوگیر آواز میں فرمایا۔ خدا بخش! میں ایک خطا کار انسان ہوں رب ایسا بے نیاز ہے اس نے تو بعض اوقات چالیس چالیس سال انبیاء کرام کی دعائیں قبول نہیں کیں۔ میں کون ہوتا ہوں۔ یہ فرما کر آپ رونے لگے۔

غصے کی حالت میں نماز پڑھانا مکروہ ہے

ایک دفعہ آپ عصر کی نماز کیلئے تشریف لائے۔ چہرے مبارک کا رنگ سرخ تھا اور اس سے ناگواریٔ خاطر کے آثار صاف جھلک رہے تھے۔ اتفاق سے اس روز امام مسجد موجود نہیں تھے۔ اقامت بلند ہوئی تو حسبِ معمول جماعت آپ کی امامت کا انتظار کرنے لگی چند لمحے گزرے تو آپ نے خفگی کے انداز میں فرمایا کوئی نماز پڑھائے سب لوگ مرگئے ہو گیا۔ ایک درویش نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ مغرب کے بعد ایک محرم راز درویش نے موقع پاکر تفصیل پوچھی تو آپ نے فرمایا ایک خلافِ شرع کام دیکھنے کی وجہ سے میری طبیعت بہت زیادہ پراگندہ اور رنجیدہ تھی۔ اس حالت میں نماز کی امامت کراہت سے خالی نہیں اس لیئے میں آگے نہیں بڑھا۔

غلاموں سے محبت

ایک دفعہ لنگرِ عالیہ کی زمینوں کی بٹائی وغیرہ پر مامور ایک درویش نے بٹائی کے بعد لنگر کے حصے کے اناج میں سے چالیس بوری گندم اپنے گھر بھجوا دی۔ درگاہِ عالیہ کے خدام اور منتظمین کو پتہ چلا تو انہوں نے معاصرانہ چشمک کی بنا پر بات کو

مزید نمک مرچ لگایا۔ تین دن روزانہ یہ لوگ وفد بنا کر ہر نماز کے بعد حضرت والا کے [illegible] بڑے شد و مد کے ساتھ یہ مسئلہ پیش کرتے مگر آپ بات سنی ان سنی کر دیتے۔ آخر [illegible] روز مجبور کر کے آپ کو بنگلے میں لے جایا گیا مدعیوں نے گواہوں کی شہادتوں سمیت [illegible] پیش کیا۔ الزام علیہ کو بھی پیش کیا گیا۔ مدعیوں کے دلائل اور الزامات آپ خاموشی [illegible] سنتے رہے۔ جب اُن کی باتیں ختم ہوئیں تو آپ نے اُنہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا [illegible] یہ شخص (الزام علیہ) پچاس سال سے تمہاری خدمت کر رہا ہے۔ تم نے آج تک اُ[illegible] کوئی معاوضہ دیا ہے۔ سزا اور سخت احتساب کے منتظر حضرات ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور آپ اُٹھ کر اندرون حویلی چلے گئے۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

تم کو غلاموں سے ہے کچھ ایسی محبّت
ہے ترکِ ادب ورنہ کہیں ہم پہ فدا ہو

الولد سرٌّ لابیہ

شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ علیہ الرحمۃ ایک دفعہ تانگے پر سوار ہونے لگے اچانک آپ کی نگاہ سامنے والے تختے پر پڑی آپ نے دیکھا کہ وہاں کسی نے اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیا ہے آپ تانگے سے فوراً اتر پڑے کوچوان ابراہیم فقیر مارواڑی کو حکم دیا کہ اسے کھرچو اس نے نام مبارک کے حرف کھرچے آپ نے مسالہ ہاتھ میں لے کر فرزند ارجمند حضرت شیخ ثالث پیر عبدالرحمٰن کو بلایا اور ان کے حوالے کر دیا۔ آپ نے فوراً یہ مسالہ منہ میں ڈال کر نگل لیا۔ گویا آپ نے اشارہ سمجھ لیا کہ ایسا مسالہ جس میں اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملا ہوا ہے اسے ودیعت رکھنے کیلئے عاشق کے سینے سے بہتر

[illegible] نہیں ہے۔

تو خود وقت قیام خویش دریاب
نماز عشق و مستی را اذاں نیست

میر جعفر خاں جمالی کا اظہارِ عقیدت

سندھ و بلوچستان کے جاگیرداروں اور وڈیروں میں میر جعفر خاں جمالیؒ [illegible] ایسا منفرد نام ہے جو اپنی شرافت، دینداری، مستقل مزاجی، درویشی، انکسار، فیاضی [illegible] اسلام اور پاکستان سے فطری اور طبعی محبّت مسلم لیگ کیلئے خدمات اور درویشوں سے [illegible] ایسی خوبیوں کی بنا پر کم از کم جاگیرداروں اور وڈیروں میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔
[illegible] اسی کتاب میں یہ واقعہ پڑھ چکے ہیں کہ مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کراچی میں نظر بند ہوئے تو سرورِ عالم حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میر جعفر خاں جمالی مرحوم کو اپنے جمالِ جہاں آرا سے مشرف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اللہ بخش (خان بہادر) وزیر اعلیٰ سندھ سے کہو پیر صاحب کو فوراً رہا کرے۔" امین الملت میر محمد امین خان کھوسہ علیہ الرحمۃ نے اِس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس واقعہ سے میر جعفر خان جمالی مرحوم کا مقام و مرتبہ کھل کر سامنے آ جاتا ہے ساتھ ہی مرحوم خان بہادر اللہ بخش سومرو کے مرتبے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ہرچند کہ خان بہادر کا مرتبہ بارگاہِ نبوی میں میر جعفر خاں جمالی سے [illegible] کم ہے تاہم ان لوگوں سے تو یقیناً بدرجہا بلند ہے جنہیں سات ماہ کی نظر بندی کے دوران سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کرنا یا پیغام بھجوانا بھی پسند نہیں فرمایا۔ خان بہادر اللہ بخش سومرو کو وزارت کے منصب پر فائز ہوئے ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اپنے ایک مقرب

(میر جعفر خاں جمالیؒ) کے ذریعے اسے پیغام مل جاتا ہے۔

ایک دفعہ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ریل میں سفر کر رہے تھے کہ راستے میں میر جعفر خاں جمالی مرحوم کو ہمرکابی کا شرف حاصل ہو گیا میر صاحب مرحوم نے پہلے آپ کے پاؤں مبارک کو چھو کر نیازمندی کا اظہار کیا پھر آپ کی نعلین اُٹھا کر اپنے سر پر رکھی اور اسے بوسہ دیا۔ (مکتوبات امین الملت صـ ۶۲)

راقم السطور کا اندازہ ہے کہ بارگاہِ نبویؐ میں حضرت شیخ کے قرب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد میر صاحب مرحوم کا آپ کے سامنے اس قدر عجز و نیاز اور اظہارِ عقیدت فطری بات تھی۔

امین الملت یہ واقعہ بیان کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔

"یہ ہے حضرت میر جعفر خاں جمالی رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی مقام، سوائے عشقِ حقیقی کے تنہائی میں اللہ کے اس برگزیدہ بندے (حضرت والا) کی طرف سے ایسا بلند مقام اور درجہ کیسے حاصل ہوتا؟"

کجا مانند آں رازے کہ زو سازند محفلہا

(مکتوبات امین الملت صـ ۶۳)

اسلامی سوسائٹی کو درست کرنیکی کوششیں

آپ نظریات کے ساتھ ساتھ اخلاق و اعمال کی درستی پر بہت توجہ دیتے تھے غیبت چغلخوری، گلہ گوئی، خوشامد، چاپلوسی، کینہ، بغض، حسد ایسی باطنی بیماریوں کی اصلاح کیلئے نہایت حکیمانہ طرزِ عمل اختیار کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا فلاں شخص ہر وقت

آپ کی بُرائی بیان کرتا ہے آپ نے فرمایا ہم نے اُسے معاف کر دیا ہے تم اپنی فکر کرو اور اسے چھوڑ دو۔ ایک دفعہ ایک خیر خواہ مُرید بڑی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ انگریز اور ہندوؤں کی دشمنی اور آپ کے خلاف سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے پریشانی کا اظہار کرنے لگا آپ نے فرمایا اللہ ہمارا نگہبان ہے اور وہی کافی ہے۔

مریدوں سے بطورِ خاص نماز کے بارے میں پوچھتے الصلوٰۃ عماد الدین نماز دین کا ستون ہے اس فرمانِ نبویؐ کو پوری طرح مدِ نظر رکھتے۔ عورتوں اور بچوں کو نماز سکھلانے اور پڑھانے کی تاکید فرماتے۔

رسمی قسم کے تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک اور منتر جنتر سے پرہیز کرنے کی تاکید فرماتے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی ماثورہ دُعائیں اور وظائف بتلاتے۔ بچوں کے سروں پر مخصوص قسم کی چوٹیاں رکھنا، انہیں گھنگھرو چھلے وغیرہ ڈالنا ان کی درازیٔ عمر وغیرہ کیلئے مختلف مزارات کی منتیں ماننا ناجائز بتلاتے۔

سگریٹ، حقہ، نسوار، پان وغیرہ سے سختی سے روکتے۔ روایتی قسم کے میلے ٹھیلوں میں شرکت سے منع فرماتے۔ بالخصوص جہاں خلافِ شرع امور کا ارتکاب ہوتا ہو یا زن و مرد کے مخلوط اجتماعات ہوں۔ سماع بالمزامیر کی تمام صورتوں کو صحیح نہ سمجھتے۔ آپ کے مریدین میں شادیوں پر بھی ڈھول، نقارے اور طبلے باجے موجود نہ ہوتے۔ بحمد اللہ بھرچونڈی شریف کی جماعت میں آج تک اسلامی مزاج کی یہ خصوصیات بڑی حد تک موجود ہیں۔

آپ خود کریم النفس، کشادہ جبیں، نرم خُو، فراخ حوصلہ اور نہایت بُردبار طبیعت کے مالک تھے۔ آپ کسی کو ناراض کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ دلوں کو راضی کرنا، مخلوق خدا کے کام آنا۔ مخلوق کو زیادہ سے زیادہ راحت پہنچانے کی کوشش کرنا، آپ کی زندگی کے اہم

نسب امین تھے۔ ایک دفعہ ایک تقریب میں کچھ لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے آپ نے باقی جماعت
سے فرمایا" آپ لوگ قریب ہو جائیں تاکہ یہ لوگ بھی سائے میں آجائیں۔ دھوپ میں وہ بیٹھے
ہیں مگر جل میں رہا ہوں۔"

سادات کرام کا مثالی انداز میں احترام فرماتے۔ اپنے آپ کو اہلبیت کا ایک معمولی غلام
سمجھتے عرس کی ایک تقریب میں راقم السطور جس کی عمر اس وقت دس بارہ سال سے زیادہ نہ تھی
مجمع کے آخر میں ایستادہ لوگوں کے ہجوم میں کھڑا تھا اچانک آپ کی نگاہ پڑی تو میں نے دیکھا
کا اشارہ پاتے ہی خلیفہ فتح محمد مرحوم صفوں کو چیرتا ہوا میری طرف لپک رہا ہے۔ مرحوم نے میرا
بازو پکڑا اور حضرت کے سامنے جا کھڑا کیا۔ آپ نے انتہائی کرم گستری کرتے ہوئے اس ناچیز
کم عمر لڑکے کو کھینچ کر اپنی مسند پر ساتھ بٹھا لیا۔ راقم آہستہ آہستہ پیچھے سرکتا۔ آپ تھوڑی
دیر کے بعد پھر کھینچ لیتے۔

من درویشں را کشتی بغمزہ
کرم کردی الٰہی زندہ باشی!

شادی اور مرگ پر فضول اور غیر شرعی رسومات سے شدت کے ساتھ منع فرماتے
مرگ اور بیماری کی صورت میں جاہلانہ توہمات سے روکتے۔ آپ نے اپنے صاحبزادگان کی شادیاں
انتہائی سادہ انداز میں سنت نبوی کے مطابق کیں یہاں تک کہ بعض دفعہ فقرا کو بھی اس
بات کا علم نہیں ہو پاتا تھا کہ آج کسی صاحبزادے کی شادی ہے مسجد میں نماز کے بعد بیٹھ جاتے
سنت نبوی کے مطابق نکاح ہوتا اور چھوہارے تقسیم ہوتے۔ یہ ہوتی آپ کے ہاں شادی
کی تقریب۔

زبان مبارک کی تاثیر

ایک دفعہ آپ ریل میں سفر کر رہے تھے ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو ڈبے میں موجود
ایک معزز شخص نے نماز کی نیت باندھی سجدے کی جگہ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی
ٹھیکری نکال کر رکھی۔ جونہی وہ سجدے کیلئے جھکا آپ نے جلدی سے وہ ٹھیکری اٹھا
لی۔ اس نے نماز توڑ کر خشمگیں لہجے میں پوچھا آپ نے یہ ٹھیکری کیوں اٹھائی ہے آپ نے فرمایا
میں نے سوچا مبادا آپ کو یہ تکلیف دے۔ پیشانی میں چبھ جائے۔ اس نے کہا آپ کو علم ہے یہ
کس مٹی سے بنائی گئی ہے آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ اس نے کہا یہ کربلا کی خاک سے تیار
کی گئی ہے اس لیئے ہم اسے انتہائی مقدس سمجھ کر سجدے کے وقت پیشانی کے نیچے رکھتے ہیں
وہ مٹی ہے جس میں شہدائے کربلا کا خون ملا ہوا ہے۔ آپ نے نہایت نرمی اور ملائمت
سے فرمایا ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ شہدائے کربلا کا خون ملائک آسمانی نے زمین پر گرنے ہی
نہیں دیا تاکہ اس کی بے ادبی نہ ہو۔ اگر آپ کی بات مان لی جائے تو بھی شہدائے کربلا بہتر [۷۲]
کی تعداد میں تھے جبکہ یزیدی لشکر کے مقتولین کی تعداد چار گنا زیادہ تھی۔ اب پتہ نہیں آپ نے
جو مٹی اٹھائی ہے وہ شہدائے کربلا کی خون آلود مٹی ہے یا مقتولین یزیدی لشکر کی۔ یہ فرما کر
آپ خاموش ہو گئے وہ تھوڑی دیر ٹھیکری ہاتھ میں لے کر غور و فکر اور حیرت و استعجاب
کی کیفیت میں بیٹھا خلاؤں میں گھورتا رہا۔ پھر اچانک پوری قوت سے ٹھیکری گاڑی سے باہر
پھینک دی۔

یار کی یاری

کراچی جیل میں نظر بندی کے دوران ایک ہندو سیٹھ کسی مقدمہ میں ماخوذ ہو کر

جیل میں آیا۔ یہ شخص کافی مالدار اور پڑھا لکھا انسان تھا۔ تھوڑے سے ہی دنوں [illegible]
کی خدمت میں آنے جانے لگا اور بے تکلف ہو گیا۔ بیشتر وقت آپ کی خدمت میں [illegible]
یہ شخص حضرت والا کو "دوست" اور "یار" کے نام سے پکارتا۔ خلیفہ فتح محمد مرحوم [illegible]
تھا کہ ایک دفعہ حضرت والا آرام فرما رہے تھے میں آپ کیلئے کھانا تیار کر رہا تھا (نظر [illegible]
کے زمانے میں آپ کو ذاتی خدمت گار ساتھ رکھنے اور اپنا کھانا پکانے کھانے کی [illegible]
تھی خلیفہ فتح محمد بطور خدمت گذار اکثر وقت ساتھ رہا) کہ ہندو سیٹھ آ گیا پوچھنے لگا [illegible]
یار کہاں ہے ؟ میں نے اُسے بتایا کہ آپ آرام فرما رہے ہیں۔ وہ اپنی بیرک میں چلا گیا [illegible]
تیار کر کے میں نے آپ کو نیند سے بیدار کیا۔ اور ہندو سیٹھ کے آنے کا تذکرہ کی[illegible]
کے الفاظ دہرائے کہ ہمارا یار کہاں ہے ؟ آپ نے فرمایا اُسے جلدی سے بُلا کر لاؤ [illegible]
گیا اور اُسے ساتھ لے آیا۔ آپ نے فرمایا سیٹھ ! تم مجھے اپنا یار سمجھتے ہو نا ؟ اس [illegible]
یقیناً ! آپ نے فرمایا تو میں تمہیں کہتا ہوں کہ کلمہ پڑھ لو۔ اُس نے بغیر کسی حیل و حجت [illegible]
کلمہ شہادت پڑھا۔ آپ نے فرمایا اگر فی الحال اسلام کے اعلان کو تم مصلحت یا حالات [illegible]
کے خلاف سمجھو تو ہندوؤں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے رہو۔ تمہارے کلمے کا میں گواہ ہوں۔

راقم السطور کا احساس ہے کہ اس طرح کے جو سینکڑوں ہزاروں واقعات [illegible]
ہوئے وہ سراسر آپ کی نگاہ کی تاثیر، پیغمبرانہ صورت و سیرت کا اعجاز اور دلوں پر [illegible]
کا کرشمہ تھے۔ اس دور میں جتنے غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اس کی
مثال تاریخ میں صرف چند مقامات پر ملتی ہے۔ اگر آپ کی پوری ستر سالہ زندگی کو تبلیغی زندگی
تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے ایک فاضل دوست کے مطابق ہر روز بیس سے زیادہ آدمی [illegible]
کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے نظر آتے ہیں۔ ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

فقر چوں عریاں شود زیر سپہر

کراچی جیل میں نظر بندی کے زمانے میں نماز با جماعت، حلقۂ ذکر، شب بیداری
[illegible] شروع ہوئے تو پوری جیل میں ہلچل مچ گئی۔ اب جیل بدمعاشوں اور جرائم پیشہ افراد کی
[illegible] نمازیوں، متشرع صورتوں اور حلقۂ ذکر قائم کرنے والوں اور درویشوں کا
[illegible] تھا۔ نصف سے زیادہ قیدی اور چند لوگوں کو چھوڑ کر جیل کا سارا عملہ بیعت سے
[illegible] ہوا۔ اب جیل تبلیغ دین، اقامت صلوٰۃ اور حلقۂ ذکر کا سرچشمہ تھی۔ جیل کے اندر
[illegible] دھڑا دھڑ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو ایک دن سپرنٹنڈنٹ جیل ایک انتہائی
[illegible] بدمزاج، ظالم انگریز سپرنٹنڈنٹ جیل) راؤنڈ پر آیا تو آپ سے خشونت آمیز لہجے
[illegible] آپ کو جیل کے اندر مسلمان کرنے کا کیا حق حاصل ہے ؟ آپ یہاں اس کام
[illegible] نہیں آئے۔ آپ نے فرمایا دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے کیلئے ایک لمحہ کی تاخیر
[illegible] برداشت نہیں کی جا سکتی۔ اگر تم دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہو تو اسی وقت تمہیں
[illegible] کلمہ پڑھا دیا جائے گا۔ وہ چلا گیا۔ خلیفہ فتح محمد کا بیان ہے کہ "غصے اور جلال کی وجہ
[illegible] آپ کے چہرے کا رنگ سُرخ ہو گیا اور سر مبارک کے بال کھڑے ہو گئے آپ نے فرمایا
[illegible] یہ کون ہوتا ہے ہمیں تبلیغ دین سے روکنے والا ؟ اس نے ہمیں لاوارث سمجھ رکھا ہے
[illegible] کیا جائے گا۔ آپ یہ فرما کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر گزری کہ جیل کی دوسری بیرکوں
[illegible] شور و غوغا اُٹھا۔ میں معلومات کی خاطر وہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ راؤنڈ کے دوران سپرنٹنڈنٹ کو پہ
[illegible] سے سختی کے ساتھ پیش آیا۔ قیدی جو پہلے ہی اس کے رویے سے نالاں تھے اس پہ
[illegible] پڑے۔ اتنا مارا کہ گوپہ کی دونوں ٹانگیں اور ایک بازو ٹوٹ گیا اور بے ہوش ہو کر دنیا

پر گر گیا. میں جلدی میں واپس آیا. آپ آرام فرما رہے تھے. میں نے آہستہ سے پاؤں دبائے
آپ نے پوچھا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کوبرہ کو آپ نے مروا ڈالا ہے اور کیا ہے؟
میں نے واقعہ بیان کیا تو آپ نے دائیں ہاتھ کی سبابہ انگلی کے تیسرے حصے کی طرف اشارہ
کرتے فرمایا. ہم نے صرف اتنی آیت پڑھی تھی. یہ اسی کا کرشمہ ہے. اس نے ہمیں لاوارث
سمجھ رکھا تھا.

اولیا راہست قدرت از الٰہ

جیل میں نظر بندی کے دوران خلیفہ فتح محمد نے ایک دن عرض کیا حضور! تمام جماعت
اور بچے اداس ہیں. آپ جیل سے باہر نکلنے کا نام نہیں لیتے. یہاں مستقل ڈیرے ڈال لیے ہیں
اب جیل سے باہر نکلیں درشب و روز ساتھ رہنے والے یہ درویش بخوبی جانتے تھے کہ اللہ کا یہ
صابر و شاکر بندہ اس کی رضا پر راضی ہے ورنہ انگریزی استعمار کے غلام حکمرانوں کی کیا
مجال کہ اس شہباز کو قید کر سکیں. چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد کے مطابق یہ مزاج شناس
خادم بعض اوقات چھیڑ خوانی کر کے فقیر و ولایت کی نیرنگیوں کا تماشہ دیکھا کرتے تھے.

آپ نے خلیفہ فتح محمد سے فرمایا غالباً تم جیل کی پابندیوں سے تنگ آگئے ہو رات کو
"حسبنا اللہ الحسیب" کی ایک تسبیح پڑھ کر سو جانا. خلیفہ کا بیان ہے کہ میں رات کو تسبیح پڑھ کر
سو گیا. صبح ہوئی تو جیل کے دفتر سے میرے نام کی پکار ہونے لگی. میں دفتر پہنچا تو حکم ملا کہ
تمہاری بجائے حافظ صاحبؒ نے فقیر خدمت گزاری کا فریضہ انجام دے تم چھٹی کرو. خدمت گزار
تبدیل کر دیا گیا ہے. خلیفہ فتح محمد نے رو کر عرض کی میرا مطلب یہ نہ تھا کہ مجھے خدمت کی سعادت
سے محروم کر دیا جائے. آپ نے خلیفہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تم جاؤ ہم بھی تمہارے پیچھے آتے

فکر نہ کرو. خلیفہ فتح محمد واپس مہر چونڈی شریف آگیا. دوسرے روز حضرت والا بھی
آزاد کر دیئے گئے واپسی پر آپ ڈہرکی ریلوے اسٹیشن پر ریل گاڑی سے اترے تو جماعت
کی ایک بڑی تعداد استقبال اور زیارت کیلئے موجود تھی. خلیفہ فتح محمد قدم بوس ہوا تو آپ
نے فرمایا. ہم نے اپنا وعدہ نبھایا یا نہیں؟

مہر مبارک کا نقش

سید العارفین جنید زمانہ حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی مہر پہ یہ الفاظ
نقش تھے.

"خاکِ راہِ دردمندانِ طریق فقیر محمد صدیق"

جانشین سید العارفین شیخ ثانی ہادی گمراہاں حضرت حافظ محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ
کی مہر کا نقش یہ تھا.

عاکف باب اللہ
فقیر عبد اللہ

مجاہد اسلام حضرت شیخ ثالث پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی مہر کا نقش اس طرح تھا.

عاکف باب اللہ المستعان
فقیر عبد الرحمٰن

عِلم جویائے راہ عشق دانائے راہ

ایک دفعہ عزدرِ علم میں سرشار ایک مولوی صاحب آپ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ اتنے میں اذان ہوئی آپ نے اور تمام جماعت نے شہادتِ ثانیہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک پر انگوٹھے چومے۔ مولوی صاحب نشۂ علم میں مست بیٹھے رہے اور انگوٹھے چومنے سے احتراز کیا۔ اذان کے بعد آپ نے فرمایا مولوی صاحب! آپ کا والد ہماری جماعت کا فرد تھا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس پر انگوٹھوں کو چوما کرتا تھا۔ آپ نے اس عمل کو جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنّت ہے کیوں ترک کیا ہے۔ حالانکہ فرمانِ نبوی ہے علیکم بسنتی وسنتہ الخلفآ الراشدین، مولوی صاحب نے کہا یہ عمل عقلاً نقلاً غلط ہے۔ آپ نے فرمایا عقلاً کیسے باطل ہے تعبدی امور اور کون سے عقل کے مطابق ہیں۔ نماز میں قہقہہ لگانا نماز اور وضو دونوں کیلئے مفسد ہے مگر گالیاں دینا جو قہقہہ سے زیادہ گناہ ہے مفسد صلوٰۃ ہے۔ مفسدِ وضو نہیں فرمایئے کیوں۔

مسواک بقدر ایک شبر مسنون ہے اگر شبر سے کم ہو تو کیا وہ منہ صاف کرتا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ نے کیا پتے کی بات فرمائی ہے لو کان الدین بالرای لکان اسفل الخفین اولی بالمسح۔ یعنی اگر دین کا دار عقل پر ہوتا تو موزوں کا پچھلا حصّہ مسح کے زیادہ مناسب تھا۔ حالانکہ شریعت نے اوپر والے حصّے پر مسح کا حکم دیا ہے"۔

باقی رہا نقلاً تو وہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں ہے اور ضعیف حدیث فضائل اعمال میں محدثین کے نزدیک مقبول ہے۔ مولوی صاحب نے بغلیں جھانکنا شروع کیں اور پھر کچھ نہ بولے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ نسبتِ نبوی کا فقدان ہے ورنہ عشق و محبت کے مسائل کتابوں سے نہیں پوچھے جاتے۔ استفت قلبک ولو افتاک المفتون

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

طویل جلاوطنی سے واپسی کے بعد مولانا عبیداللہ سندھی کی متعدد بار بھرچونڈی شریف حاضری اور آپ سے اظہارِ عقیدت و نیاز مندی

اِس میں کوئی شک نہیں کہ برّصغیر سے انگریزی استعمار کے خاتمے کا اوّلین سہرا ۱۸۵۷ء کے اُن مجاہدین کے سر ہے جنہوں نے کالے پانی کی صعوبتوں اور پھانسی کے پھندوں کو چوم کر ایک ایسی انقلابی تحریک کی بنیاد رکھی جس نے سو سال کی قربانیوں

کے بعد بالآخر انگریز کو اس دھرتی سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ یہ ایک واقعہ ہے
ادھر انگریز نے برّصغیر کی دھرتی پر اپنے قدم رکھے ادھر اس زمین کا احساس بیدار ہو کر
سے چیخ اُٹھا۔ شاید یہ اسی سرزمین کا جوش اور اُبال تھا کہ اس نے اپنے علاوہ پورے
سے انگریزی مقبوضات کے اقتدار کا سورج غروب کر کے دم لیا۔

موجودہ بیسویں صدی کے آغاز میں انگریز کے خلاف تحریک کی جو نشاۃ ثانیہ
ہوئی یا اس کا آخری راؤنڈ شروع ہوا اس کے بارے میں اگر پوچھا جائے کہ اس کی
سربراہی کس کے حصّے میں آئی تو غالباً اکثریت کے جواب میں ایک ہی نام آئے گا اور
وہ نام ہے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا۔

مولانا عبیداللہ سندھی پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کئی یونیورسٹیوں میں
تحقیقی کام ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ مولانا کو دُنیا ایک بلند پایہ عالمِ دین، مفکر
فلسفی، مجاہد، مہاجر فی سبیل اللہ اور امام انقلاب کی حیثیت سے اچھی طرح جانتی ہے
لیکن اپنے آپ کو خانقاہِ عالیہ بھرچونڈی شریف کا ایک معمولی درویش قرار دینے والے
اپنی ساری کد و کاوش کو صرف حافظ الملت کی نگاہِ کرم کا نتیجہ سمجھنے والے، آخر دم تک
تصورِ شیخ (شغل برزخ) کا وظیفہ اختیار کرنے والے پنجابی نژاد ہو کر اپنے سندھی
مرشد کی ذات میں فنا ہو کر خود سندھی کہلانے والے زندگی کے آخری لمحوں تک مرشد کی
خانقاہ میں پھیرے لگانے والے اور تصوّف کے تمام اوراد و اشغال اور لطائف کے
عامل عبیداللہ سندھی کو دنیا شاید ہی جانتی ہو۔

مولانا عبیداللہ سندھی ایک شخص کا نام نہیں مولانا عبیداللہ ایک فکر، ایک
تحریک، ایک تاریخ اور ایک عہد کا نام ہے۔ مولانا عبیداللہ جلیل، حرارت، تپش، سوز دروں

اور اسلام کے جذبہ جہاد کا نام ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی پر مفصل مضمون ہماری کتاب "سیدالعارفین حافظ
محمد صدیق بھرچونڈوی علیہ الرحمۃ" میں آ رہا ہے۔ تاہم خانقاہ بھرچونڈی شریف کے شیخ
ثانی علیہ الرحمۃ پر لکھی جانے والی کتاب مولانا کے ذکر کے بغیر نامکمل ہو گی بالخصوص
ایک مولانا عمر بھر اپنے آپ کو بھرچونڈی شریف کا ایک معمولی درویش قرار دیتے رہے اور
۱۹۳۹ء کے اوائل میں طویل جلاوطنی سے واپسی کے بعد اپنے انتقال ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء
تک متعدد بار بھرچونڈی شریف حاضر ہو کر شیخ ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ
کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس دوران مولانا سندھی اپنے مُرشد سیدالعارفین حضرت
حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ کے تمام اعراس میں التزام کے ساتھ شامل ہوتے رہے۔ آپ
نے ہمیشہ درگاہِ عالیہ میں انتہائی ادب و احترام اور عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کیا۔
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی کے سوانحی خاکے پر سرسری
نگاہ ڈال لی جائے۔

پیدائش	۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء مطابق ۱۲ محرم ۱۲۸۹ھ
سیدالعارفین حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ بھرچونڈوی کی خدمت میں حاضری آپ کے دستِ حق پرست پر قبولِ اسلام اور بیعت	۱۸۸۷ء مطابق ۱۳۰۵ھ
تعلیم کے لیے دیوبند روانگی	اکتوبر ۱۸۸۸ء
سیدالعارفین کا وصال	جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ
مولانا کی دیوبند سے بھرچونڈی شریف واپسی	۲۰ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ، ۱۸۹۱ء

جمعیۃ الانصار کی تاسیس	۱۹۰۹ء
نظارۃ المعارف دہلی کی بنیاد	۱۹۱۲ء
ہجرت کابل	اگست ۱۹۱۵ء
کابل میں آمد	اکتوبر ۱۹۱۵ء
روس کو روانگی	۲۲, اکتوبر ۱۹۲۲ء
ماسکو میں قیام	۱۰, نومبر ۱۹۲۲ء تا ۲۳, جولائی ۱۹۲۳ء
ترکی میں آمد	جولائی ۱۹۲۳ء
استنبول میں قیام	اواخر ۱۹۲۳ء تا جون ۱۹۲۶ء
مکہ معظمہ میں آمد	۱۳۴۵ھ اگست ۱۹۲۶ء
وصال شیخ ثانی بھرچونڈی شریف	۱۳۴۶ھ
ہندوستان واپسی	مارچ ۱۹۳۹ء
بھرچونڈی شریف حاضری	مارچ ۱۹۳۹ء
بھرچونڈی شریف آخری حاضری	۱۹۴۴ء
کابل ہجرت کے وقت عمر	۴۳ سال
واپسی کے وقت عمر	۶۷ سال
ہجرت کا زمانہ	۲۴ سال
وصال	۲۲, اگست ۱۹۴۴ء

مولانا سندھی کون تھے ؟

مولانا سندھی پنجابی نژاد تھے آپ ۱۵, مارچ ۱۸۷۲ء مطابق محرم ۱۲۸۹ھ

سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیانوالی میں ایک سکھ خاندان میں پیدا ہوئے حافظ الملت [illegible] حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ بھرچونڈی شریف (سندھ) کی ذات [illegible] سے نسبت قائم ہوئی تو مولانا پنجابی سے سندھی ہو گئے۔

سچ کہا ہے کسی نے ؎

رشتۂ عشق از نسب محکم تر است

مولانا سندھی لکھتے ہیں۔

"میں سولہ برس کا تھا اور اردو میں میٹرک کے درجہ تک تعلیم پا چکا تھا کہ میں مسلمان ہوا۔ مجھے کلمۂ توحید حضرت حافظ محمد صدیق قدس سرہٗ بھرچونڈی والوں نے پڑھایا۔ میں اپنے آپ کو حضرت صاحب کی جماعت کا ایک فقیر سمجھتا ہوں"۔[1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"اللہ کی خاص رحمت سے جس طرح ابتدائی عمر میں اسلام کی سمجھ آسان ہو گئی اسی طرح کی خاص رحمت کا اثر یہ بھی ہے کہ سندھ میں حافظ محمد صدیق صاحب علیہ الرحمۃ بھرچونڈی شریف والے کی خدمت میں پہنچ گیا جو اپنے وقت کے جُنید اور سید العارفین تھے۔ چند ماہ اُن کی صحبت میں رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لیئے طبیعت ثانیہ بن گئی ہے جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے میں نے قادری راشدی طریقہ میں ان سے بیعت کر لی تھی۔[2]

---

[1] خطباتِ مولانا سندھی مرتبہ پروفیسر محمد سرور ص۱۴۶ سندھ ساگر اکیڈمی [2] کابل میں سات سال از مولانا عبیداللہ سندھی ۹۶

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

"میں سید العارفین کی صحبت کی لذت اور آپ کے کلام کے مٹھاس کو بھلا نہیں سکتا۔ آپ مجھ پر والد کی طرح مہربان تھے۔"[1]

مولانا سندھی نے ماہ صفر ۱۳۰۵ھ میں سید العارفین کے ہاتھ پر بیعت کی۔

چوبیس سالہ جلاوطنی کے بعد مولانا سندھی کی وطن واپسی اور حضورِ مرشد میں حاضری

مولانا سندھی نے مکہ معظمہ میں رہائش اختیار کی۔ اسی وقت سے آپ کی وطن واپسی کے لیئے کوششیں شروع ہو گئیں۔ انگریز حکومت میں بھی وہ اگلا دم خم باقی نہیں رہا تھا چنانچہ انگریز آہستہ آہستہ اپنا بوریا بستر لپیٹنے کی فکر میں تھا مجاہدین آزادی کی طویل جدوجہد اور قربانیوں کی منزل آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی مولانا سندھی کی واپسی کیلئے حاجی سر عبداللہ ہارون، شیخ عبدالمجید سندھی اور مولانا غلام رسول مہر (ایڈیٹر انقلاب) سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ حاجی عبداللہ ہارون نے مولانا کی واپسی کے لیئے سندھ اسمبلی میں بار بار سوال اُٹھائے۔ "انقلاب" اور "الوحید" نے اس موضوع پر کئی مضامین لکھے۔ حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً جواب بھی دیئے جاتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں نئی اصلاحات کے تحت اسمبلیاں وجود میں آئیں اور ۱۹۳۸ء میں سندھ میں خان بہادر اللہ بخش سومرو کی حکومت قائم ہوئی۔ انہی دنوں ڈاکٹر چوتھ رام گڈوانی (CHOITH RAM) صدر کانگریس کمیٹی سندھ نے ایک طرف مولانا اور دوسری گورنمنٹ انڈیا سے خط و کتابت

---

[1] التمہید بحوالہ ماہنامہ "الرحیم" سندھی اگست ۱۹۷۱ء: ۲۷-۲۸

کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی دوران مولانا کا ایک مفصل خط ڈاکٹر چوتھ رام کے نام کا اخبارات میں بھی شائع ہوا۔ خط کی نوعیت اور ہمہ گیری کے پیشِ نظر حکومت کو بالآخر مولانا کو وطن واپس آنے کی اجازت دینا پڑی۔

سید العارفین کے دامنِ تربیت سے انگریز دشمنی کا درس لینے والا ان کا یہ حلقہ بگوش اور مجاہد ۲۴ سالہ جلاوطنی کے بعد مارچ ۱۹۳۹ء میں کراچی کی بندرگاہ پہ اُترا تو اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ہزاروں دوسرے لوگوں کے ساتھ سندھ کے وزیر اعلیٰ خان بہادر اللہ بخش سومرو بھی پھولوں کے ہار لے کر وہاں موجود تھے۔ کراچی میں آپ نے مولانا محمد صادق کھڈہ والوں کے ہاں قیام کیا۔ چند روز بعد مولانا کراچی سے بھرچونڈی شریف حاضر ہوئے۔ یعنی آپ اپنے اصلی وطن (جسے آپ اسلام کی خاطر اپنا وطن قرار دے چکے تھے) پہنچے۔ حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ کا بیان ہے۔ (واضح رہے کہ آپ اس وقت بھرچونڈی شریف میں موجود تھے آپ کی روایت چشم دید ہے۔)

"مولانا عبیداللہ سندھی جلاوطنی کے بعد بھرچونڈی شریف حاضر ہوئے تو کافی دیر اپنے مرشد کے روضۂ عالیہ میں مؤدب ہو کر مراقبہ کی صورت میں بیٹھے رہے باہر نکلے زینہ حوض کے قریب واقع برآمدہ میں کوئی چیز بچھائے بغیر اینٹوں کے پختہ فرش پر بیٹھ گئے۔ مولانا سندھی کی آمد سن کر ہندوستان کے کونے کونے سے آئے ہوئے علمائے کرام بھرچونڈی شریف میں پہلے سے موجود تھے۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا کی اطلاع ملی تو حسبِ معمول مشائخ آپ مولانا سے ملنے کے لیئے تشریف لائے حضرت والا حوض کے سامنے والی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے کہ مولانا سندھی کی آپ پر نگاہ پڑی۔ ابھی آپ نے سیڑھیاں طے نہ کی تھیں کہ مولانا سندھی بجلی کی سرعت سے لپک کر

وہاں جا پہنچے۔ دونوں ہاتھ حضرت کے پاؤں پر رکھے۔ آپ نے ہر چند ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر مولانا نے دونوں ہاتھوں سے پاؤں مبارک چھُو لیئے۔ اور پھر ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے۔ آپ نے حضرت مولانا کو گلے لگایا۔ بغلگیر ہوئے تو مولانا سندھی ہچکیاں لے کر رونے لگے۔ مولانا کی طبیعت بحال ہوئی تو آپ نے مختصر خیر خیریت پوچھی۔

تھوڑی دیر کے بعد آپ تشریف لے گئے تو مولانا سندھی نے مجھے بلا کر فرمایا کہ حضرت والا سے میری طرف سے عرض کرو کہ میرے لیئے کھانے اور رہائش وغیرہ کا معمولی اہتمام بھی نہ کیا جائے۔ میں بھرچونڈی شریف کی جماعت کا ایک ادنیٰ درویش ہوں۔ میرے کھانے کیلئے لنگر کا دال دلیہ اور رہائش کیلئے مسجد کا فرش مائدہ آسمانی اور تختِ خسروی سے کم نہیں۔ کسی قسم کا اہتمام میری طبیعت پر بوجھ ہوگا۔ عشاء کی نماز کے بعد دوسری مجلس ہوئی۔ اس میں مولانا سندھی اور حضرت والا کے علاوہ چار پانچ چیدہ چیدہ فقرا اور یہ راقم بھی شامل تھا۔ مولانا سندھی طویل جلاوطنی کے اہم واقعات، تجربات اور بیرونی دنیا کے مشاہدات بیان کرتے رہے۔ دورانِ گفتگو آپ نے فرمایا "حضرت! میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ انسانوں کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ لوگوں کو میں نے غلافِ کعبہ میں ملبوس بھی دیکھا ہے اور عریاں بھی۔ میں ہر قسم کے لوگوں سے ملا ہوں۔ مگر آپ کے جدِ امجد (سید العارفین جنیدِ وقت حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ) ایسا دیدہ ور، صاحبِ نظر اور کامل انسان میری آنکھ نے نہیں دیکھا۔ آپ کا وجود مسعود اس دھرتی پر مجسمِ اسلام تھا۔ آپ کی ایک ہی نگاہ سے انگریزی استعمار کے خلاف نفرت اور اس سے ٹکرا جانے کی قوت پیدا ہو جاتی تھی۔

افغانستان سے روس کا بیشتر سفر ہم نے پیدل یا گھوڑوں اور خچروں کے ذریعے کیا۔ دورانِ سفر سخت دشوار گزار پہاڑی علاقے میں ایک دفعہ جانور بھی چلنے سے جواب دے

گئے۔ خوراک کا ذخیرہ بھی ختم ہو چلا۔ انسانی آبادی کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ ساتھی بھی بچھڑ گئے اندیشہ ہوا کہ شاید ہم راستہ بھی گم کر بیٹھے ہیں۔ اسی غم واندوہ اور پریشانی کی حالت میں رات کے وقت بیٹھے بیٹھے مجھے اونگھ آگئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے مرشد سید العارفین تشریف لائے آپ نے مجھے تھپکی دیتے ہوئے فرمایا کہ جوان بھی ہمت ہارتے ہیں؟ میری آنکھ کھلی تو طبیعت پُرسکون اور عزم و ولولہ جوان تھا۔"

اس مجلس میں مولانا سندھی نے مزید فرمایا۔

"حضرت جب میں حضرت سید العارفین کی خدمت میں بیعت کے لیئے دوزانو ہوا تو آپ نے حضرت بچل سرمست فاروقیؒ کی کافی کا یہ مصرعہ پڑھا۔

"چھوڑ گئیں گدائی والا، شملہ چا بدھ شاہی وا

اسی فرمان کی برکت تھی کہ میں افغانستان میں رہا روس گیا۔ ترکی میں کام کرتا رہا حجازِ مقدس میں کئی سال گزارے۔ مگر کسی طاقت سے مرعوب نہیں ہوا۔"

اس ملاقات میں حسبِ دستور خانقاہی مولانا سندھی نے مبلغ اکیس روپے بطور نذر آپ کے سامنے پیش کیئے۔ دوسرے روز رخصت کے وقت حضرت سندھی نے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دُعا فرمائی۔ ذاتی سواری عنایت فرمائی۔ اور خلیفہ فتح محمد اور خلیفہ دائم فقیر کو حکم فرمایا کہ مولانا سندھی کو ڈھرکی ریلوے اسٹیشن سے گاڑی پر سوار کرائیں آپ نے مولانا کو زادِ راہ اور کپڑوں کے دو قیمتی جوڑے بھی عنایت فرمائے۔[۱]

۱؎ قلمی یادداشت حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ۔

مولانا سندھی کی جامعیت

سندھ کے معروف صحافی اور قومی کارکن مولانا دین محمد وفائی[1] نے مولانا سندھی کے انتقال کے صرف دو ماہ بعد اپنے ماہنامہ "توحید" میں حضرت مولانا امام سندھی کے آخری چار ماہ کے عنوان سے چشم دید واقعات پر مشتمل جو مضمون لکھا ہے اس نے حضرت سندھی کی اُن حیثیتوں سے پردہ اُٹھایا ہے جن سے صرف بھرچونڈی شریف کے فقراء اور طریقت بھائی حلقے آگاہ تھے مگر عام لوگ ان سے بے خبر تھے۔

مولانا سندھی کو اپنے مخصوص افکار و نظریات کی عینک سے دیکھنے والے لوگوں کو ان اقتباسات سے ضرور تعجب ہوگا مگر ہمیں اس لیئے حیرت نہیں ہے کہ ہم مولانا سندھی کی اس جامعیت سے اچھی طرح واقف ہیں مولانا سندھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پیچھے پیروکار اور ان کے نظریات کے علمبردار ہیں شاہ صاحب کو اچھی طرح پڑھنے والے جانتے ہیں کہ یہ جامعیت خود شاہ صاحب میں کتنے بہتر طریقے پر موجود ہے شاہ صاحب کی "القول الجمیل" "در الثمین" "انفاس العارفین" "الطاف القدس" "الانتباہ فی سلاسل

---

[1] مولانا دین محمد وفائی ۱۸۹۴ء میں گڑھی یسین (شکارپور سندھ) میں پیدا ہوئے آپ نے تحریک خلافت سے اپنی قومی و ملی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ ۱۹۲۰ء میں "الوحید" جاری ہوا تو آپ اس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے ۱۹۲۲ء میں ماہانہ "توحید" جاری کیا جو کچھ عرصہ بعد بند ہوگیا، ۱۹۲۶ء میں سید پیر حزب اللہ شاہ راشدی کی سرپرستی میں جاری ہونے والے "الحزب" کے مدیر مقرر ہوئے مگر یہ پرچہ چل نہ سکا۔ ۱۹۳۰ء سے "الوحید" میں ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرنے لگے ۱۹۳۴ء میں "توحید" دوبارہ جاری کیا جو مسلسل چلتا رہا۔ آپ نے مولانا عبید اللہ سندھی کی وطن واپسی کیلیے سرِدار کوششیں کیں۔ خان بہادر اللہ بخش سومرو سے آپکے دوستانہ تعلقات تھے مولانا کی واپسی کے لیئے خان بہادر اللہ بخش نے جو جدوجہد کی اس کے پیچھے مولانا وفائی کا ہاتھ تھا۔ آپ نے بیسیوں سے زیادہ علمی تحقیقی کتابیں لکھیں۔ آپ کا تعلق اہل حدیث مکتب فکر سے تھا مولانا سندھی کے عاشق تھے وطن واپسی کے بعد مولانا نے شاہ ولی اللہ دہلوی کے پیغام کی نشر و اشاعت شروع کی تو مولانا وفائی ہر مرحلے پر آپکے ساتھ شامل رہے۔ مولانا وفائی ۱۹۵۰ء میں فوت ہوئے علی نواز وفائی آپکے علمی و سیاسی جانشین مقرر ہوئے۔

اولیاء اللہ اگر اچھی طرح پڑھ لی جائیں تو پھر مولانا سندھی کے تصور شیخ یا لطائف صوفیاء پر عمل پیرا ہونے پہ ذرہ بھر تعجب نہیں ہوتا۔

مولانا وفائی ماہنامہ توحید (سندھی) اکتوبر ۱۹۴۴ء میں رقمطراز ہیں۔

اشغال صوفیا پر مولانا سندھی کی مداومت

گذشتہ برس ایک دفعہ میں (وفائی) نے مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ تصوف کے لطائف پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کیا؟ مولانا نے فرمایا ایک انقلابی آدمی کیلیئے بہت ضروری ہے اس لیئے کہ ان کے ذریعے قوت برداشت میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے۔ آپ کا مطلب تھا کہ انقلاب کے راستے میں بے شمار تکلیفیں پیش آتی ہیں۔ اگر تکلیفیں سہنے کی قوت نہ ہوگی تو انسان گھبرا کر حوصلہ ہار بیٹھے گا اس لیئے مرشد طریقت یا صحبت یا اسباق (طریقت) میں جو چیز سب سے زیادہ حاصل کی جائے وہ قوت ارادی اور رضا و تسلیم ہے جہاں پہنچنے کے بعد اُف بھی نہیں کرتی۔

پھر آپ نے فرمایا۔ میں نے سلوک کے سارے راستے طے کیئے ہیں۔ میں نے یہ راستے آخر تک طے کر کے چھوڑے میرے مُرشد (سید العارفین) کا خیال تھا کہ اشغال طریقت کے مکمل ہونے پر مجھے خرقۂ خلافت عطا کیا جائے۔ ادھر مجھے دنیا میں دوسرے کام کرنے کا حکم تھا۔ مولانا سندھی کے آخری چار ماہ ماہنامہ توحید اکتوبر ۱۹۴۴ء مولانا وفائی

سید العارفین کے عرس میں شرکت کیلئے مولانا کی بے چینی

مولانا وفائی لکھتے ہیں۔ خیال ہے اس سفر میں مولانا وفائی حضرت سندھی کے ساتھ

تھے. وہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں.

" جون ۱۹۴۴ء کی ابتدائی تاریخوں میں سکھر سے ایک رات کیلئے آپ ٹنکار پور پہنچے. وہاں خان بہادر حاجی مولا بخش خان کو آپ نے ملاقات کیلئے ۱۵ منٹ دیئے. بیماری کی تکلیف برابر جاری تھی. لیکن جس وقت کہیں جانے کا ارادہ فرماتے یہ تکلیف بالکل نظر نہیں آتی تھی. ٹنکار پور میں ۹ جمادی الثانی جمعرات کے دن آپ نے مجھے فرمایا کہ یہاں سے سیدھا بھر چونڈی شریف چلنا ہے سخت گرمی اور حبس کی کیفیت تھی بتایا گیا کہ سکھر جانے والی بس بھی چلی گئی ہو گی. ریل دوسرے روز صبح کے وقت سکھر پہنچتی. آپ نے فرمایا جمعہ ۱۰ جمادی الثانی ہمارے مرشد سائیں (حضرت سید العارفین) کا عرس ہے اس میں ضروری شامل ہونا ہے اگر ہم چھ بجے شام روہڑی سے ریل میں سوار ہوں تبھی رات کے وقت بھر چونڈی شریف پہنچا جا سکتا ہے میں باہر نکلا تاکہ ٹنکار پور سے سکھر تک کیلئے گھوڑا گاڑی (تانگہ) کرایہ پر حاصل کروں. اتنے میں ایک شخص نے آکر بتایا کہ ابھی تک سکھر جانے والی بس روانہ نہیں ہوئی. چنانچہ ۲ بجے بس میں سوار ہو کر ۴ بجے ہم سکھر پہنچے وہاں سے تانگہ میں بیٹھ کر روہڑی ریلوے اسٹیشن پہنچے، سخت گرمی اور سفر کی کوفت سے مولانا کو کافی تکلیف پہنچی مگر آپ نے اس بارے میں کسی قسم کا اظہار نہ فرمایا.

روہڑی ریلوے اسٹیشن پر محترم میر ہزار خان انسپکٹر ریلوے پولیس موجود تھے وہ مولانا کے عاشق تھے چنانچہ انہوں نے یہ سفر آرام دہ بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہم مغرب کے وقت ڈہرکی ریلوے اسٹیشن پر پہنچے.

کمزوری اور تکلیف کے وقت گاڑی پر سوار ہونے کیلئے آپ کسی کی مدد قبول نہیں فرماتے تھے اگر کوئی شخص آگے بڑھتا یا بازو پکڑنے کی کوشش کرتا تو اسے جھڑک کر

دور ہٹ جانے کیلئے فرماتے. جتنی دیر میں آپ گاڑی سے اُتر کر نیچے آئے میں نے بھاگ کر درگاہ جانے کیلئے تانگہ کرایہ پر لے لیا. ہم لوگ مغرب کے وقت درگاہ پہنچے.

مولانا زمین پر بیٹھ گئے

آپ نے تانگے والے کو طے شدہ کرایہ ایک روپے کی بجائے تین روپے دیئے مجھے کرایہ دینے سے منع فرمایا. راستہ میں آپ آہستہ آہستہ مولود (نعتیہ کلام یا کافی وغیرہ) گنگناتے رہے جو میری سمجھ میں نہ آئے. درگاہ بھر چونڈی شریف پہنچنے کے بعد رہائش کے انتظام ہونے تک آپ زمین پر بیٹھ گئے اور وہیں نماز مغرب ادا کی.

حضورِ مرشد میں

مرشد کی درگاہ میں آنے پر دیکھا گیا کہ آپ کے چہرے پر خاص قسم کی رونق آگئی اور فروتنی و نیازمندی درجہ کمال کو پہنچ گئی. الغرض اس وقت ایک عجیب و غریب کیفیت آپ سے دیکھنے میں آئی.

مولانا سندھی کا تصورِ شیخ

آپ نے بھر چونڈی شریف میں دو راتیں گزاریں. مگر اس دوران بیماری کی شدت میں اضافہ ہو گیا. حضرت پیر سائیں سجادہ نشین مدظلہٗ (مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ) دو مرتبہ مولانا سے ملاقات کی خاطر ان کی قیام گاہ پر تشریف لائے. میرے علاوہ مولوی عبدالمجید طالب علم بھی خدمت کیلئے پہنچ گیا. ایک دفعہ

مولانا نے اُسے فرمایا کہ مراقبہ کے دوران تم میرے سامنے نہ آیا کرو اس لئے کہ تصورِ شیخ کے بعد آنکھیں کھلتے وقت دل نہیں چاہتا کہ فوراً کسی بیگانہ شخص پر نگاہ پڑے ۔

مولانا کا آخر عمر تک شغل برزخ پر عمل پیرا رہنا

صوفیائے کرام کے ہاں شغل برزخ ایک مقام ہے آخری دور میں حضرت مولانا کا زیادہ تر اس شغل میں استغراق رہتا تھا ۔ ہمارے اہل حدیث (مولانا وفائی) حضرات میں سے بیشتر اس چیز کے قائل نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقت سے انکار کرنے کی بھی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے ۔

ایک دفعہ آپ مسجد (بھرچونڈی شریف) میں تشریف لے گئے وہاں پر موجود جماعت کو بڑے غور سے دیکھا اور واپس آگئے مسجد سے متصل جنوبی طرف آپ کے مرشد کامل حضرت حافظ صاحب قدس سرہٗ کا مزار ایک گنبد میں واقع ہے وہاں آپ نہ گئے ۔ اگرچہ اس بارے میں پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی لیکن جب شغل برزخ[۲] جاری تھا تو مزار پر

---

[۱] سید العارفین علیہ الرحمۃ بیعت کے وقت طالب راہ کو اپنی صورتِ مبارکہ کا تصور باندھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے اسکے علاوہ صبح شام ذکر بالجہر کی چاروں تسبیحیں مکمل کرنے کے بعد مراقبے میں بھی طالب راہ کو صورتِ شیخ سامنے رکھنے کی ہدایت کی جاتی بحمد اللہ حضرت کا یہ طریقہ رضیہ من وعن آج تک چلا آرہا ہے حضرت سندھی کے علاوہ سید العارفین کی ساری جماعت اس پر کاربند رہی ہے اور ہے مولوی عبدالمجید کو جس مراقبہ کی کیفیت میں سامنے آنے سے آپ نے روکا وہ ذکر بالجہر کے بعد والا مراقبہ ہے ۔

[۲] برزخ وہ چیز جو دو مختلف چیزوں کے درمیان حائل ہو اس طور پر کہ دونوں میں واصل و فاصل ہو اصطلاح صوفیا میں برزخ سے مراد شیخ کی صورت محسوسہ ہوتی ہے کیونکہ وہ فیضان قدس اور طالب کے درمیان واسطہ ہوتی ہے اسی طرح عالم مثال کو بھی برزخ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اجسام کثیفہ اور ارواح مجردہ کے درمیان ایک عالم وسطیٰ ہے ۔

جانے کی کیا ضرورت تھی ۔[۱]

حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی بنیادی طور پر صوفی تھے مگر آپ صوفیائے صافیہ کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو گوشہ گیری اور کنجِ عافیت میں خلوت گزینی کی بجائے تیز ہواؤں میں چراغ جلانے اور منجدھار میں کھڑے ہو کر دریا کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کی روایت کے امین رہے ہیں ۔ آپ کے مرشد سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ اِس طریقے کے امام تھے ۔ مولانا وفائی نے جس دیانتداری اور سچائی کے ساتھ مولانا سندھی کی ہمہ جہت شخصیت کے ہر پہلو کو کھول کر بیان کیا ہے اس سے مولانا وفائی کی عظمت بھی نکھر کر سامنے آجاتی ہے ۔ اسی ضمن میں افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے یہ اقتباسات بھی دیکھ لیئے جائیں ۔

"سولہ برس کی عمر میں جب میں (مولانا سندھی) نے گھر چھوڑا تو مجھے والدہ ، بہن اور ماموں کو چھوڑنے کا اتنا قلق نہ تھا جتنا کہ اپنے اُس دوست (اس کا ذکر پہلے آچکا ہے) کو چھوڑنے کا ۔ اس دوست کی شکل ہر وقت میرے دماغ میں چھائی رہتی تھی ۔ یہاں تک کہ جب حضرت صاحب بھرچونڈی شریف نے مجھے کلمہ کی تلقین کی ، میں اُن کا مرید ہوا اور میں نے شیخ کا تصور دماغ میں جمایا تو اکثر اس دوست کا تصور دماغ میں آجاتا ۔ مجھے اس سے بڑا خلجان ہوتا ۔"[۲]

---

[۱] یہ ساری تفصیل مولانا وفائی کے اس مضمون سے پیش کی گئی ہے جو آپ نے "مولانا امام سندھی کے آخری چار ماہ" کے عنوان سے عینی شاہد کی حیثیت سے ماہنامہ توحید اکتوبر ۱۹۴۴ء میں تحریر فرمایا ۔

[۲] افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی : ۲۸۴ مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور

ایک اور مقام پر مولانا فرماتے ہیں۔

"ڈاکٹر محمد علی شاہ (سندھی) جب کراچی سے میرے پاس پڑھنے کیلئے گوٹھ پیر جھنڈا آئے تو آنے سے پہلے انہوں نے اپنی کتابوں کا ایک صندوق بھجوایا تھا۔ ان کتابوں میں سرسید کی تمام تصانیف بھی تھیں میں نے سرسید کی تمام تصانیف پڑھیں۔ انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ میں نے ایک خواب دیکھا جس میں مجھے سرسید دکھائی دیئے اور وہ مجھے اپنے پیرو مرشد حضرت صاحب بھرچونڈی کی شبیہ میں نظر آئے اس دن سے مجھے سرسید کے بارے میں کوئی ذہنی خلش نہ رہی اور ان سے یک گونہ مجھے انس ہو گیا۔[1]"

اب ہم دوبارہ مولانا وفائی کی دلفریب داستان کی طرف آتے ہیں۔ مولانا وفائی کا بیان ہے کہ۔

بھرچونڈی شریف کی مسجد کی خصوصیت

ایک دفعہ مولانا (سندھی) نے فرمایا کہ "بھرچونڈی شریف کی مسجد کی تعمیر کے وقت ایک التزام کیا گیا اور وہ یہ کہ تمام لوگ جنہوں نے مسجد کیلئے اینٹیں تھوپیں، انہیں پکایا مسجد کی عمارت تیار کی۔ انہوں نے باوضو ہو کر لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ سارا کام کیا۔ میں (وفائی) نے عرض کیا غالباً یہی وجہ ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ایک خاص لطف اور مزا آرہا ہے۔"

بھرچونڈی شریف سے واپسی

ہفتہ ۱۱ جمادی الثانی دوپہر ڈھلے ہم بھرچونڈی شریف سے روانہ ہوئے

[1] افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی: ۳۸۷ مرتبہ پروفیسر محمد سرور

حضرت سجادہ نشین صاحب (مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ) نے سواری کے لیئے بگھی عطا فرمائی۔ ڈہرکی ریلوے اسٹیشن کے قریب پیر صاحب کا بنگلہ اور مسجد ہے ریل آنے میں دیر تھی اس لیئے ہم نے وہاں انتظار کی۔

مرشد کے فراق میں مولانا سندھی کی گریہ وزاری

آپ (مولانا سندھی) نے فرمایا کہ میں دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ[1] کو رات کے وقت ڈہرکی ریلوے اسٹیشن پر اترا۔ اسٹیشن پر ایک آدمی نے کہا کہ "جنگل میں چراغ جل رہا تھا افسوس کہ بجھ گیا"۔ یعنی حضرت قطب العارفین (حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ) وصال فرما گئے۔ پھر فرمایا سخت سردیوں کی یہ سرد رات میں نے ایک پورٹر (ریلوے اہلکار) کی کوٹھڑی میں روتے گزاری۔ صبح ہوئی تو درگاہ پہنچا۔ مسجد سے ذرا فاصلے پر واقع اُس درخت کے نیچے کھڑا ہو کر رونے لگا۔ جس کے سائے میں حضور مرشد نے آکر مجھے طلب علم کے لیئے رخصت فرمایا تھا۔ میری یہ حالت بے اختیاری تھی۔ دو راتیں اور دو دن میرا یہ رونا بند نہ ہوا۔ حضرت خلیفہ صاحب دین پوری (مولانا غلام محمد صاحب) رحمۃ اللہ علیہ وہاں موجود تھے آپ سارا وقت میری دلداری اور دلجوئی فرماتے رہے۔ آخر تین دن کے بعد میری یہ کیفیت ختم ہوئی۔

پھر آپ (مولانا سندھی) نے فرمایا۔

حضرت میاں صاحب سجادہ نشین اول و شیخ ثانی حضرت حافظ محمد عبداللہ علیہ الرحمۃ)

[1] سید العارفین کے وصال کے صرف دس دن بعد۔

میرے بہت خیر خواہ تھے۔ آپ میری ہر بات مانتے اور مجھ سے مشورہ لیتے تھے۔

فرمایا میں طلب علم کیلئے بھرچونڈی شریف سے نکلا تو میرے مرشد حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ خدا کرے کسی پختہ عالم دین سے تمہارا پالا پڑے۔ میرا ارادہ ہوا کہ کانپور جا کر مولانا محمد حسن منطقی سے علم حاصل کروں۔ مگر سہارنپور پہنچنے پر ایک شخص نے کہا کہ پڑھنے کیلئے جاتے ہو تو یہاں قریب ہی دیوبند میں ایک مدرسہ ہے وہاں سے ہوتے جاؤ۔ میں کانپور کا ارادہ ترک کر کے دیوبند میں اُتر پڑا اور وہاں شیخ الہند مولانا محمود حسن کی شاگردی اور صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ میں یہ سب کچھ حضرت مرشد سائیں علیہ الرحمۃ کی دعا کی برکت سمجھتا ہوں[1]۔"

---

[1] مولانا امام سندھی کے آخری چار ماہ ماہنامہ "توحید" اکتوبر ۱۹۴۴ء/ ۲۷-۲۸-۲۹ از مولانا دین محمد وفائی۔

ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن

ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

علامہ ابن تیمیہؒ نے ایک جگہ لکھا ہے۔

الجہاد الجہاد اَیُّھَا الغَافِلُونَ عَنْ حَقِیقَۃِ الجہاد

اے جہاد کی حقیقت سے بے خبرو جہاد، جہاد

جہاد صرف تلوار اُٹھا کر لڑنے کا نام نہیں بلکہ یہ ظاہری و باطنی برائیوں، خامیوں کوتاہیوں، غلطیوں اور دشمنوں کے خلاف اپنی ساری قوتیں صرف کر دینے کا نام ہے۔ کفر، شرک، فسق، ظلم، کھلی برائی کے ساتھ ساتھ بد دیانتی، خیانت، منافقت، بغض، حسد چغل خوری، گلہ گوئی، رشوت، اکلِ حرام کے خلاف صف آراء ہونا بھی جہاد ہے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ سے واپسی پر فرمایا تھا رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔ ہم چھوٹے جہاد (جنگ) سے بڑے جہاد (جہاد بالنفس)

کی طرح آپ سے ہیں۔

فقیرِ سلطان نما

حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی مبارک سراپا دعوتِ جہاد تھی آپ اسلام کے غلبے اور شوکت والی سیاست کے قائل تھے۔ آپ کی نشست و برخاست، سفر و حضر نماز و عبادات سے بھی اسلام کے قرنِ اول کے شان و شکوہ کا اظہار ہوتا تھا امین الملت میر محمد امین خاں کھوسہ مرحوم آپ کو ہر جگہ "فقیر سلطان نما" کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کے روحانی اور دینی مقام و مرتبہ کیلئے حکیم تاج الدین مرحوم کا عطا کردہ لقب "خواجۂ خدا نما" اور جذبۂ جہاد اور اسلام کے مخصوص شان و شکوہ کے مظہر ہونے کے حوالے سے آپ کیلئے امین الملت کا دیا ہوا لقب "فقیرِ سلطان نما" ایسے برمحل اور مبنی برحقیقت القاب ہیں جن سے آپ کی پوری زندگی کی عکاسی ہو جاتی ہے۔

"عباد الرحمٰن" کے مصنف لکھتے ہیں۔

آپ کی زندگی میں کئی ایک متنوع زندگیاں اُبھر کر سامنے آ جاتی ہیں ایک کہانی میں کئی کئی کہانیاں، ایک چہرے سے ایک شخصیت میں کئی چہرے، ایسی شبنم جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو اور ایسے طوفان جس سے دریاؤں کے دل دہل جائیں۔ دونوں اِس سلطان نما فقیر میں موجود ہیں اپنی بزمِ ساحل پہ فگار کے نوائے زندگی کو نرم خیز بنانے کی کوشش کبھی نہیں کی بلکہ معمول یہ تھا۔

بدریا غلط و باموجش درآویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

موجِ دریا کو تھپیڑ مار مار کر مغلوب کرنا اس غواصِ بحرِ حقیقت کا شاہکار رہا ہے قید و بند کی صعوبتیں، ابنائے زمانہ کی مخالفتیں، دستورِ خانقاہی کی ترتیب مسترشدین کی تربیت اس جذبے پر اثر انداز نہ ہو سکی اور یہ ملاحِ کشتیٔ حیات کو موجوں کے تھپیڑوں سے بے پروا ہو کر بسلامت ساحل پر لے گیا۔

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

مردِ غوغا!

سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق اور شیخ ثانی حضرت حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہما نے تحریک آزادیٔ وطن کی جو شمع روشن کی تھی وہ آہستہ آہستہ منزل کے قریب پہنچ رہی تھی حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کی زندگی ایک عسکری نظام کی مظہر تھی۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آپ کسی بڑی جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں ہتھیاروں کی فراہمی میں انتہائی دلچسپی لیتے۔ جہاں کہیں کوئی قیمتی ہتھیار دستیاب ہوتا فوراً خرید لیتے جماعت کو ہتھیار خریدنے اور ہر وقت مسلح رہنے کی تاکید فرماتے۔ گھڑسواری، نشانہ بازی، تیراکی کُشتی، کبڈی ایسے مردانہ امور اہتمام سے کراتے اور ان میں خود بھی شریک ہوتے تھے۔ آپ اعلیٰ درجے کے گھڑسوار، شتر سوار اور غضب کے نشانہ باز تھے۔

ایک زمانے میں آپ نے جماعت کو باقاعدہ فوجی قواعد کی تربیت دلوائی۔ اس کیلئے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں۔ آپ کی نشست برخاست اور رفتار و گفتار سے بلند ہمتی، مردانگی، بہادری اور شاہی جاہ و جلال کا اظہار ہوتا تھا۔ گویا آپ نظیری کے اس

شعر کی عملی تصویر تھے۔

گریز و از صفِ ما ہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شُد از قبیلۂ ما نیست

جہادِ کشمیر کیلئے ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح رضا کار دینے کی پیش کش

ابتداہی سے آپ کی زندگی سراپا جہاد سے عبارت تھی اس لیئے آپ کی جماعت مریدین میں جذبۂ جہاد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہ لوگ "اللہ کی خاطر جینے اور اس کی راہ میں مرنے" کی رمز سے پوری طرح آشنا تھے۔ آپ کی جماعت کے مجاہدین شہادت کو مومن کی اصلی منزل اور معراج سمجھتے تھے۔ مسجد منزل گاہ کا معاملہ ہو یا ہندو فسادات کا المیہ تحریک پاکستان کی جدوجہد ہو یا اعلائے کلمۃ اللہ کی تحریک، آپ کے تربیت یافتہ مجاہدین کے لشکر نے اپنی مردانگی، بہادری اور اسلام سے والہانہ محبت کے جو انمٹ نقوش تاریخ میں ثبت کیئے وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔ آپ کی جہاد کیلئے ہر وقت تیاری کے فوائد اور ثمرات کا کامل احساس اُن اُن موقعوں پر ہوا جب اچانک اُمتِ مسلمہ کو قربانیوں کی ضرورت پیش آگئی۔

۱۹۵۷ء کے اواخر میں جمعیۃ علمائے پاکستان کی طرف سے "یوم حسین" کا ساتواں جلسہ کراچی میں منعقد ہوا جس میں صدر پاکستان جنرل اسکندر مرزا بھی شریک ہوئے اور خطاب کیا نیز اس میں سلطان البھرہ سیدنا طاہر سیف الدین پاکستان کے وزیر داخلہ ابوالقاسم

فضل حق نے بھی شرکت کی۔ ان کے علاوہ پاکستان بھر کے ممتاز علماء، مشائخ اور لاکھوں کی تعداد میں عوام الناس شریک ہوئے۔ (اس کانفرنس کا مکمل ذکر آئندہ صفحات میں آرہا ہے) اِس کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ نے فرمائی آپ نے اپنے صدارتی خطبے میں اس وقت کے اہم ملی، ملکی اور اسلامی مسائل کا ذکر فرمایا۔ اور تجاویز پیش کیں۔ اِس ضمن میں آپ نے بطورِ خاص مسئلہ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے ملتِ اسلامیہ میں جہاد کی رُوح بیدار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اور مسئلہ کشمیر کے حل کو جہاد سے وابستہ قرار دیا۔ اِس موقع پر آپ نے کشمیر کے جہاد کیلئے ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح رضا کار پیش کرنے کا اعلان کیا۔ اِس کانفرنس کی مکمل روئیداد کے عربی ایڈیشن کا نسخہ ہمارے سامنے ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

"اعلن فضیلۃ مولانا پیر عبدالرحمٰن سجادہ نشین بانہ علی استعداد لتقدیم مائۃ الف متطوع من اتباعہ مجہزین بالعتاد للجہاد فی سبیل کشمیر"

(المؤتمر السابع السنوی ، ۱۴)

"اعلیٰ حضرت مولانا پیر عبدالرحمٰن سجادہ نشین (بھرچونڈی شریف) نے کشمیر کی آزادی اور جدوجہد کیلئے ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح رضا کاروں کی پیش کش کی"۔

اُس وقت شاید اِس اعلان کو اتنی اہمیت یا وقعت نہ دی گئی ہو مگر آج کشمیر کے حالات جس منزل پر پہنچ گئے ہیں اور جس ارزانی سے مسلمانوں کا خون وادیٔ کشمیر کے ندی نالوں میں پانی سے بھی زیادہ تیز روانی کے ساتھ بہہ رہا ہے اُن کے گھر جل رہے ہیں عصمتوں کا اللہ حافظ ہے اگر ہماری مصلحت کیشی اور اسلامی جہاد کی اسپرٹ

سے محروم اور امریکہ کے اشارے پر چلنے والی حکومتیں بروقت اس کا اقدام کر لیتیں تو ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اس وقت ہندوستان عسکری اور ایٹمی دنیا میں کسی حیثیت کا مالک نہ تھا۔ ہمارے حکمرانوں نے وقت گنوا کر اپنے لئے اور مسلمانوں کیلئے مشکلات پیدا کیں۔

سوچنے اور دیکھنے کی بات ہے کہ ہمارے مغربیت زدہ حکمران جن لوگوں کو حالات سے بے خبر اور سادہ لوح ہونے کے طعنے دیتے نہیں تھکتے ان کی باریک بینی، مستقبل شناسی اور ان کے نزدیک مسئلہ کشمیر کی اہمیت اور سنگینی اِن نام نہاد دانشوروں سے کس قدر زیادہ اور بلند تھی۔

مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان کے بعد اپنی ہر تقریر میں مسئلہ کشمیر کا ذکر نہایت اہمیت کے ساتھ کیا ہے آپ نے پاکستان کے حکمرانوں کی اِس مسئلہ سے سرد مہری اور تغافل کو ہر موقع پر بلا خوف لومۃ لائم انتہائی جرأت اور بے باکی سے پیش کیا ہے غالباً آپ کی چشم بصیرت مسلمانانِ کشمیر کی موجودہ حالتِ زار کو دیکھ رہی تھی۔ اسی لئے آپ کے سینے کا درد ہر جگہ الفاظ کا روپ دھار لیتا تھا۔ ؎

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

خواجۂ خدا نُما

امین الملت میر محمد امین خان کھوسہ مرحوم نے سید شان بخاری مرحوم کے نام اپنے ایک خط محررہ ۱۹۷۲ء/۲۰-۶ میں لکھا ہے۔

"حکیم قائم الدین مرحوم میرے حضرت (شیخ ثالث علیہ الرحمۃ) کو "خواجۂ خدا نما" کے نام سے پکارتے تھے۔" (مکاتیب امین الملت میر محمد امین خان کھوسہ ۱۶۳ امین الملت اکیڈمی عزیز آباد (جیکب آباد)

خدا مغفرت کرے حکیم قائم الدین مرحوم کی کتنی سچی، کتنی عمدہ اور کتنی حقیقت حال پر مبنی بات اُن کی زبان سے نکلی ہے۔ احادیث میں حقیقی اولیاء اللہ کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے۔

اذا رُءُوا ذُكِرَ الله

(انہیں دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے)

بلاشُبہ مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے چہرۂ اقدس پر نگاہ پڑتے ہی دل سے اللہ اللہ کی ضرب سُنائی دینے لگتی تھی۔ نگاہ اُٹھاتے تو غیر مسلم اور غلط کار لوگ پھڑک کر سامنے آگرتے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ آپ سے آنکھیں چار کرنے والا شخص کسی غیر معمولی کیفیت کا شکار نہ ہو۔ معروف سیاسی لیڈر جی ایم سید اپنی کتاب "جُنب گزاریم جن سیں" میں لکھتے ہیں۔

"یہ بزرگ (حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ) بلند و بالا قامت، اعضاء گوشت سے بھرے ہوئے، پیشانی کشادہ، آنکھیں بڑی بڑی، بال شانوں تک، ریش لمبی، ململ کے سفید لمبے کُرتے میں ملبوس انتہائی رُعب دار دکھائی دیتے تھے۔ اکثر نماز روزہ، تلاوت اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔"[1]

عباد الرحمٰن کے مصنّف لکھتے ہیں۔

"صالحین کا ذکر نزولِ رحمت کا باعث ہوتا ہے۔ ایک ایسی ہستی کا ذکر تو یقیناً نزولِ رحمت کا سبب ہوگا جس کی ساری عمر میں ایک نماز بھی فوت نہیں ہوئی۔ جو

---

[1] جنب گزاریم جن سین: ۲۳ مؤلفہ جی ایم سید مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

صاحبِ ترتیب تھا جس کی ہر ہر ادا میں مجاہدانہ شان تھی جس کی زندگی کا کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس میں کوئی کافر زنار توڑ کر حلقہ بگوش اسلام نہ ہوا ہو۔ جس کو ایک نظر دیکھ لینے سے دلوں میں خدا کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ جس کی ایک صحبت میں دنیا سے دل سرد ہو جاتا تھا۔ جب سے اُس نے ہوش سنبھالا قہقہہ مار کر کبھی نہیں ہنسا۔ جس کی گفتار مصطفوی شان لیئے ہوئے، جس کا کردار مرتضوی آن لیئے ہوئے جو اپنی شخصیت میں بقیۃ السلف حجۃ الخلف تھا، جس کی ہم نشینی طالب راہ کیلئے اکسیر کا حکم رکھتی تھی اور منتہی کیلئے مہمیز شوق کا کام دیتی تھی۔" (عباد الرحمٰن ص ۲۷)

اس دور میں یہ اعزاز اور انفرادیت حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئی کہ آپ کے ہاتھ پہ ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ برصغیر کی تاریخ میں اِس بارے میں قطب زماں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے رُخ مبارک میں ایسی تاثیر رکھی تھی کہ جس غیر مسلم کی نگاہ پڑتی فوراً کلمہ پڑھنے لگتا۔ حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاثیر بلا مبالغہ حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کے رخ مبارک میں عیاں تھی۔ بلا مبالغہ آپ کی زندگی کا کوئی دن ایسا مشکل سے گزرا ہوگا جس میں کم از کم ایک اور زیادہ سے زیادہ کا شمار نہیں غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوئے ہوں۔ اگر کبھی دو چار دنوں کا وقفہ آجاتا تو اس کی کمی اس طرح پوری ہوتی کہ اکھٹے خاندان کے خاندان مشرف بہ اسلام ہوتے۔ خیال رہے کہ تبلیغ اسلام کا یہ عظیم الشان کام کسی روایتی انداز کی تبلیغ یا ترغیب و ترہیب کے ذریعے نہیں بلکہ سراسر حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی نورانی، جاذب نظر، پرکشش اور خدائی انوار کی حامل شخصیت اور سیرت کا رہینِ منت تھا۔

سندھ کے غیر مسلم بالخصوص ہندو جاتی کو حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ سے جو عداوت بلکہ دشمنی پیدا ہو گئی تھی (اس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے) اس کی واحد وجہ آپ کے ہاتھوں پہ بے تحاشا ہندوؤں کا اسلام قبول کرنا تھا۔ بعض نام نہاد مسلمانوں کو اسلام کی یہ عظیم الشان تبلیغ و ترویج فرقہ پرستانہ تحریک نظر آتی ہے۔ چنانچہ جی ایم سیّد لکھتے ہیں۔

"بعض بریلوی مولویوں کی تحریص پہ پیر صاحب کو مناظروں کا شوق دامن گیر ہوا۔ چنانچہ وہ اس سلسلے میں جیکب آباد، حیدرآباد، کندھ کوٹ رحیم یار خان، احمد پور اور سکھر تک مولویوں کو ساتھ لے کر فقرا کی جماعت اور کتابوں سمیت پہنچ جاتے تھے۔ وعظ اور مذہبی پرچار کی خاطر وہ آسام، اسملی، مکالی گنداواہ (قلات) اور دہلی تک جانکلتے تھے۔ انہی اثرات کی بنا پہ پیر صاحب غیر مسلموں کو مسلمان بنانے میں دلچسپی لینے لگے چنانچہ اس وجہ سے ایک طرف ملاؤں مولویوں کے کٹر فرقہ پرست لوگوں میں ان کی شہرت بڑھنے لگی دوسری طرف ہندوؤں میں مخالفت اٹھی پیر صاحب کے بزرگوں کے اکثر مرید جنگجو اور سخت طبیعت کے لوگ تھے ان کو محبت اور سلوک کی تعلیم کی ضرورت تھی نہ کہ فرقہ پرستی اور مذہبی تعصب کی۔"

جنب گذاریم جن سین: ۲۰۔۲۱ جی ایم سیّد

ظاہر ہے کہ اسلام آخری اور مکمل دین ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیئے اپنے حبیب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نافذ کیا اسلام کے اپنے اصول و فروع ہیں۔ بہ طور مسلّم عقیدہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والا ہر شخص

اس آخری اور خدائی طرزِ معاشرت کا قائل اور اقراری ہوتا ہے۔ جبکہ اس کا منکر کافر۔ اب تبلیغ دین جو تمام انبیائے کرام اور مرسلین کی زندگی کا نصب العین رہا ہے ایک درویش جو درحقیقت انبیاؑ کا جانشین ہے کس طرح اس سے کوتاہی برت سکتا ہے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو یہ اس کے لیئے باعثِ فضیلت نہیں بلکہ باعثِ نقص ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مجاہدانہ تبلیغی جد وجہد عین منشاءِ خداوندی اور سنتِ انبیاؑ تھی یا فرقہ پرستی ؟

دراصل انگریز کی کڑی گرفت کے بعد برصغیر میں بدقسمتی سے ایک ایسی نسل تیار ہو گئی جس کی تعلیم و تربیت، رہن سہن اور اندازِ فکر انگریزوں جیسا تھا۔ یہ لوگ انگریز کی استعماری قوت اور اس کے مقبوضات کو دیکھ کر یہ سمجھنے لگے تھے کہ نعوذ باللہ اسلام اپنا کردار مکمل کر چکا۔ اب احیائے اسلام یا احیائے سنّت کی باتیں خیالی جنت میں بسنے والی باتیں ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک ایک ایسا ملغوبہ مذہب ہونا چاہیئے جس میں ہندو، عیسائی سکھ، پارسی، یہودی سب لوگ سما جائیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ لوگ وحدت، ادیان یا ویدانتی بھگتی تحریک کے قائل تھے۔ ان کے ہاں مسلمانوں کے علیحدہ تشخص، تبلیغ دین اور کفر و اسلام کا فرق کٹر فرقہ پرستی تھا۔ یہ اینگلو محمڈن نسل بڑی تیزی سے پھیلی اور اس نے اپنے فاسد خیالات کو بھگتی ویدانتی تصوّف کی آڑ لے کر محبت اور امن و آشتی کے حوالے سے پھیلانا شروع کیا۔ حالانکہ بقول شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ" اسلام زندگی کو بہتر، برتر، پُر امن اور محبت کا پیکر بنانے کا آخری، جامع اور بے مثل پروگرام ہے شریعت اسی پروگرام کے اصول و ضوابط کا نام ہے۔ اسلام کے دائرے میں امن محبت اور آشتی سب کچھ موجود ہے۔ یہ ہندو فلسفۂ ویدانت صلح کلی یا ہر مذہب حق

ہت کی طرح نہیں ہے۔

یہ اینگلو محمڈن نسل اِس قدر مرعوبیت کا شکار ہو گئی کہ اب اس کے نزدیک انگریزی سوچ و فکر اور طرزِ حکومت کے سوا کچھ ممکن ہی نہ تھا۔ بالخصوص اسلامی شان و شوکت اور غلبے کی داستانیں تو معاذ اللہ قصّہ پارینہ تھیں۔ اِس نظریے کو روس کی استعماری ہڑبونگ نے مزید تقویت بخشی جس نے وقتی طور پہ مسلمانوں کی شاندار ماضی رکھنے والی کئی ریاستوں کو ہڑپ کر کے تہس نہس کر دیا تھا۔ اِس ذہن کو جوش ملیح آبادی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

" دراصل علی گڑھ تحریک اٹھائی ہی گئی تھی اس غرض سے کہ مسلمانوں کو ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی سے بے تعلق ثابت کر کے اِس امر پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی جائے کہ مسلمانوں کا دل حب وطن کی سی ذلیل چیز سے قطعاً آلودہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کو پیٹ پالنے کی خاطر اس قدر تعلیم دی جائے کہ وہ بابو یا ڈپٹی کلکٹر بن کر بڑا بابو بن سکے۔ اپنی زبان کو فراموش کر کے انگریزی میں اس قدر غرق ہو جائے کہ وہ انگریزی میں سوچے اور انگریزی میں خواب دیکھے۔ مغربیت اختیار کر کے مشرق سے اِس قدر بیزار ہو جائے کہ اپنی معاشرت، اپنی زبان، اپنے ادب اپنی روایات اور اپنی ثقافتی وراثت کو ذلیل یہاں تک کہ اپنے باپ دادا کو احمق سمجھنے لگے اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ حکومت برطانیہ کو دوام حاصل ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مزاج روزگار کی کارفرمائی کی بدولت اِس شر سے خیر اور اس نقصان سے کچھ فائدے کے پہلو

بھی نکل آئے۔ لیکن جب آخری حساب کتاب کے بعد میزانِ کل کی نوبت
آئی تو پتہ چلا کہ اس کاروبار میں نفع بہت کم اور نقصان زیادہ ہوا۔
اور قلیل سود کا کثیر زیاں احاطہ کئے ہوئے ہے۔"

("یادوں کی بارات۔ جوش ملیح آبادی ۱۲۸)

چونکہ جی ایم سید سیاستدانوں اور مفکرین کے اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ اس لئے انہیں شیخ ثالث مجاہد اسلام "خواجۂ خدا نما" ایسے درویش، مبلغ اسلام اور اسلامی شان و شکوہ کی آخری علامت کی یہ باتیں فرقہ پرستی نظر آتی ہیں۔

اینگلو محمڈن نسل کی اس مرعوبیت اور دہشت زدگی کے برعکس علماء و مشائخ کا ایک ایسا مؤثر طبقہ موجود تھا جسے اسلام کے بنیادی تصورات پر کامل یقین اس کے وعدوں اور اس پر عمل کے نتائج و ثمرات پر مکمل ایمان تھا ان کے نزدیک یہ وقتی پسماندگی اور ہزیمت مسلمانوں کو ان کے اپنے کردار کی وجہ سے ملی ہے۔ اس کے لئے قرآنی ضابطہ موجود ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر وا ما بانفسھم

اُن کا پختہ ایمان تھا کہ وعدۂ ربانی کے مطابق بالآخر اسلام دوبارہ پوری شان و شوکت اور غلبے سے اُبھرے گا اور دُنیا میں پھر اسلام کا دور آئے گا۔ یہ ذہنی کیفیت کسی کے اندر اللہ اور اس کے رسُول پر مضبوط ایمان، ان کے فرامین پر کامل یقین اور ذاتی طور پر استقامت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ جو ظاہر ہے ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ بالخصوص انگریزوں کی پروردہ نسل کے ذہن میں تو سرے سے یہ بات جاتی

ہی ذہنی تھی۔

ہمارے نزدیک برصغیر میں اس نقطۂ نظر کی تائید میں جو سب سے مؤثر اور پرجوش آواز اُٹھی وہ حکیم الامت علامہ اقبال کی آواز تھی۔ حضرت اقبال کا سارا کلام اسلام کے غلبے، اسلام کی آمد اور اسلامی دور کی واپسی کی نوید پر مشتمل ہے۔ کتنی بڑی بات کہی علامہ نے ؎

جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے

یا

اُٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

آپ نے مارچ ۱۹۰۷ء میں ایک مشہور نظم لکھی جس میں کھل کر اسلام کے آفاقی پیغام کے احیاء اور عروج کی نوید سنائی۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

بین ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو

شرر فشاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا

حضرت علامہ کی یہ سوچ قرآن مجید اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گہرے غور و فکر اور اس پر یقینِ کامل کا نتیجہ تھی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض (النور: ۵۵)

انگریزی استعمار کے عہدِ ستم کا خاتمہ

دنیا نے دیکھا کہ حالات نے کروٹ بدلی۔ انگریزی استعمار کا سورج غروب ہوا پوری دنیا میں احیائے اسلام کی تحریکیں پورے زور و شور سے اُٹھ کھڑی ہوئیں دنیا کے نقشے پر ایک آزاد اسلامی مملکت (پاکستان) وجود میں آئی۔ اور روس ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اسلامی ریاستوں نے دوبارہ اپنے آپ کو اسلامی خطوط پر منظم کرنا شروع کر دیا ہے۔ گویا وقت کے دھارے نے ثابت کر دیا ہے کہ انگریزی ذہن کے مرعوب شدہ جدید لیڈروں اور بزعم خویش دور اندیش مفکروں کے سارے قیاس اور اندازے غلط تھے۔ ان کے مقابلے میں حضرت شیخ ثالث اور ایسے ہزاروں باخدا درویشوں کا انداز فکر آفاقی حقیقی اور کہیں زیادہ صائب تھا۔ یہ لوگ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید کے مطابق آنے والے وقت کو چشم حقیقت سے دیکھ رہے تھے جبکہ دوسرے لوگوں کی نگاہ صرف سامنے موجود صورت حال پر تھی۔

جی ایم سید کی کم نگاہی اور اسلام کے آفاقی پیغام کی سچائی سے ناواقفیت کا

ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔

"پیر صاحب نہایت سادہ اور موجودہ زمانے کے حالات سے قطعی ناواقف تھے آپ کو بعض ملاؤں نے ذہن نشین کرایا کہ سندھ جدا (بمبئی سے) ہونے کے بعد جبکہ سندھ اسمبلی میں مسلمان ممبر اکثریت میں ہیں ملک میں شرعی قانون جاری ہونا چاہیئے اس وقت خان بہادر اللہ بخش سومرہ سندھ کے وزیرِ اعلیٰ تھے۔ پیر صاحب مولویوں کو ساتھ لے کر ایک وفد کی صورت میں خان بہادر کے پاس گئے تاکہ وہ شرعی قوانین نافذ کرائیں۔ اللہ بخش جہاں دیدہ، مردم شناس سیاستدان تھے انہوں نے پیر صاحب کے ساتھ بحث و مباحثہ مناسب نہ سمجھا اور انہیں مسلم لیگی ممبران سے رابطہ کرنے کو کہا تاکہ وہ یہ معاملہ اُٹھائیں۔ میں اُس وقت مسلم لیگ میں تھا۔ پیر صاحب ملاؤں کے ساتھ کھوڑو صاحب کے بنگلے پر ہمارے پاس آئے اور بتایا کہ وہ اللہ بخش سے مل کر آ رہے ہیں۔ ہم نے اُن سے پوچھا کہ شرعی قانون سے اُن کا مقصد کیا ہے؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں زانی کو سنگسار کیا جائے۔ کیس موجودہ ججوں کی بجائے علمائے دین سماعت کریں جو اسلامی فقہ کے مطابق فیصلے کریں۔

اُس وقت پیر علی محمد راشدی بھی وہاں موجود تھے پیر صاحب اُن کے خاندان (راشدیہ) کے مرید تھے راشدی صاحب ہماری نسبت پیر صاحب کی دماغی کیفیت سے زیادہ باخبر تھے چنانچہ انہوں نے ہمیں روک کر پیر صاحب کو جواب دیا کہ حکومت اللہ بخش کے ہاتھ میں ہے وہ کوئی ایسا

قانون اسمبلی کے سامنے پیش کرے تو ہم مدد کریں گے۔ پیر صاحب اس جواب
کے بعد واپس چلے گئے۔ شیخ عبدالمجید سندھی کو راشدی صاحب کا یہ جواب
پسند نہ آیا۔ انہوں نے کہا ایسے سادہ مزاج بزرگ کو اس طرح پھرانا مناسب
نہیں تھا۔ بہتر تھا کہ انہیں سمجھایا جاتا کہ اس مہذب دور میں ایسے پرانے دور
والے قانون رائج نہیں ہو سکتے۔ راشدی صاحب کہنے لگے تم لوگ اس شخص کی
نفسیاتی کیفیت سے آگاہ نہیں ہو۔ یہ کوئی دوسری بات سمجھ نہیں سکے گا۔ شیخ
عبدالمجید کو اس جواب سے تسلی نہ ہوئی اور وہ مجھے ساتھ لے کر رائل ہوٹل
میں پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیر صاحب سے عرض کیا کہ
قانون کی وہ دفعات جو آپ نافذ کرانا چاہ رہے ہیں وہ اس زمانے میں چلنے
کے قابل نہیں ہیں۔ سعودی عرب کے سوا یہ کسی بھی اسلامی ملک میں رائج نہیں
ہیں۔ مولویوں کی اکثریت جاہل اور لالچی ہے ان سے انصاف کے صحیح
حصول کی توقع نہیں ہے اس کے علاوہ ابھی تک انگریز موجود ہیں ان کے
قانون و آئین کی موجودگی میں یہ قوانین نافذ نہیں ہو سکتے۔ مگر پیر صاحب
ان باتوں کو سمجھنے کی بجائے اُلٹا شیخ صاحب سے ناراض ہو گئے۔"

اس اقتباس کو غور سے پڑھیئے اور دیکھئے کہ حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کا کردار
'ایک بلند پایہ اسلامی قائد، اسلامی انقلاب کے داعی اور اسلامی اقدار کے نفاذ کے
پرجوش اور پرسوز رہنما کا کردار ہے جبکہ جی ایم سید اور پیر علی محمد راشدی وغیرہ کا
طرز عمل اسلام کے ابدی نظام حیات کے بارے میں پراگندہ ذہنی اور ژولیدہ فکری
اور اینگلو محمڈن نسل کے مخصوص ذہن کی ترجمانی کر رہا ہے۔

شیخ عبدالمجید سندھی سے اس دور میں اسلامی حدود کے ناقابل عمل ہونے کا جملہ منسوب
کرنا سراسر اتہام ہے شیخ صاحب ایسا بلند پایہ دانشور اور عالم کیونکر ایسی سطحی بات کہہ سکتا ہے
جی ایم سید نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کیلئے شیخ عبدالمجید کی طرف یہ بات منسوب کر دی ہے
اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عام مسلمان لیگ کا ساتھ صرف اس بناء پر دے رہا تھا کہ وہ اس نئی قائم
ہونے والی مملکت میں حقیقی فلاحی اسلامی نظام قائم کرے گی مگر مسلم لیگ کے بعض لیڈر صاحبان
مثلاً جی ایم سید، پیر علی محمد راشدی مرے سے اسلامی قوانین ہی کو ناقابل عمل سمجھتے تھے سچ فرمایا
حضرت اقبالؒ نے۔

بآں قوم از تو مے خواہم کشادے	فقیہش بے یقینے کم سوادے
بسے نادیدنی را دیدہ ام من	مرا اے کاشکے مادر نزادے

دروغ گو را حافظہ نباشد کے مطابق اپنی ایک دوسری کتاب "سئیں سندھ لاء
جدوجہد" میں جی ایم سید شیخ عبدالمجید سندھی مرحوم کی اسلام سے وابستگی اور اسلام کو
ریاست کا آئین و قانون قرار دینے کی ان کی کوشش کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔ وہ اپنی
اس کتاب میں" اسلامی حکومت کا نظریہ" کے ذیلی عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"اس نظریے کے حامی مذہبی جذبہ رکھنے والے تقریباً تمام مسلمان تھے مگر مسلم لیگ میں
اس نظریے کے بڑے علمبردار نواب بہادر یار جنگ تھے۔ اس نظریے کی بنیاد ان
اصولوں پر مبنی تھی۔

۱۔ مسلمان مذہبی عقیدے کی رُو سے ایک علیحدہ قوم ہیں۔

۲۔ اس لیئے ہندوستان میں (مسلم اکثریت والے علاقوں میں) اُن کی علیحدہ حکومتیں
ضروری ہیں۔

۴. یہ حکومتیں اسلامی اصولوں کے مطابق قائم ہونی چاہئیں۔

چونکہ اسلام بین الاقوامی اور فطری مذہب ہونے کے حوالے سے زندگی کے تمام مسائل پر حاوی ہے اس لیئے ضروری ہے کہ نجی اور قومی زندگی میں اقتصادی، سیاسی اور بین الاقوامی مسائل ہم اسلامی اصولوں کے مطابق حل کریں۔ مقصد یہ ہے کہ ہماری حکومت کا سارا نظام شریعت اسلامی کے مطابق ہو۔ اس نظریے کی حمایت علامہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر قاضی بمبئی والے اور شیخ عبدالمجید سندھی کی طرف سے جُدا جُدا عنوانات کے تحت کی گئی۔"[1]

آپ نے اندازہ فرمایا یہ وہی شیخ عبدالمجید سندھی ہیں جو مکمل اسلامی نظام نافذ کرنے کے پُرجوش حامی اور داعی ہیں۔ اور بقول جی ایم سیّد اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں وہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے شانہ بشانہ نظر آتے ہیں قارئین خود اندازہ لگا لیں کہ اسلام کے عالمگیر اور خدائی نظامِ حیات کو اس دور میں من وعن قابلِ عمل ہونے اور عملاً اُسے نافذ کرانے کے پُرجوش داعی شیخ عبدالمجید سندھی کی طرف اسلام کے حوالے سے اتنی سطحی بات منسوب کرنا صرف اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی بے سُود کوشش نہیں تو اور کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ عبدالمجید سندھی مرحوم بلند پایہ مسلمان رہنما اور اسلام کے ابدی اصولوں پر غیر متزلزل یقین رکھنے والے شخص تھے ان کی پوری زندگی اسی بات کی آئینہ دار ہے ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

---

[1] نئیں سندھ لاءِ جدوجہد حصّہ دوم ۲۹۶/ ۲۹۷۔ جی ایم سیّد

کیوں نہیں ہوتی سحر حضرت انساں کی رات

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت پوری دُنیائے اسلام کا اصل المیہ اور مسئلہ یہی اینگلو محمڈن نسل ہے جسے انگریز بہادر اقتدار کی کُرسیوں پر مقبوضہ نوآبادت خالی کرتے وقت بٹھا کر گیا ہے۔ دُنیائے اسلام، اصل اسلام، خیر القرون والا اسلام، حدُود اور تعزیرات والا اسلام چاہتی ہے۔ مگر ان کی گردنوں پر مسلط یہ ٹولیاں مسلمان عوام کے فراہم کردہ نصاب اور روپے پیسے سے عیش کرتے اور قوانین خداوندی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ مسلمان ممالک کے عوام کا جائزہ لیں اور ایک نظر اُن کے حکمرانوں پر بھی ڈال لیں۔ یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

مگر یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ جس طرح انگریز کے اقتدار کا سورج عین نصف النہار پر ڈوب گیا انشاء اللہ اس کی یہ معنوی اولاد بھی خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے گی۔ اور اسلامی دنیا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے مبارک دور کی سعادتیں اور برکتیں حاصل کرے گی۔ اس نسل کو معلوم ہونا چاہیئے۔ ؎

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
خدا رے جیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اب صورت حال کچھ یوں ہے۔ ؎

دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا
قریب آگئی شاید جہانِ پیر کی موت

اس کتاب میں جی ایم سید نے حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کے بارے میں
یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اکثر چالاک خلیفوں کی سازشوں کا شکار ہو جاتے تھے جن میں
بطورِ خاص انہوں نے خلیفہ محمد دائم اور خلیفہ خدا بخش کا ذکر کیا ہے۔

یہ بات سراسر خلاف واقعہ اور جی ایم سید کے اپنے غلط مفروضے پر قائم ہے
جو شخص ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کی عقیدت کا مرجع ہو جن میں شاہ و گدا، عالم و
فاضل ہر قسم کے لوگ شامل ہوں جو اپنے معمولی اشارے سے انسانی قوت کا رُخ جدھر
چاہے پھیرتا موڑتا رہتا ہے وہ ایسا بے بس اور سادہ لوح ہے کہ اُسے خلیفے
اپنے مقاصد کے لیئے استعمال کر لیتے ہیں۔ یہ رائے کوئی عقل سے عاری شخص ہی
قائم کر سکتا ہے۔

جہاں تک خلیفہ دائم فقیر خشک کا تعلق ہے بلاشبہ خلیفہ دائم سندھ میں اپنے
زمانے کا ایک اہم نام تھا۔ خلیفہ دائم فقیر ناخواندہ ہونے کے باوصف بڑی صلاحیتوں
اور خوبیوں کا مالک تھا۔ وہ اس دور کے وڈیروں سے زیادہ نامور اور ہردلعزیز
تھا۔ انگریز افسران، وزراء اور سیاستدان اُسے انتہائی عزت اور احترام کی
نگاہ سے دیکھتے تھے۔ تاہم اپنے مُرشد اور خانقاہ بھرچونڈی شریف کا وہ ایسا پروانہ
تھا کہ جب اس کا آخری وقت آیا تو نہ اس کے گھر میں پھوٹی کوڑی تھی نہ باقاعدہ
گھر، نہ کوئی زرعی زمین یا جائیداد تھی۔ اس نے زندگی بھر اپنے آپ کو اور اپنی
صلاحیتوں کو حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ پر قربان کیا۔ ایسے بے لوث اور مخلص آدمی
پر یہ الزام سراسر تہمت ہے۔

اسی طرح خلیفہ خدا بخش جیسلمیر کے علاقہ مارواڑ کا باشندہ تھا بھرچونڈی

شریف کے میکدہ عرفان نے اُسے کھینچا تو ہمیشہ کے لیئے یہیں کا ہوگیا۔ خلیفہ
دائم کی طرح یہ بھی مر کر اسی مٹی میں دفن ہوا۔ جس میں خود اس کے مُرشد
آرام کر رہے ہیں۔

خلیفہ خدا بخش گوناگوں خوبیوں اور اوصاف کے باوجود زاہد مرتاض
تارک الدنیا اور اپنے مُرشد کا دیوانہ تھا۔ یہ لوگ سازشیں تو اس وقت کرتے جب
اپنی ذات کے لیئے کچھ سوچتے۔ جنہوں نے اپنا سب کچھ قربان کیا وہ کس لیئے یہ
حرکتیں کرتے۔

جماعت احیاالاسلام کا قیام

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ ابتدا ہی سے مسلمانوں کی بے حسی، انحطاط اور ہر لحاظ سے ان کی پسماندگی پر کڑھتے تھے۔ آپ جس طرف مسلمانوں کی تنزلی، عروج اور موروثی شان و شکوہ کی کوئی معمولی سی جھلک دیکھتے دیوانہ وار اس کی طرف لپکتے۔ آپ کو پختہ یقین تھا کہ اِس انتشار، بگاڑ اور حد درجہ انحطاط سے بالآخر ایک ایسی مسلمان نسل اُبھرے گی جو مسلمان قوم کو دوبارہ مضبوط، منظم اور متحد قوم کی حیثیت دے گی۔ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال مرحوم نے مسلمان اکثریت والے صوبوں پر مشتمل ایک علیحدہ اسلامی مملکت کا تصور پیش کیا تو مسلمانوں کے درد میں جلنے والے قائدین کو گھپ اندھیرے میں روشنی کی ایک معمولی لکیر نظر آنے لگی۔ اب مسلم زعما اپنے اپنے طور پر اپنی خوابیدہ قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور اُسے منظم اور متحد کرنے کے لیئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ مسلمان قائدین کی اِس جدوجہد کو اُس دور کے ایک شاعر نے یوں

بیان کیا ہے ؎

سرہانے مسلم کے کہہ رہا ہے سروش شانہ ہلا ہلا کر
اُٹھ اے قیامت کے سونے والے تھکا میں تجھ کو جگا جگا کر

سندھ کے مسلمان اُس وقت چکی کے دو پاٹوں میں پس رہے تھے۔ ایک طرف انگریز کی استعماری قوت اور دوسری طرف انگریز کے پروردہ وڈیروں یعنی خان بہادروں وغیرہ کی استحصالی فوج ظفر موج اور اس کے ساتھ ہندو سود خور مہاجنوں کی اقتصادی اور معاشی گرفت نے مسلمانوں کو تقریباً مفلوج کر رکھا تھا۔ چند سر پھرے علماء، مذہبی قائدین اور مسلم رہنما سر پہ کفن باندھ کر اس صورت حال کا مقابلہ کر رہے تھے۔ مگر حالات قابو میں نہیں آ رہے تھے۔ ان مذہبی قائدین کے ہوش و حواس بجا تھے وہ سمندر کی اس خاموش اور پُرسکون فضا کے اندر پوشیدہ طوفان کو اچھی طرح دیکھ رہے تھے۔

سندھ میں انگریزی استعمار کے خلاف سب سے مضبوط طاقت یعنی بطلِ حریت شہید اسلام حضرت پیر صبغت اللہ شاہ صاحب پیر پگارا ششم رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کو بظاہر دبانے کے بعد خاموشی چھائی ہوئی تھی مگر یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پتہ دے رہی تھی۔ ان مایوس کن حالات میں مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے اور آپ نے ۱۹۲۷ء میں جماعت احیاء الاسلام کی بنیاد رکھ کر مسلمانانِ سندھ کو پلیٹ فارم اور زبان دینے کا کارنامہ سرانجام دیا۔

آپ چشمِ باطن سے دُنیائے اسلام میں برپا ہونے والی احیائے اسلام کی تحریکوں کو دیکھ رہے تھے چنانچہ اولیت کا شرف حاصل کرتے ہوئے ان میں سے بیشتر تحریکوں کے منصۂ شہود پر آنے سے تقریباً پچاس برس پہلے آپ نے برصغیر میں احیائے اسلام کی تحریک

خود احیاء الاسلام کے نام سے اٹھانے کا شرف حاصل کیا۔ اور یوں برصغیر میں یہ سعادت سندھ کے حصے میں آئی۔

یہ کوئی مبالغہ آمیز بات نہ ہوگی اگر مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ یا احیائے اسلام کی تحریکوں کا بانی حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیا جائے۔

لہٗ ھِمَمٌ لا منتھیٰ لکبارھا
وھمتہ الصغریٰ اجلّ من الدھر

آپ نے ۱۹۳۷ء میں سندھ کے اسلامی ذہن رکھنے والے چیدہ چیدہ حضرات کی بھرچونڈی شریف میں ایک میٹنگ طلب کی۔ اور انہیں متحد ہو کر کام آگے بڑھانے کی اہمیت کا احساس دلایا۔ یہ وہ دور تھا کہ سندھ میں کانگریس کا طوطی بول رہا تھا۔ مسلم لیگ کا نام صرف کراچی تک محدود تھا۔ ہرچند انگریز اپنا بوریا بستر لپیٹنے کی تیاری میں تھا تاہم سندھ کے جاگیردار اور ابن الوقت وڈیرے روایتی انداز میں چڑھتے سورج (انگریز) کی پوجا میں معروف تھے ان میں سے قدرے زیرک حضرات ہوا کے رُخ کا انتظار کر رہے تھے۔

مجاہد اسلام حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دور اندیشی اور انتہائی بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے پہلے سندھ کے اسلامی ذہن کو ایک مقامی پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔ مقصد ذاتی قیادت و سیادت نہ تھا۔ وہ تو حافظ الملت علیہ الرحمۃ کے جانشین ہونے کی حیثیت سے پہلے ہی حاصل تھی۔ مقصد مسلم لیگ کے نام سے بدکے ہوئے کانگریس کے منفی پروپیگنڈے کے شکار عوام کے لیئے ایک اور اسٹیج فراہم کرنا تھا۔ آپ نے اندازہ لگا لیا کہ مسلم لیگ کو سندھ میں ابھی تک وہ پذیرائی نہیں مل رہی جس کی ضرورت ہے آپ کو اس بات کا بھی ٹھیک ٹھاک اندازہ تھا کہ باب الاسلام سندھ کا مسلمان اسلام کا

دیوانہ اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدائی ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسلام کے احیاء اور سربلندی اور ملتِ اسلامیہ کے مفادات کے تحفظ کی آواز بلند کی تو یوں لگا جیسے سندھ کے عوام اسی صدا کیلئے گوش برآواز تھے۔

اس اجتماع میں "احیاء الاسلام" کے نام سے جماعت کی بنیاد رکھی گئی جماعت کی تنظیمی ہئیت کچھ اس طرح تھی۔

صدر : مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

نائب صدر : حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ

سیکرٹری : مجاہد ملت حضرت پیر عبدالرحیم شہید رحمۃ اللہ علیہ

خازن : حافظ غلام قادر (مرحوم)

مسلمانانِ سندھ نے جماعت "احیاء الاسلام" کا تاریخی انداز میں استقبال کیا۔ اور اسے خوش آمدید کہا چند ہی دنوں میں ممبروں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔ کام بڑھا تو سید غوث علی شاہ المعروف شان بخاری مرحوم) بھی سیکرٹری نمبر ۲ کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ شان بخاری مرحوم بلند پایہ ادیب، قادر الکلام خطیب اور بے شمار خوبیوں کے حامل تھے۔ آپ نے جماعت میں نئی روح پھونک دی۔ جماعت کے مرکزی دفتر واقع بھرچونڈی شریف کا سارا کام استاذ عبدالرسول ناریجو ایڈووکیٹ کے زیر انتظام تھا۔ استاذ عبدالرسول ناریجو ایڈووکیٹ ایک تعلیم یافتہ، ذہین، بیدار مغز اور سیاسی و مذہبی تحریکوں سے پورے طور پر آگاہی رکھنے والے شخص تھے۔ آپ نے تمام دفتری امور ریکارڈ، خط و کتابت اور نشر و اشاعت وغیرہ کا سارا کام نہایت ذمہ داری کے ساتھ مثالی انداز میں سرانجام دیا۔ یوں جماعت احیاء الاسلام کو کارکنوں کی ساری ٹیم اپنے گھر میں میسر آگئی۔ ان

حضرات نے رات دن ایک کر کے معمولی عرصے میں جماعت کو سندھ کی سب سے زیادہ عوامی اور مقبول جماعت کی حیثیت دے دی۔

جماعت احیار الاسلام کا منشور شائع ہوا تو اس کے اہم دفعات میں سندھ میں شریعت بل کا نفاذ، بدامنی، چوری، ڈکیتی، اغوا، جوا اور شراب نوشی وغیرہ کا خاتمہ سرفہرست تھے۔ جماعت کے پروگرام کو عام آدمی تک پہنچانے کیلئے پمفلٹ، ہینڈبل اور اشتہارات وغیرہ بڑی تعداد میں شائع کئے گئے۔

سکھر، شکارپور، جیکب آباد، کندھ کوٹ، کشمور، گھوٹکی، میرپور ماتھیلو اور لاڑکانہ میں جماعت احیار الاسلام کی طرف سے نہایت شاندار کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ ان کانفرنسوں میں عوام نے بھرپور شرکت کی۔ حضرت پیر صاحب علیہ الرحمۃ نے ساری توجہ جماعت احیار الاسلام پر مرکوز کی تو جماعت بھرچونڈی شریف جس کی تعداد خود لاکھوں میں ہے اپنے اندر ایک ولولہ اور جذبہ محسوس کرنے لگی۔ جماعت کے افراد سندھ کے کونے کونے بلکہ رحیم یار خان اور بہاولپور تک سے ہر جلسے میں شامل ہوتے۔ ان کانفرنسوں میں لنگر عالیہ بھرچونڈی شریف کی طرف سے وسیع پیمانے پر کھانے کا انتظام ہوتا۔ عام شرکائے جلسہ جن کی تعداد بعض اوقات دس دس ہزار سے بھی بڑھ جاتی بلاامتیاز لنگر سے کھانا کھاتے۔

ان کانفرنسوں میں مسلمان مفکرین، سیاسی رہنما، قائدین اور علمائے کرام خطاب کرتے۔ شعرا اپنی نظمیں پیش کرتے۔ جو علمائے کرام بیشتر کانفرنسوں میں شریک رہے ان میں غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، خطیب سحربیان حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ، استاذ العلماء مولانا محمد عبداللہ علیہ الرحمۃ

احمد پور لمہ، واعظ خوش بیان مولانا سید حضور بخش شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں۔

اس ساری جدوجہد اور سعی و کاوش کا مقصد مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنا، انہیں اپنے علیحدہ تشخص کا احساس دلانا، انگریزی استعمار کے خاتمے کے بعد انہیں متوقع ہندو سازشوں سے آگاہ کرنا اور انگریزی حکومت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنا تھا۔

بحمد اللہ اپنے مقاصد میں یہ کانفرنسیں بڑی حد تک کامیاب رہیں۔ اور دنیا نے دیکھا کہ صدیوں سے غربت اور ظلم کی چکی میں پسنے والے سندھی مسلمان حیرت انگیز طور پر بیدار ہونے لگے۔

حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی تنظیم اور تحریک کیلئے پریس کی اہمیت سے بے خبر نہ تھے۔ یوں تو آپ کی جماعت کا رابطہ پریس سے برابر قائم رہا اور سندھ کے پریس نے جماعت احیار الاسلام کو بڑھ چڑھ کر کوریج دی۔ تاہم جماعت کیلئے ذاتی آرگن کی ضرورت پھر بھی باقی تھی چنانچہ جماعت کے ایک اہم اجلاس میں جماعت کے ترجمان کی حیثیت سے باقاعدہ ایک سندھی اخبار جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اخبار کیلئے ذاتی پریس خرید اگیا اور تھوڑے عرصے میں شکارپور سے "الجماعۃ" کے نام سے مولانا سید صدرالدین شاہ صاحب مرحوم کی ادارت میں باقاعدہ اخبار جاری ہو گیا۔ اخبار کا نام "الجماعۃ" راقم کے والدِ گرامی حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ نے تجویز کیا۔ واضح ہے کہ جماعت کیلئے احیار الاسلام کا نام بھی آپ ہی نے تجویز کیا تھا۔

اس وقت اندرون سندھ مسلم لیگ کے اثر و رسوخ اور مقبولیت کا عالم کیا تھا اسے جاننے کیلئے ذیل کا واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مشہور صحافی اور سیاستدان پیر علی محمد راشدی لکھتے ہیں۔

"۱۹۳۸ء کے اوائل میں قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے سندھ کا دورہ کیا۔ ابتدائی طور پر جوش میں آ کر چند وڈیروں نے انہیں دعوت پیش کی چنانچہ جیکب آباد کا پروگرام طے پا گیا۔ بمقررہ تاریخ پر ہمارا قافلہ جیکب آباد پہنچا تو معلوم ہوا کہ پبلک جلسے کا سرے سے پروگرام ہی نہیں رکھا گیا۔ اللہ بخش حکومت کے خوف اور جیکب آباد میں کانگریس کے زور کی بنا پر جلسہ کرنا ممکن نہیں سمجھا گیا کئی وڈیرے اور سردار اپنی اطاقوں کو تالے ڈال کر اس روز جیکب آباد سے غائب ہو گئے۔ حاجی عبداللہ ہارون جن کی وساطت سے یہ پروگرام بنا تھا ششدر رہ گئے۔ ایسے معاملات میں قائداعظم کی گرمی (اصول پسندی) مشہور تھی۔ مرحوم عبداللہ ہارون نے میری طرف دیکھا۔ میں جناح صاحب اور خود مرحوم شیخ صاحب کو ریلوے ویٹنگ روم میں چھوڑ کر حکیم قائم الدین[1] کے پاس پہنچا۔ میرا حال دیکھ کر حکیم صاحب اٹھ کھڑے ہوئے مسلم لیگ کا تو کوئی نام و نشان بھی نہیں تھا جن سے جلسے کیلئے کوئی کام لیا جاتا۔ حکیم صاحب نے کانگریسی ورکروں کو حکم دیا کہ فوراً ایک جلسۂ عام کا بندوبست کریں۔ اکتوبر کا مہینہ جیکب آباد کی گرمی، دوپہر کا وقت، مگر کانگریسی ورکروں نے حکیم صاحب کی خوشی کے لیئے بھاگ دوڑ کر کے چوک میں آدمی اکٹھے کر لیئے۔ اپنی گاندھی ٹوپیاں چھپالیں اور ننگے سر جلسے میں آ موجود ہوئے۔ جناح صاحب نے تقریر کی اور کانگریس کے کارکن زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے۔[2]

۱؎ حکیم قائم الدین مرحوم، حاذق حکیم، عالم دین، یاروں کے یار، مشہور قومی ورکر اور کانگریس کے سرکردہ رکن تھے جیکب آباد میں آپ کا مطب قومی کارکنوں اور اہلِ علم و فضل کا مشہور مرکز تھا۔ مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کو "خواجہ خدانما" کا لقب آپ ہی نے دیا تھا آپ ۱۹۵۹ء میں واصل بحق ہوئے۔ خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔"

۲؎ اھي ڏينھن اھي شينھن: ۲۷۸ - ۲۷۹، پیر علی محمد راشدی

جماعت احیاء الاسلام کی مقبولیت اور پذیرائی کے بارے میں نامور عالم پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "عباد الرحمٰن" میں لکھتے ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ جماعت احیاء الاسلام کے نائب صدر اور اس کے بانی رکن تھے اس ساری تحریک کے عینی شاہد کی حیثیت سے آپ کے بیان کی جو اہمیت ہو سکتی ہے وہ قارئین سے مخفی نہیں۔

"اب ممبر سازی کا کام شروع ہو گیا۔ ایک دن میں ہزاروں ممبر فارم پر کرتے۔ یہ کام اتنی جلدی ہونے لگا کہ حیرت ہوتی۔ یوں محسوس ہوتا کہ لوگ اسی تحریک کے لیئے چشم براہ تھے۔ دو تین ماہ میں ممبروں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ احیاء الاسلام کے پلیٹ فارم پر جلسے شروع ہوئے سندھ کے طول و عرض میں احیاء الاسلام کی شاخیں تیزی سے قائم ہونے لگیں۔ جیکب آباد میں ایک کانفرنس بلائی گئی وہ اتنی کامیاب رہی کہ جیکب آباد والوں کے ذہن سے اس کے مناظر اب تک فراموش نہیں ہوئے۔ علماء اور مشائخ کا اتنا عروج پرور اجتماع دیکھنے میں کم آیا ہوگا۔ ضلع سکھر اور لاڑکانہ میں جماعت کے وفود نے دورے کیئے عوام کو جماعت کے اغراض و مقاصد سے روشناس کرایا گیا۔ جماعت کی طرف سے ایک اخبار جاری کیا گیا۔ اس کا نام "الجماعۃ" میں نے تجویز کیا۔ یہ اخبار مولانا صدر الدین شاہ صاحب کی ادارت میں شکارپور سے نکلتا تھا۔ اخبار کیلئے اپنا پریس خریدا گیا۔ سندھ کے کونے کونے میں پیر صاحب کی جماعت غیر مانوس نہ رہی۔ کوئی قصبہ، کوئی قریہ، کوئی خلوت کوئی جلوت ایسی نہ تھی جس میں پیر صاحب کی جماعت احیاء الاسلام کا تذکرہ نہ ہو۔ صوبہ سندھ میں کانگریس کا زور تھا مسلم لیگ نے ابھی تک صوبہ میں قدم نہ نکالے تھے مسلم لیگ کا دفتر صرف سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون تک محدود تھا۔ مسلم لیگ کو صوبہ میں متعارف کرانے کیلئے مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون اور خان بہادر

محمد ایوب کھوڑو نے کراچی میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا[1]. جس میں احیار الاسلام کے صدر کی حیثیت سے آپ کو مدعو کیا گیا، اس جلسہ میں ہر خاص و عام سے مسلم لیگ کا تعارف ہوا، مقررین میں قائد اعظم محمد علی جناح، نواب زادہ لیاقت علی خان، نوابزادہ اسماعیل خان اور بہت سے اکابرین تھے اس کے بعد سندھ والوں کی زبان پہ پاکستان کا لفظ سنا جانے لگا[2]۔"

اسلامی نظام حیات کو بطور دستور العمل نافذ کرانے کی آپ کے دل میں شروع سے جو تڑپ تھی اس کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوتا رہا۔ جماعت احیار الاسلام کا قیام اسی خواہش اور آرزو کی منظم، مربوط اور نتیجہ خیز تشکل تھی۔ احیار الاسلام کے مقاصد واضح تھے۔ مگر ان کے پیچھے جو درد، سوز، تڑپ اور کسک موجود تھی اس کا معمولی اندازہ لگانے کیلئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط نقل کیا جاتا ہے۔ یہ خط آپ کی طرف سے حضرت مخدوم عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین کہوڑہ شریف (سندھ) کی خدمت میں لکھا گیا۔ اس خط میں اُن سے جماعت احیار الاسلام میں شامل ہونے اور تعاون کرنے کی درخواست کی گئی ہے یہ خط فارسی زبان میں لکھا گیا ہے خط کی زبان اور خوش خطی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے میرے سامنے اس خط کی فوٹو کاپی موجود ہے۔ یہ خط راقم کے والد گرامی حضرت شاہ مغفور القادری علیہ الرحمۃ کا تحریر کردہ ہے۔

بعالی درجت متعالی منقبت، عوالی مرتبت، مخدوم المخادیم، واجب التکریم، شریف نژاد نیک نہاد مخدوم مولوی عبدالخالق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ العلیہ ورعہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ احوال جماعت مقرون بذکرہ وحمدہ عافیت وخوشوقتی آنجانب مدعو، ترقیع خیر توقیع وارد گشت

---

[1] یہ اجلاس ۱۹۳۸ء میں منعقد ہوا۔

[2] عباد الرحمٰن : ۱۷۰

از کوائف ما فیہا مطلع ساخت، ماحصل وحقیقت مضمون "المنار" این است کہ از انجا کہ بر قوم مسلم ابر تنزل، وادبار پستی وانحطاط بحدے محیط گشتہ کہ از فرامین خدا تعالیٰ ورسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ در حق بنی نوع انسان مفید ترین اند دور افتادہ در قعر مذلت افتادہ اند۔ اندریں حالا ضروری است کہ محکمۂ شریعت بصورت مطالبات از حکومت نفاذ کردہ آید۔ کہ او تعالیٰ عزائم و نیات عباد نیکوتر میداند، جز او سزا بانچنان طور مقرر فرمودہ کہ بارہ دیگر احد ہیچ جرأت اقدام نمی تواند۔ بران در بھر چونڈی شریف بنیاد جماعت احیار الاسلام نہادہ شد تا آنکہ در مسلمانان تنظیم پیدا شود بر یک شاہراہ جمع شدہ از حکومت شریعت بل بطور مکمل منظور کنانند، بغیر ایں سلامتی ایمان و مذہب بسا مشکل، ہمیں حقیقت است کہ عرض داشتہ شد۔ کاپی اغراض و مقاصد روانہ است آنجناب را دعوت شمولیت است کہ شامل شدہ امداد فرمایند در جماعت وجہت مندان خود نشر واشاعت اغراض ومقاصد جماعت فرمایند و ممبر فرمایند فی ممبر شدن ۴ر ششماہہ مقرر است ہر کہ دہد ممبر جماعت احیار الاسلام تصور کردہ آید، چون عوام در زیر قبضۂ احیا الاسلام شدند ممبران اسمبلی را بریں شرائط پابند کردہ شود، والا اوشان استعفا کنانیدہ آید برانتخاب آیندہ ہماں ممبر کامیاب کردہ آید کہ مطالبات مسلمانان را بامداد ہر قسم منظور کنانند والسلام

عاکف باب اللہ المستعان

فقیر عبدالرحمٰن[1]

بعالی درجت متعالی منقبت، عوالی مرتبت، مخدوم المخادیم، واجب التکریم شریف نژاد نیک نہاد مخدوم مولوی عبدالخالق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ :

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

---

[1] مکتوب گرامی قلمی مملوکہ لنگر عالیہ بھر چونڈی شریف

بحمد اللہ جماعت (بھر چونڈی شریف) خوش و خرم اور ذکر و حمد خداوندی میں مشغول ہے جناب والا کی خیر و عافیت مطلوب ہے۔ گرامی نامہ سے حالات سے آگاہی ہوئی "المنار"[1] کے مضمون کی حقیقت اور خلاصہ یہ تھا کہ چونکہ مسلمان قوم پستی، تنزل اور انحطاط کے اس درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور فرامین کو یکسر بھلا دیا ہے حالانکہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور فرمودات ہی بنی نوع انسان کیلئے مفید ترین ہیں۔ اس وقت مسلمان قوم ذلت کی گہرائیوں میں بھٹک رہی ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ حکومت پر دباؤ ڈال کر اس سے محکمہ شریعت کا اجراء کرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ جو مالک حقیقی ہے وہ اپنے بندوں کے عزائم اور نیتوں کو بہتر جانتا ہے چنانچہ اس نے جزا و سزا کے قانون اس طرح مقرر فرمائے ہیں کہ دوبارہ کوئی شخص جرائم کا ارتکاب نہ کر سکے لہذا بھر چونڈی شریف میں احیاء الاسلام کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی گئی ہے تاکہ مسلمانوں میں تنظیم پیدا کر کے انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جاتے اور پھر اس کے ذریعے حکومت سے مکمل شریعت بل منظور کرایا جا سکے۔ اس کے بغیر ایمان اور مذہب کو بچانا بہت مشکل ہے۔ ہماری معروضات کا خلاصہ یہی ہے۔ جماعت کے اغراض و مقاصد کی کاپی روانہ ہے۔ جناب والا کو جماعت میں شمولیت کی دعوت پیش کی جاتی ہے کہ شامل ہو کر امداد فرمائیں۔ اپنی جماعت اور عقیدت مندوں میں ان اغراض و مقاصد کی نشر و اشاعت فرمائیں۔ اور ممبر سازی کرائیں۔ ہر ممبر کو ششماہی چار آنہ مرکزی فنڈ میں جمع کرانے ہوں گے جب عوام کی اکثریت احیاء الاسلام کے

---

[1] "المنار" سندھ کا مشہور ہفت روزہ اخبار، شروع شروع میں المنار ماہانہ رسالہ کے طور پر مسٹر عبدالرحیم کی ادارت میں نکلا ۱۹۳۳ء میں اس رسالے نے حافظ عبدالمجید کی ادارت میں ہفت روزہ اخبار کی شکل اختیار کر لی اس اخبار نے سندھ کو بمبئی سے آزاد کرانے میں بڑا کردار ادا کیا۔ "المنار" نے مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کی جماعت احیاء الاسلام کے لیئے بڑا کام کیا۔

اغراض و مقاصد سے متفق ہو جائے گی۔ تو اسمبلی کے ممبروں کو ان شرائط (شریعت بل پاس کرانے) پر مجبور کیا جائے گا اگر وہ اس پر عمل پیرا نہیں ہوں گے یا بل پاس نہیں کرا سکیں گے تو انہیں استعفیٰ دینا ہوگا اور آئندہ وہی ممبر کامیاب کرائے جائیں گے جو ہر صورت میں مسلمانوں کے مطالبات منظور کرانے کی اہلیت رکھتے ہوں"۔

والسلام

عاکف باب اللہ المستعان

فقیر عبدالرحمٰن

ان حالات میں ایک طرف مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم اتحاد، اسلامی تشخص اور دوسرے لفظوں میں اندرون سندھ مسلم لیگ کا محاذ مکمل طور پر سنبھال لیا تو دوسری طرف ہندوؤں کی تنگ نظری، تعصب اور فرقہ وارانہ ذہنیت خود مسلم لیگ کے لیئے فضا سازگار بنانے لگی اس وقت برصغیر کے ہندوؤں کی حالت کا حضرت علامہ نے بہت خوبصورت نقشہ پیش کیا ہے۔

نگہدارد برہمن کارِ خود را | نمی گوید بہ کس اسرارِ خود را
بمن گوید کہ از تسبیح بگذر | بدوش خود برد زنارِ خود را

ان پُر آشوب اور ناگفتہ بہ حالات میں اکتوبر ۱۹۳۸ء میں کراچی میں بہت بڑے پیمانے پر مسلم لیگ کے جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ اس جلسے کے اہتمام و انصرام میں سیٹھ عبداللہ ہارون، محمد ایوب کھوڑو، مولانا عبدالحامد بدایونی اور جی ایم سید پیش پیش تھے۔ اس جلسے میں مجاہد اسلام حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کو بطور خاص مدعو کیا گیا آپ سینکڑوں کی تعداد میں فقراء اور جماعت احیاء الاسلام کے کارکنوں اور عہدیداروں سمیت شامل ہوئے۔

اب حالات نے انگڑائی لی. اندرون سندھ کی فضا حضرت شیخ ثالث کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی وجہ سے پہلے ہی سازگار تھی گویا لوہا گرم تھا صرف چوٹ کی ضرورت تھی اس جلسے نے ہوا کا رُخ بدل دیا. اور بقول کیول ام ملکانی مصنف THFSINDH STORY مسلم لیگ والے ۲۹ مسلم ایم ایل اے (ممبر لیجلیٹو اسمبلی) حضرات کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے. دوسری طرف ہندوؤں نے بھی بقول پیر علی محمد راشدی تدبر اور دُور اندیشی کی بجائے پہلے سے زیادہ شوخی اور ضد و ہٹ دھرمی کا راستہ اختیار کیا.

(راهي ڏٺيون اهي ٿيئون : ۴۹۵)

خدا شرّ بر انگیزد کہ خیر ما دراں باشد. اِس شر سے خیر کا پہلو یہ نکلا کہ ۱۹۴۳ء میں سندھ اسمبلی نے پورے برّصغیر میں سب سے پہلے پاکستان کے قیام کا بل پاس کیا.

ڈاکٹر غلام علی الانہ وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد اپنی کتاب "پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصّہ" میں "حصول پاکستان کے لیئے عملی اقدام اور سندھ کا کردار" کے عنوان سے رقمطراز ہیں.

"یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز حکومت نے قائدِ اعظم کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ ہندوستان کے کسی بھی مسلم اکثریت والے صوبے کی اسمبلی سے اپنی اکثریت اور مسلم لیگ سے ہمدردی کا ثبوت دیں". انگریز حکومت کے اِس چیلنج پر بھرچونڈی شریف سندھ کے روحانی پیشوا پیر عبدالرحمٰن صاحب نے سندھ اسمبلی کے مسلمان اراکین کے اجلاس میں ان پر زور دیا کہ وہ پاکستان کی تائید میں ووٹ دیں. ۳ مارچ ۱۹۴۳ء کو سندھ اسمبلی کا اجلاس ہوا. جی ایم سیّد نے پاکستان کے قیام کے لیئے قرارداد پیش کی سیّد صاحب نے قرارداد میں کہا کہ ہندوستان کے مسلمان الگ قوم ہیں اور ایک الگ قوم کی حیثیت سے

الگ وطن کا مطالبہ کرتے ہیں. اِس قرارداد کا متن یہ ہے.

"یہ اجلاس حکومت سے سفارش کرتا ہے کہ اِس صوبے کے مسلمانوں کے جذبات اور خواہشات سے حکومتِ برطانیہ کو آگاہ کیا جائے. کہ ہندوستان کے مسلمان ایک الگ قوم ہیں جس کو الگ مذہب، فلسفہ، سماجی رسمیں، ادب، روایات اور سیاسی و اقتصادی نظریات ہیں اِس لیئے وہ حق بجانب ہیں کہ وہ ہندوؤں سے مختلف ہیں اور مسلمانوں کی اپنی جدا آزاد قومی ریاست ہو جہاں وہ ہندوستان کے اکثریتی علاقوں میں آباد ہیں. وہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسا قانون قابل قبول نہیں ہوگا جس میں مسلمانوں کو ایک مرکزی حکومت کے تحت دوسری قوم کے زیرِ اثر رکھا جائے. اِس لیئے ضروری ہے کہ ان کی اپنی الگ قومی ریاست ہو اگر مسلمانوں کو ایک مرکزی حکومت کے تحت رہنے پر مجبور کیا گیا تو اس کی جواب داری حکومت پر ہوگی اور اس کا نتیجہ خانہ جنگی ہوگا".

اِس قرارداد کی تائید معمولی ترمیم کے ساتھ شیخ عبدالمجید سندھی نے کی اِس اجلاس میں ستائیس اراکین موجود تھے جن میں سے چوبیس اراکین نے قرارداد کی حمایت کی اور تین ہندو اراکین نے مخالفت کی. ہندوستان میں واحد صوبہ سندھ ہی تھا جہاں مسلم لیگ کی وزارت قائم تھی. اور صوبہ سندھ ہی وہ واحد صوبہ تھا جس کی اسمبلی نے اکثریت سے سارے ہندوستان میں اوّل یہ قرارداد منظور کی تھی اگر صوبہ سندھ سے یہ قرارداد منظور نہ ہوتی تو حالات کچھ اور کروٹ بدلتے لیکن یہ سعادت صوبہ سندھ کو ہی نصیب ہونی تھی اِس لیئے صوبہ سندھ کو قیام پاکستان کی اِس قرارداد پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فخر رہے گا".[ح]

ح پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصہ : ۵۹، ۶۰ ڈاکٹر غلام علی الانہ : مطبوعہ کراچی

اُس وقت سندھ کے جو لیڈر قیام پاکستان کے لیئے تگ ودو کر رہے تھے ان میں قائداعظمؒ کے علاوہ سر حاجی عبداللہ ہارون، غلام حسین ہدایت اللہ، شیخ عبدالمجید سندھی غلام محمد بھرگڑی، سر شاہ نواز بھٹو، پیر الٰہی بخش، جی ایم سید، پیر علی محمد راشدی، پیر غلام مجدد سرہندی مٹیاروی، خان بہادر محمد ایوب کھوڑو، پیر عبدالستار جان اور آغا محمد ہاشم جان سرہندی سرِفہرست تھے۔

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ کے طول و عرض میں اپنی جماعت کو بجلی کی تیزی کی طرح فعال بنا دیا۔ گاؤں گاؤں، قریہ قریہ کارکن پھیل گئے اشتہارات، ہینڈ بل، جلسے، جلوس، گیت، نظمیں الغرض ساری صورتیں بروئے کار لائی جانے لگیں۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ نے آرام و سکون، خوراک و طعام سب کچھ بھلا کر رات دن ایک کر دیا۔ آپ کا ایک قدم کراچی میں ہوتا تو دوسرا جیکب آباد یا سکھر کے دور دراز دیہاتوں میں۔ چونکہ سندھ میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر صوفیا اور مشائخ کے ذریعے ہوئی ہے اس لیئے ابھی تک سندھ میں روحانی خانوادوں کے کافی اثرات موجود ہیں۔ ان خانوادوں کے اکثر حضرات روایتی رسوم و رواجوں کے اسیر، کرسی کی دوڑ کے ماہر اور اسلامی و روحانی تقاضوں سے بے خبر تھے چنانچہ ان میں ولولۂ انقلاب برپا کرنے کیلئے حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تنظیم ضروری خیال کی۔

تنظیم المشائخ

حیدرآباد کے سرہندی پیر صاحبان خصوصاً مجاہد ملّت حضرت پیر غلام مجدد سرہندی مٹیاروی کے مشورہ سے آپ نے "تنظیم المشائخ" کے نام سے سندھ کے تمام سجادہ

نشینوں کی ایک تنظیم کا اعلان کیا۔ تنظیم کا صدر دفتر حیدرآباد سندھ میں قائم کیا گیا۔ یہ تنظیم ۱۹۴۵ء کے اوائل میں آرگنائز کی گئی۔ اس کے پہلے اجلاس کیلئے نہایت خوبصورت دعوت نامے چھپوائے گئے اور سندھ کے تمام گدی نشینوں کو بھجوائے گئے یہ اجلاس اپریل ۱۹۴۶ء کو اخوند عطا محمد کے مکان واقع تلک چاڑی حیدرآباد سندھ منعقد ہوا۔ اجلاس میں سارے خانوادوں کے نمائندے تو شریک نہ ہو سکے البتہ بیشتر خانقاہوں کی نمائندگی موجود تھی۔ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مشائخ کرام کو اُن کے آباؤ اجداد کی تبلیغی کوششوں اور کارناموں سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں مسلمان قوم کی کڑی آزمائش کے دوران پاکستان کی اہمیت، افادیت اور برصغیر میں مسلم مفادات کے تحفظ کیلئے ایک آزاد مسلم مملکت کی ضرورت سے آگاہ کیا اور ان سے اپیل کی کہ آپ لوگ ہی اسلامیانِ سندھ کے حقوق کے نگہبان اور وارث ہیں آپ آگے بڑھیں اور مسلمان قوم کو ہندو کی معاشی اور سیاسی برتری سے نجات دلائیں۔

بحمد اللہ تنظیم المشائخ کا یہ اجلاس کامیاب رہا اور مشائخ کرام میں سے جو حضرات ابھی تک خاموش تماشائی بنے ہوتے تھے وہ بھی پورے جوش و خروش سے مسلم لیگ کے قافلے میں شامل ہو گئے۔

جی ایم سیّد کی مُسلم لیگ سے علیحدگی

۲۴ فروری ۱۹۴۵ء کو غلام حسین ہدایت اللہ کی مسلم لیگ وزارت کے خلاف شیخ عبدالمجید سندھی نے عدم اعتماد کی قرارداد پیش کی جو منظور ہو گئی۔ سندھ مسلم لیگ کے صدر جی ایم سید نے قائداعظم اور نواب زادہ لیاقت علی خان کو بذریعہ تار اس کی اطلاع دی۔

قائدِ اعظم نے تار ہی کے ذریعے جی ایم سیّد کو یہ جواب دیا۔

"آپ کے تار مورخہ ۲۴ فروری اور ۲۷ فروری موصول ہوئے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے خود قبول کیا ہے کہ آپ نے غیر قانونی طریقے اختیار کئے ہیں آپ غیر مناسب منصوبہ بندیوں میں شامل ہو کر دشمن کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہیں۔ آپ نے اپنے رہنما اور پارٹی سے خلاف غداری کی ہے اس اقدام سے آپ نے ہمارے مقاصد اور مسلم لیگ کی شان کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے درمیان بمبئی میں جو باتیں ہوئی تھیں ان کی خلاف ورزی ہے میرے مشوروں کو نظر انداز کیا گیا ہے اب آپ کو کسی قسم کی ہدایتیں یا مشورے دینا بالکل بے معنی ثابت ہو گا۔

(پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصّہ: ۶۷ ڈاکٹر جی الانہ)

یہ وہ منزل تھی جہاں سے مسلم لیگ اور جی ایم سیّد کے راستے الگ الگ ہو گئے چنانچہ جی ایم سیّد نے اپنا الگ گروپ بنا لیا۔

جی ایم سیّد والی نشست پر معرکہ آرائی

اوپر سے صوبائی اسمبلی کے الیکشن کا اعلان ہو گیا، مسلم لیگ نے اپنے نامزد امیدواروں کو ٹکٹیں دیں اور ہر حلقے سے اپنے اُمیدوار کھڑے کئے کانگریس کے علاوہ مولا بخش سومرو اور جی ایم سیّد نے اپنے گروپ کی طرف سے علیحدہ امیدوار کھڑے کئے سب سے اہم مقابلہ جی ایم سیّد والی نشست پر تھا جہاں سے مسلم لیگ نے قاضی محمد اکبر کو اپنا اُمیدوار نامزد کیا تھا۔ ان دنوں میں سندھ مسلم لیگ دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی خان بہادر محمد ایوب کھوڑو گروپ اور غلام حسین ہدایت اللہ گروپ۔ قائدِ اعظم نے مسٹر جی الانہ کو

الیکشن کمیٹی کا سیکرٹری مقرر کیا اور بطورِ خاص اُنہیں حکم دیا کہ مجھے جی ایم سیّد والی نشست ضرور چاہیئے کیونکہ یہ نشست بہت اہم ہے اور میں قاضی اکبر کو جو جی ایم سیّد کا مقابلہ کر رہا ہے کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر غلام علی الانہ لکھتے ہیں۔

" اس کے بعد مسلم لیگ کے کارکن نیشنل گارڈز، سندھ کی بااثر شخصیتیں جی ایم سیّد والے حلقے میں پھیل گئے ان میں پیر غلام مجدد سرہندی بھرچونڈی شریف کے بزرگ پیر عبدالرحمٰن اور ان کے صاحبزادے پیر عبدالرحیم نے قاضی محمد اکبر کی حمایت میں کام کیا ان کے علاوہ سندھ کے علماء کی ایک جماعت جس میں سیّد صدرالدین شاہ، پیر محمد حسن جان سرہندی ٹنڈو سائیں داد والے اور دیگر بزرگوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں سندھ کے دورے کیئے اور اپنے مریدوں اور خادموں کو بھی مسلم لیگ کی مدد کیلئے خطوط لکھے ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو سندھ اسمبلی کا انتخاب ہوا جس میں مسلم لیگ کو سو فی صد کامیابی حاصل ہوئی۔" (پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصہ ۷۳-۷۴، ڈاکٹر غلام علی الانا)

مولانا شرف قادری لکھتے ہیں۔

" حضرت پیر صاحب کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں کانگریس کا فسوں ٹوٹ کر رہ گیا اور پاکستان کی والہانہ محبت لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کر گئی انجمن احیاء الاسلام کی قوت و مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سندھ اسمبلی کے آٹھ ممبر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے جن میں سے پانچ وہ تھے جنہیں حضرت پیر صاحب نے احیاء الاسلام کی طرف سے کامیاب کرایا تھا آپ نے انہیں حکم دیا کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤ کیونکہ مقصد تو دین کی خدمت، ملک کی اصلاح اور اسمبلی میں ہندو عنصر کا زور توڑنا ہے۔

لہٰذا کیوں نہ ہم مسلم لیگ کو کامیاب کرائیں۔"[1]

ہندو مسلم فسادات

برصغیر کی تاریخ شاہد ہے کہ ہزاروں سال اکٹھے رہنے کے باوجود مسلمان اور ہندو اپنے تمدن تہذیب، معاشرت اور ثقافت میں ہمیشہ الگ الگ رہے نہ انہیں اکبر کا دین الٰہی ایک ملت بنا سکا اور نہ گرونانک کی تحریک صلح کلی اور بھگتی تحریک۔ مسلم مفکرین نے مسلمانوں کو ہمیشہ علیحدہ تشخص کا درس دیا۔ مسلمان بحیثیت قوم کسی ملک وطن، زبان یا نسل کی تفریق کے قائل نہ تھے۔ ان کے نزدیک دنیا بھر کے کلمہ گو ایک قوم اور دنیا بھر کے غیر مسلم دوسری قوم تھے۔

اس بات کو زیادہ تقویت ہندو کی تنگ نظری اور تعصب نے دی۔ پیر علی محمد راشدی ہندوؤں کی اس تنگ نظری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

" ۱۹۲۷ء میں لاڑکانہ میں ہندو مسلم فسادات ہوئے اس پیمانہ پر سندھ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا فساد تھا اس کے شعلے سارے سندھ میں پھیل گئے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان دیوار قائم ہو گئی ہندوؤں نے مہاسبھا تنظیم قائم کی جس کے چند اصول یہ تھے۔

۱۔ ہندو قوم کی ہندو مذہب کی بنیاد پر سنگھٹن (تنظیم)

۲۔ ہندوؤں کو ہر شعبۂ زندگی میں ترقی دلانا۔

۳۔ مسلمانوں کو کمزور، کنگال اور ذلیل رکھنا۔

---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت، ۲۴ مولانا عبدالحکیم شرف قادری مطبوعہ لاہور

۴۔ اسلام کی برائیاں بیان کر کے اس کے اثرات کو ختم کرنا۔"[1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں

" ۱۹۳۰ء کے ہندو مسلم فسادات میں بعض سنگدل ہندو مہاسبھائیوں نے مسلمانوں کے خلاف جھوٹے فوجداری کیس دائر کیے۔ ہر سرکردہ آدمی کو جیل بھجوانے کی کوششیں شروع کر دیں۔"[2]

یہ حالات پیدا ہوئے تو مسلمانوں میں سیاسی بے چینی کے ساتھ ساتھ سیاسی اتحاد اور قوت کا احساس بڑھنے لگا دوسری طرف ابھی تک سندھ بمبئی کی پریذیڈنسی کے ماتحت تھا جہاں ظاہر ہے اکثریت ہندوؤں کی تھی اب عملاً صورتحال یہ تھی کہ سندھ میں اقلیت ہونے کے باوجود بمبئی پریذیڈنسی میں اکثریت کی بنا پر ہندو اپنی سیاسی بالادستی قائم کیے ہوئے تھے معاشی اور اقتصادی طور پر انہوں نے مسلمانوں کی بڑی اکثریت کو پہلے ہی سودی قرضوں میں جکڑ رکھا تھا۔ پیر علی محمد راشدی لکھتے ہیں۔

" مسلمانوں نے دیکھا کہ سندھ کے بمبئی پریذیڈنسی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے سندھ کے ہندو بمبئی پریذیڈنسی ہندو اکثریت کا فائدہ اٹھانے لگے ہیں اور مسلمان سندھ میں اکثریت کے باوجود ان فوائد سے محروم تھے اس بناء پر سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرنے کی تحریک مسلمانوں کی طرف سے شروع ہوئی تو ہندوؤں نے اس کی زبردست مخالفت کی اس سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ بمبئی سے سندھ کا تعلق ان کے لیے شدید نقصان کا موجب ہے اور ان کی نجات کا راز اسی میں ہے کہ سندھ کو بمبئی پریذیڈنسی سے الگ کر کے مستقل صوبہ بنایا جائے۔"[3]

---

[1] اھی ڈیفن اھی شیئفن ۱۴۱-۱۴۲ پیر علی محمد راشدی [3] اھی ڈیفن اھی شیئفن ۱۰۴

[2] " " " ۴۹۲

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ نے سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرانے
کی تحریک میں زبردست حصہ لیا۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرنے کے سلسلے میں تین بڑی کانفرنسیں[1]
ہوئیں۔ ایک کراچی میں شیخ عبدالمجید کی صدارت میں دوسری حیدرآباد میں علامہ یوسف علی کی
صدارت میں اور تیسری کراچی میں سر غلام حسین ہدایت اللہ کی صدارت میں۔ آپ نے کراچی کی
دونوں کانفرنسوں میں شرکت فرمائی۔

ہندو جو آپ کی تبلیغی سرگرمیوں سے پہلے ہی نالاں تھے بمبئی سے سندھ کی
علیحدگی کی تحریک میں پیر صاحب کی قیادت اور جدوجہد دیکھ کر بھنا اُٹھے۔ مگر اللہ کا یہ
مقبول بندہ بلا خوف اپنے راستے پر سرگرم سفر رہا۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش حق نے جس کو دیئے تھے انداز خسروانہ

اس جدوجہد کے نتیجے میں سندھ نے ۱۹۳۷ء میں بمبئی پریذیڈنسی سے الگ ہو کر
مستقل صوبے کی حیثیت اختیار کی اور یوں ہندوؤں کی سیاسی بالادستی کا خاتمہ ہوا۔ مگر
ہندوؤں کے دل میں حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف عداوت کی آگ مزید تیز ہو گئی۔

مجاہد ملت حضرت پیر عبدالرحیم شہید پر ہندوؤں کا قاتلانہ حملہ

انہی دنوں ریٹی (تحصیل اوباڑہ کا ایک قصبہ) کے مشہور خوش گلو کنور رام (جسے
ہندو احترام کی بنا پر بھگت کنور رام کہتے تھے) کی بھتیجی مسلمان ہو گئی اس پر سندھ کے تمام
ہندو محاذ بنا کر حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کے مقابلے پر کمربستہ ہو گئے۔ لاکھوں روپے چندہ

[1] سندھ جو سید: امین الملت محمد امین خان کھوسہ ۴۴

کیا گیا جو عرصے سے دلوں میں موجود آگ یکایک بھڑک اٹھی اس واقعے کو بنیاد بنا کر حضرت
شیخ ثالث علیہ الرحمۃ پر مقدمہ دائر کیا گیا۔ حکومت برطانیہ کے قانون کے تحت حکومت کی
اجازت کے بغیر کسی کو مسلمان کرنا بالخصوص ۱۸ سال سے کم عمر لڑکے اور ۱۶ سال سے کم عمر
لڑکی کو کلمہ پڑھانا ناقابل معافی جرم تھا چونکہ بھرچونڈی شریف کے ماحول میں اللہ اور
اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی کی حاکمیت ماننے کا کوئی تصور ہی اب تک موجود
نہیں ہے اس لیے یہاں انگریز کے پورے دورِ حکومت میں بلا امتیاز لوگ کلمہ پڑھ کر دائرہ
اسلام میں داخل ہوتے رہے۔

عدالت نے آپ کو بلایا مقررہ تاریخ پر پانچ سو سے زیادہ فقراء کی جماعت کے
ہمراہ لا الٰہ الا اللہ کی ضربیں لگاتے ہوئے یہ سلطان خانقہ عدالت میں پہنچا تو عدالت نے
فقرا کے تیور بھانپ کر مزید بدامنی سے بچنے کی خاطر آپ کو کچھ کہے سنے بغیر واپس کر دیا۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں مجاہد ملت حضرت پیر عبدالرحیم شہید اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلے
میں سکھر گئے۔ آپ مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے
تحریک پاکستان اور دوسرے قومی و ملی امور میں ان کے دست و بازو اور جماعت بھرچونڈی
شریف کے بے خوف اور نڈر قائد تھے۔ آپ صاحب علم و فضل، پابند صوم و صلوٰۃ اور کئی دیگر
خوبیوں کے مالک تھے۔ سکھر کے ایک بازار سے آپ نے سودا سلف خریدا۔ آپ کے ہمراہ
آپ کے ماموں میاں محمد اسمٰعیل مرحوم تھے۔ آپ سودا سلف لے کر باہر نکلے تو ہندو غنڈوں
نے جو پہلے سے منصوبہ بندی کے تحت تیار بیٹھے تھے ایک آدمی آپ کے پاس بھجوایا کہ خرید
فروخت کے حساب میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے سیٹھ (ہندو) کہتا ہے کہ ایک منٹ کیلئے تشریف
لائیں تاکہ حساب کی فہمید کر لیں۔ آپ نے سامان کی نگرانی کیلئے میاں محمد اسمٰعیل کو وہیں چھوڑا اور

میں ابھی آتا ہوں کہہ کر ہندو ملازم کے ساتھ چل پڑے۔ منصوبے کے تحت بلا کر لے جانے والے آدمی نے کہا حضرت بازار کے راستے سے چکر پڑے گا یہ کوچہ سیدھا وہاں جا نکلے گا آپ اس کوچے میں ہو لیے درمیان میں پہنچے تو آٹھ دس ہندو نوجوانوں نے دونوں طرف سے آپ پر برچھیوں اور چاقوؤں سے حملہ کر دیا۔ آپ تین چار نوجوانوں سے زیادہ طاقتور تھے۔ کسرتی جسم کے مالک تھے ایک دفعہ انہوں نے قابو کر لیا۔ سینے بازو اور سر پر گہرے زخم آئے سارا بدن خون میں نہا گیا مگر آپ نے ہمت سے جھٹکا دیا تو اٹھ کھڑے ہوتے اور یکہ و تنہا چاقوؤں، برچھیوں کا مقابلہ کرتے زخم سہتے بازوں پر روکتے کوچے سے بڑی سڑک پہ آگئے وہاں ایک مسلمان تانگے والا کھڑا تھا اس نے دیکھا تو شور مچاتے ہوئے فوراً آپ کی مدد کیلئے لپکا لمحے میں ہزاروں مسلمان اکٹھے ہو گئے یہ خبر پورے سکھر میں فوراً اچھل گئی حضرت پیر شہید کا پورا جسم شدید زخمی تھا خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا مگر آپ کے ہوش و حواس پوری طرح قائم تھے۔ اتنے میں پولیس اور ہندو لیڈر اکٹھے ہو گئے اور آپ سے تھانہ چل کر پولیس کارروائی کرنے پر زور دینے لگے۔ آپ نے کسی قسم کی پولیس کارروائی سے انکار کیا۔ زخموں کی ضروری مرہم پٹی کے بعد خون بہاتے انہی خون آلود کپڑوں میں بھر چونڈی شریف پہنچے تاکہ خدائی حکومت کے اس مرکز میں اپنی رپٹ درج کرائیں۔

ہندو ذہنیت کے تعصب اور واقعات کو مسخ کرنے کی روایت تو بہت پرانی ہے مگر ماضی قریب میں ہونے والا یہ واقعہ جس کے ابھی تک سینکڑوں گواہ موجود ہیں جو اس وقت پورے سندھ کے پریس میں آیا اب ایک ہندو مصنف سے نہایت عجیب شکل میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ یہ گھوڑے کو گدھا، سردی کو گرمی اور دن کو رات قرار دینے اور حقائق کے منہ میں دھول جھونکنے کی ایک ایسی ناپاک جسارت ہے جسے ہندو ذہن ہی اختراع

کر سکتا ہے۔

مشہور بھارتی مصنف کیول رام ملکانی اپنی کتاب The Story of Sindh میں لکھتے ہیں۔

"On I November 1939 Bhagat Kanwar Ram The wellknown Singer Saint of Sindh was Cunned Down at RUK Railway Station and No Body was arrested. When Pamnani, MLA said that the Pir of Bhar Chundi Had Got Khanwar Ram Killed (EARLIER The Pirs' Son had been Beaten for Kidnapping Hindu Girls) He too was Gunned Down".

یکم نومبر ۱۹۳۹ء کو مشہور گلوکار بھگت کنور رام ریلوے اسٹیشن رک پہ بندوق کا نشانہ بن گیا اور کوئی شخص گرفتار نہیں ہوا۔ جب پمنانی ایم ایل اے نے کہا کہ کنور رام کو پیر بھر چونڈی نے قتل کرایا ہے (اس سے کچھ عرصہ پہلے ہندو لڑکیوں کے اغوا کی بنا پر پیر صاحب کے صاحبزادے کو مارا پیٹا گیا تھا) تو وہ بھی گولی کا نشانہ بن گیا۔

یہ ایک ایسا نیا انکشاف ہے جس کا تانا بانا ملکانی صاحب کے ذہن نے ہی بُنا ہے پورے ملک میں سیاسی طوفان آیا ہوا ہے۔ سندھ قتل و خون کی آماجگاہ بنا ہوا ہے پیر صاحب بھر چونڈی شریف مسلمان قیادت کی صف اول کے قائدین میں سے ہیں۔ ان کے صاحبزادے پیر عبدالرحیم شہید ساری تحریک کی کمان کر رہے ہیں۔ آپ کی عمر اس وقت ۳۵ سال سے اوپر ہے آپ کی دوراندیشی، بالغ نظری اور اسلام اور ملت اسلامیہ کی دردمندی اور بہی خواہی کا تذکرہ اپنے پرائے سب کی زبان پر ہے مگر تقریباً پچاس سال بعد ایک ہندو مصنف ایجاد بندہ گرچہ گندہ کے مطابق حضرت پیر شہید کی کردار کشی کی بنیاد ڈالتے

ہیں معروف ہے صوبہ سندھ کی اس زمانے کی پولیس فائلیں آج بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ پیر عبدالرحیم شہید کے خلاف اس قسم کی کوئی رپٹ یا خط موجود نہیں ہے اور نہ ہی ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا البتہ بھرچونڈی شریف میں کلمہ توحید پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے تمام افراد کے بارے میں ہندو پروپیگنڈہ یہی ہوتا تھا کہ انہیں اغوا کر لیا گیا۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

کچھ عرصہ بعد سندھ کے چیدہ چیدہ ہندو لیڈروں کا ایک وفد حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بمخصوص ہندوانہ ذہن کے مطابق اسے چند شرارتی لڑکوں کی بدمعاشی قرار دے کر معافی کا خواستگار ہوا۔ نیز قانونی اقدام اٹھانے کی صورت میں یہ لڑکے بارے حکومت کے حوالے کرنے کی پیشکش کی مگر حضرت شیخ ثالث نے یہ کہہ کر ان کی باتیں رد کر دیں کہ ہم یہ تکلیفیں اسلام کی خاطر اٹھا رہے ہیں اپنا دکھڑا یا درد غیر مسلم حکومت (انگریز) کے پاس لے جائیں یہ ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی۔ ہم نے اپنا استغاثہ اپنے مالک و مولیٰ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا ہے چنانچہ آپ نے کوئی قانونی یا انتقامی کارروائی نہیں کی۔

سندھ کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے صاحبان اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیسویں صدی کے اوائل ہی سے یہاں ہندو مسلم فسادات کا آغاز ہو گیا تھا یوں تو ہندو مسلم کشمکش کی تاریخ اتنی پرانی ہے جتنے خود یہ مذاہب۔ تاہم قومی سطح پر منظم انداز میں اس کشمکش کی تاریخ تقریباً ایک صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔ برصغیر میں رہنے والی تمام اقوام کو ایک قوم قرار دینا اور عارفانہ تجاہل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں اپنے اپنے مذہب اور تہذیب و تمدن کو چھوڑ کر ایک رنگ ڈھنگ اختیار کرنے کی تحریکیں چلانا تاریخی حقائق

اور واقعات کو جھٹلانے والی بات ہے۔

مسٹر کیول رام ملکانی نے شعوری طور پر سندھ میں مسلمانوں کے مفادات کی نگران خانقاہ "بھرچونڈی شریف" کے کردار کو داغدار کرنے کی لاحاصل کوشش کی ہے ورنہ ملکانی صاحب ایسا سندھی مورخ ایک صدی پر پھیلی ہوئی ہندو مسلم فسادات کی تاریخ سے بخوبی آگاہ ہے۔ انہیں اچھی طرح علم ہے کہ سکھر میں پہلا ہندو مسلم فساد انیسویں صدی کے آخر میں عاشورہ کے دنوں میں ہوا۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ سندھ میں ہندو مسلم اتحاد ۱۹۲۴ء میں ختم ہو گیا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوؤں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کی تھیں اور انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر سوقیانہ حملے شروع کر دیئے تھے۔ غالباً انہی حالات سے متاثر ہو کر مولانا دین محمد وفائی نے ۱۹۲۳ء میں کراچی سے ماہنامہ "توحید" اور محمد ہاشم مخلص نے میرپور خاص سے "مسلمان" کا اجرا کیا۔ اسی طرح دوسرے دردمند مسلمانوں نے اس مقصد کیلئے کئی اخبار مثلاً "مرغ"، "فلک" "طیر ابابیل" "تنظیم" "الراشد" اور "دعوتِ اسلام" وغیرہ کے نام سے نکالے۔ اس محاذ پر مولوی نور محمد نظامانی، مولانا حکیم محمد صادق، مولانا دین محمد وفائی، مولانا حکیم فتح محمد سیوہانی اور شیخ عبدالمجید سندھی وغیرہ ڈٹ گئے ۱۹۲۵ء میں سکھر میں مجلس "اتحادِ ملت" کا قیام بھی اسی جذبے کا آئینہ دار تھا۔

سندھ کو بمبئی سے آزاد کرانے کی تحریک چلی تو شروع میں ہندوؤں کی اکثریت نے اس کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء میں سندھ ہندو کانفرنس نے اس آزادی کے خلاف سخت اعتراضات اٹھائے اور ایجی ٹیشن شروع کی۔ لندن میں اس مقصد کیلئے باقاعدہ ایک آفس قائم کیا گیا جس کے تمام اخراجات "سندھ مہا سبھا" نے

برداشت کیئے۔

ڈاکٹر گر بخشانی نے حکومتِ برطانیہ کو خوفزدہ کرتے ہوئے کہا سندھی، بلوچ پٹھان اور ایرانی مل کر ہندوستان پر حملہ کرنے والے ہیں چنانچہ متوقع حالات سے نمٹنے کیلئے ہندوؤں نے رضاکار بھرتی کرنے شروع کر دیئے۔ تمام مسلمان صحافیوں نے اس غلط پروپیگنڈے کی اچھی طرح قلعی کھول دی۔ شیخ عبدالمجید نے "الوحید" پیر علی محمد راشدی نے "ستارۂ سندھ" حافظ عبدالحمید نے "المنار" ڈاکٹر یامین نے "دعوتِ اسلام" آغا نظر علی نے "سندھ زمیندار" اور پیر حسام الدین راشدی نے ستارۂ سندھ کے مخصوص کالم "ملا کٹر" میں بڑی پامردی اور بے جگری سے مسلمانوں کا دفاع کیا۔

"خود مسجد منزل گاہ سکھر" کا واقعہ کسی فوری یا ہنگامی ردِ عمل کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اس طویل کشمکش اور مذہبی و ثقافتی طور پر "بُعد المشرقین" طرزِ حیات کا لازمی نتیجہ اور کرشمہ تھا۔

سندھ میں بھرچونڈی شریف اور اس کی ذیلی خانقاہیں اور خلفاء شروع ہی سے مسلمانوں کے علیحدہ تشخص، ان کے مفادات کے تحفظ اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے سرگرم عمل تھے یہی وجہ ہے کہ جب ہندو مسلم کشمکش نقطۂ عروج پر پہنچی تو ہندوؤں کی طرف سے پہلا نشانہ بھی یہی خانقاہ ٹھہری۔

باگڑجی ریلوے اسٹیشن پہ بھرچونڈی شریف کے نامور خلیفہ اور سندھ میں انگریزی استعمار کی بنیاد ہلانے والی شخصیت ابوالحسن مولانا سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ پہ ہندوؤں نے قاتلانہ حملہ کیا۔[1] بعد میں موقع ملنے پہ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

[1] "تاریخ سکھر سندھی ۳۹۱ مصنفہ مولائی شیدائی۔

کے بڑے صاحبزادے مجاہدِ ملت حضرت پیر عبدالرحیم شہید رحمۃ اللہ علیہ پہ سکھر میں قاتلانہ حملہ ہوا۔ سندھ کے نامور مؤرخ اور صحافی جناب رحیم داد خاں مولائی شیدائی اپنی کتاب "تاریخ سکھر" میں لکھتے ہیں۔

"ہندوؤں نے سکھر شہر کے عین درمیان پیر صاحب بھرچونڈی شریف کے بڑے فرزند کو بے گناہ ضربات لگا کر زخمی کیا"۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت پیر شہید پہ قاتلانہ حملے کے اسباب وہ وجوہ ہی تھے جو مولانا سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ پر حملے کے تھے اور وہ اسباب تھے ان بزرگوں کی اسلام سے والہانہ محبت! اور اس کی سربلندی کے لیئے کوششیں۔

کنور رام اور ہاسا رام پمنانی ایم ایل اے کا قتل

انہی پُر آشوب حالات میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو ہندوؤں کے مشہور روحانی پیشوا اور صوفیانہ کلام کے اعلیٰ درجے کے گلوکار کنور رام کا قتل ہو گیا۔ یہ شخص اپنی خوش گلوئی کی وجہ سے پورے سندھ میں مشہور تھا اس کے ساتھ ہندو عوام کا عقیدت و محبت کا رشتہ قائم تھا بلا کی رسیلی آواز پائی تھی۔ بڑے بڑے میلوں ٹھیلوں میں رات گئے پاؤں میں گھنگھرو باندھ کر راگ شروع کرتا تو سماں بندھ جاتا۔ مجمع اس کی مٹھی میں ہوتا جو چاہتا منوا لیتا۔ اس بار بھی یہ پیر صاحب کی طاقت کو کچلنے کیلئے لاڑکانہ سے چندہ وصول کر کے آرہا تھا کہ رک ریلوے اسٹیشن پر بندوق کے فائر سے مارا گیا۔ سندھ کے ہندوؤں نے کئی دن تک اس کا سوگ منایا۔ اور اسے اپنا قومی سانحہ قرار دیا۔ ہندوؤں کا یہ داغ ابھی خشک نہیں ہوا تھا کہ ۷ جولائی ۱۹۴۰ء کو ان کا مشہور قومی کارکن اور روہڑی سے

ایم ایل اے ہاسارام پمنانی بھی روہڑی اسٹیشن کے قریب مارا گیا۔ چند روز پہلے مسٹر ہاسا رام پمنانی نے اسمبلی میں بہت سخت تقریر کی تھی جس میں ہندوؤں کو جوش و جذبہ دلانے کے ساتھ ساتھ کھلم کھلا حضرت پیر عبدالرحمٰن کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تھا۔

مسٹر کیول رام ملکانی نے اپنی کتاب میں اس دور کے مسلمانوں پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ اس وقت ان کے ہاں یہ نعرہ چل رہا تھا "ایک ہندو کا قتل سات حج کے ثواب کے برابر ہے"[1]

اس بات میں کوئی صداقت نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ تمام مسلم زعما اپنی قوم کو تحمل بردباری اور صبر کی تلقین کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کی خاطر کتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ کیسے کیسے دکھ سہے۔ مگر انتقامی کارروائی کے بارے میں انہوں نے کبھی نہیں سوچا۔ اگر مسلم زعما خود اپنی قوم کو ہندو کشی کا اشارہ دیتے تو سندھ میں ایک بھی ہندو صحیح سالم نہ بچتا کیونکہ یہاں ہندو واضح اقلیت میں تھے البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان فسادات میں ہزاروں لوگ قتل ہوئے اور کروڑوں کی جائیدادیں تباہ ہوگئیں۔

مسجد منزل گاہ سکھر کا مسئلہ

قدرت کے ہر کام میں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں سندھ کی سرزمین پر بظاہر ایک سے ایک واقعہ جلتی پر تیل کا کام کر رہا تھا۔ کشت و خون اور جلاؤ گھیراؤ کا ایک طوفان برپا تھا مگر اس کے اندر قومی تشخص، اسلامی نظریۂ حیات اور مسلمانوں کے ملی شعور کا جذبہ دن بدن

[1] THE SINDH STORY ۱۲۱

پروان چڑھ رہا تھا۔ بعد میں یہی جذبہ پاکستان کی بنیاد اور اساس بنا۔

اسی طوفانی دور میں ۱۹۳۹ء اچانک مسجد منزل گاہ سکھر کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مسجد منزل گاہ سکھر شہر میں سادھ بیلہ کے سامنے دریائے سندھ کے کنارے پر ایک تاریخی یادگار ہے جسے مغل شہنشاہ اکبر اعظم کے دور میں نواب محمد دریائی نے مسافروں کی عبادت اور آرام کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ مسجد کے سامنے ایک وسیع میدان اور کنواں بھی موجود تھا نشانات سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کسی زمانے میں ایک بڑا باغ تھا۔ پایۂ تخت دہلی سے جب کوئی فوج سندھ میں آتی تو اسی میدان میں منزل انداز ہوتی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام منزل گاہ پڑ گیا۔ مسجد کے برابر ہندوؤں کا مندر تھا۔ مسجد پر ہندوؤں نے قبضہ کر کے اسے مسافر خانے کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ سکھر کے مسلمانوں نے حکومت بمبئی سے بارہا اپیلیں کی تھیں کہ یہ مسجد مسلمانوں کو دلائی جائے۔

سیاسی کھلاڑیوں نے موقع غنیمت جانا۔ خان بہادر محمد ایوب کھوڑو اور جی ایم سید وغیرہ نے مسجد ہندوؤں کے قبضے میں کا نعرہ لگایا۔ مقصد یہ تھا کہ اس بہانے خان بہادر اللہ بخش سومرو کو وزارت عظمٰی سے ہٹایا جائے۔ سندھ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے اس مسئلے کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی جس کا صدر خان بہادر محمد ایوب کھوڑو کو مقرر کیا گیا۔ کھوڑو صاحب کی صدارت میں یہ فیصلے کیے گئے۔

۱۔ موجودہ وزارت کی مسجد کے خلاف پالیسی پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔

۲۔ سندھ اسمبلی کے مسلمان اراکین سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ حکومت پر دباؤ ڈال کر یہ مسجد مسلمانوں کو دلائیں۔ اگر وزارت ایسا نہ کرے تو تمام اراکین وزارت کا ساتھ چھوڑ کر اس کو ختم کر دیں۔

٣. سندھ کے مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنے نمائندوں پر یہ واضح کر دیں کہ اگر وہ مسجد منزل گاہ کمیٹی کے فیصلوں پر عمل نہیں کر سکیں گے تو آئندہ ان کو منتخب نہیں کیا جائے گا۔

٤. ١٨ اگست کو مسجد منزل گاہ کا دن مقرر کیا گیا اس دن سندھ کے تمام شہروں، قصبوں اور گاؤں میں جلسے کر کے موجودہ وزارت پر رنج والم کا اظہار کیا جائے اور مسلمان اراکین سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ موجودہ وزارت کا ساتھ چھوڑ دیں۔

٥. اگر وزارت نے مسلمانوں کے مطالبات منظور نہ کئے تو آل انڈیا مسلم لیگ کو مسجد منزل گاہ حاصل کرنے کیلئے پہلی اکتوبر کو رضاکارانہ گرفتاریاں پیش کرنے کو کہا جائے گا۔ مسجد منزل گاہ کمیٹی کے سیکرٹری کو ہدایت کی گئی ہے کہ ٢٧ اگست کو سکھر میں کمیٹی کی میٹنگ بلائے اور کم از کم پانچ ہزار رضاکار بھرتی کرنے کا کام شروع کرے احتجاج کرنے کیلئے دس ہزار روپے جمع کیے جائیں جو حضرات رضاکار بننا چاہیں یا فنڈ میں رقم دینا چاہیں وہ آغا نظر علی سیکرٹری مسجد منزل گاہ کمیٹی یا خان بہادر کھوڑو سے خط و کتابت کریں۔ (پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصہ ٥٥-٥٦ ڈاکٹر غلام علی الانہ)

منزل گاہ تحریک اٹھانے والوں کی بات میں کشش تھی چنانچہ اس صدا پر شاہ و گدا اپل پڑے۔ مجاہد اسلام حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمتہ ایسے موقعوں پر کب خاموش بیٹھنے والے تھے آپ نے اپنی جماعت فقراء میں اعلان کرایا کہ ہر شخص مسجد کے لیئے ایجی ٹیشن میں شامل ہو۔ آپ ہزاروں کی تعداد میں مجاہد فقراء کا لشکر لے کر سکھر میں داخل ہوئے اور عیدگاہ سکھر میں اپنا کیمپ لگایا۔

٢٧ اگست ١٩٣٩ء کو سکھر میں میٹنگ ہوئی جس میں ایک کمیٹی بنائی گئی حکومت

لکھا گیا کہ اگر اس مسئلے پر کوئی قدم نہ اٹھایا گیا تو احتجاج کیلئے مسلمان مجبور ہو جائیں گے سر حاجی عبداللہ ہارون کو سکھر میں رہ کر تحریک کو آگے بڑھانے کا کام سپرد کیا گیا تحریک کا کام آگے بڑھا اور مسلمانوں میں اشتعال بڑھا تو اللہ بخش سومرو وزیر اعلیٰ سندھ نے حاجی عبداللہ ہارون کو سکھر چھوڑنے کا حکم دیا۔ خان بہادر ایوب کھوڑو کو اپنے گھر میں نظر بند کر دیا گیا اور عام کارکنوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع ہو گئیں مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ کی جماعت مریدین کے ایک ہزار سے زیادہ افراد گرفتار ہوتے۔ حاجی عبداللہ ہارون کے سکھر چھوڑنے کے بعد جی ایم سید نے سندھ مسلم لیگ کے رہنما کی حیثیت سے تحریک کو جاری رکھا۔ یکم اکتوبر ١٩٣٩ء کو رضاکاروں نے بھوک ہڑتال شروع کی ادھر حکومت نے مسجد خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ پولیس نے آنسو گیس استعمال کی اور پہلے دستے کے طور پر ٣١٣ رضاکار گرفتار کر لیئے۔ ایک دستہ گرفتار ہوتا دوسرا دستہ فوراً اس کی جگہ لے لیتا۔ تین دنوں میں تقریباً ایک ہزار سے زیادہ آدمی گرفتار ہوئے۔ (نئیں سندھ لاءِ جدوجہد حصہ اوّل ٥٧، ٥٨ جی ایم سید)

جی ایم سید اپنی کتاب "جنب گذاریم جن سیں" میں لکھتے ہیں۔

"پیر صاحب اور ان کے ہزاروں مریدوں نے مسجد منزل گاہ کی ستیہ گرہ اور ہلچل میں حصہ لیا۔ آپ کا سلسلہ قادریہ تھا۔ آپ کے مرید ہُو ہُو کا ذکر کرتے ہوئے وجد میں آجاتے۔ مسجد منزل گاہ کی تحریک کے دوران یہ نظارے اکثر دیکھنے میں آتے۔

(جنب گذاریم جن سیں : ٢٣)

اللہ بخش وزارت نے جی ایم سید، آغا نظر علی، ڈاکٹر یاسین، نعمت اللہ قریشی، شیخ واجد علی، قاضی فضل اللہ، آغا غلام نبی پٹھان، پیر غلام مجدد سرہندی، سید صادق علی شاہ

اور شیخ اختر علی نشکارپوری کو جیل بھیج دیا۔ مجاہد اعظم حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے
مردانہ وار مسجد کا قبضہ حکومت سے حاصل کر لیا۔ وقتی طور پر اللہ بخش حکومت خاموش ہو
گئی اور اچانک ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو تمام قیدی رہا کر دیئے گئے اور مسجد سے پولیس واپس
چلی گئی۔ ایک ماہ کے قریب مسجد مسلمانوں کے قبضہ میں رہی مگر بھرچونڈی شریف کے سینکڑوں
مجاہد فقرا گھر بار چھوڑ کر مسجد کی حفاظت کیلئے سر بکف پہرہ دیتے رہے۔

مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا خیال کر کے اچانک اللہ بخش حکومت نے غیر قانونی
قبضہ دان کے خیال میں ختم کرانے کیلئے پوری طاقت جھونک دی۔ پولیس جوتوں سمیت مسجد میں
گھس گئی۔ لاٹھی چارج میں بے شمار فقرا زخمی ہوئے۔ آنسو گیس بے تحاشا پھینکی گئی۔ آپ کی
جماعت کے درویش آدم فقیر مؤذن کی آنکھیں اس آنسو گیس سے ایسی خراب ہوئیں کہ بالآخر
بصارت سے محروم ہو گئے۔

اللہ بخش وزارت نے اسے اپنی آن کا مسئلہ بنایا تو سندھ کے ہندو خم ٹھونک کر
اس کی پشت پر آ گئے۔ دی سندھ سٹوری کے مصنف کیول رام ملکانی کا کہنا ہے کہ۔

"خان بہادر اللہ بخش سومرو نے پہلے افسروں کا ایک وفد بھیجا تاکہ وہ تحقیق سے معلوم
کریں کہ یہ مسجد ہے یا نہیں۔ اس وفد نے واپس آ کر رپورٹ دی کہ عمارت کی اصل بنیادیں
مل گئی ہیں اس میں محراب کا اضافہ بعد میں کیا گیا ہے مگر مسلم لیگ والوں نے یہ بات نہ مانی
اور ۳ اکتوبر سے ۲۰ نومبر ۱۹۳۹ء تک مسجد کیلئے زبردست تحریک چلائی گئی۔ یہ تحریک
جی ایم سید، کھوڑو اور حاجی عبداللہ ہارون کی سرکردگی میں چلی"۔

THE SINDH STORY : 121

اندازہ کیا جاتا ہے کہ مسجد پر دوبارہ قبضہ اسی رپورٹ کی بنا پر کیا گیا۔ خان بہادر

اللہ بخش سومرو کا اندازہ غلط ثابت ہوا اور حکومت کی اس سختی نے جلتی پہ تیل کا کام کیا۔
مسجد کے گرد لگائی گئی خاردار باڑھ جس میں بجلی کی رو چھوڑی گئی تھی، فقراء کے ایک نعرۂ
مستانہ کی تاب بھی نہ لا سکی۔ بالآخر حکومت نے اپنی عزت خاک میں ملتی دیکھ کر ایک اور بڑا
تحقیقاتی بورڈ قائم کرنے کا اعلان کیا۔ اس کا سربراہ عدلیہ کا ایک جج مقرر ہوا۔ اس بورڈ
نے انتہائی باریک بینی، معتبر شہادتوں، عمارت کی داخلی علامتوں اور ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم کے
تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں اس عمارت کو باقاعدہ قدیم مسجد قرار دیا۔ اور یوں مسجد مسلمانوں
کے حوالے کی گئی۔

واضح رہے کہ شروع میں جن لوگوں نے اس مسئلے کو ہوا دی اور اٹھایا وہ اپنے
سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے بعد اس سے الگ تھلگ ہو گئے مگر مجاہد اسلام حضرت پیر
عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ یوم فتح تک اکیلے یہ جوکھی لڑائی لڑتے رہے اور بالآخر مسجد
حاصل کر کے رہے۔

جلیل آساں نہیں آباد کرنا گھر محبت کا
یہ اُن کا کام ہے جو زندگی برباد کرتے ہیں

پسِ دیوارِ زنداں

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ہندو مسلم فسادات اور مسجد منزل گاہ کی تحریک میں حکومت اور ہندو اقلیت کو جو
ذلت اٹھانا پڑی وہ آسانی سے ہضم ہونے والی نہیں تھی۔ اب اللہ بخش وزارت ختم ہو چکی

تھی . اس کی جگہ ایک مسلم لیگی نے وزارت اعلیٰ کا قلمدان سنبھالا تھا. مگر حکومتیں آخر حکومتیں ہوتی ہیں حکومتوں کی آنکھ ہمیشہ ماتھے پہ ہوتی ہے اور بقول شورش کاشمیری اپنی مجبوری اور ضرورت کے وقت حکومتیں کنواری لڑکیوں کی معصومیت اور حیا کا لبادہ اوڑھ لیتی ہیں جبکہ مصلحت کی خاطر یہی حکومتیں فرعون اور دجال کو بھی پیچھے چھوڑ جاتی ہیں .

حضرت شیخ علیہ الرحمتہ کو گرفتار کرنے کے منصوبے بننے لگے . سندھ کے اس واحد بلند پایہ لیڈر اور مجاہد کو عام حالات میں پیر جھنڈو شریف سے گرفتار کرنا مسجد منزل گاہ سے بھی بڑے فساد اور خون خرابے کا باعث بن سکتا تھا . چنانچہ ستمبر ۱۹۴۰ کو آپ کو کسی بڑے افسر سے ملاقات کی خاطر سکھر بلایا گیا . گاڑی روہڑی اسٹیشن پر پہنچی تو طے شدہ منصوبہ کے مطابق فوراً آپ کے ڈبے پر بہت بڑا آہنی جال ڈال کر اسے دوسری گاڑی سے الگ کر لیا گیا . سکھر سے آپ کو کراچی لے جا کر جیل میں نظر بند کر دیا گیا . جیل میں بظاہر آپ کے ساتھ بہت اعزاز اور احترام کا سلوک روا رکھا گیا اے کلاس دی گئی . خلیفہ فتح محمد فقیر بطور خدمتگار ساتھ رہا . آپ کراچی جیل میں تقریباً سات ماہ نظر بند رہے .

بجلی کی زد میں آتے ہیں پہلے وہی طیور
جو اس چمن سرا میں بلند آشیاں رہے

مصنف عباد الرحمٰن لکھتے ہیں

کراچی کی جیل زیارت گاہِ خلائق بن گئی . لوگ دور دور سے کشاں کشاں آنے لگے . زائرین کی تعداد روزانہ چار یا پانچ سو سے کم نہ ہوتی . اب اللہ بخش وزارت ختم ہو چکی تھی کرسیٔ وزارت پہ میر بندہ علی تالپور متمکن تھے . زائرین کیلئے اجازت نامے پر خود وزیر اعظم کے دستخط ضروری قرار دیئے گئے . میر بندہ علی کی کوٹھی پر زائرین شیخ کا میلہ لگا رہتا . لوگ اجازت نامے پر دستخط کرانے کیلئے صبح و شام میر صاحب کی کوٹھی کا طواف کرتے رہتے مولوی مسافر خانہ

اور اس کے قریب چھوٹی مسجد اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھے بقرار شب ورد و قرآن خوانی اور ذکر ربانی میں محو ہوتے . معلوم یہ ہوتا تھا کہ اگر شیخ نے تکمیل مدارج کے لیئے جیل کا انتخاب کیا ہے تو سالکوں نے بھی اپنے کاروبار تج کر مولوی مسافر خانے کی چار دیواری کو اپنے اربعینوں کیلئے منتخب کر لیا ہے . زیارت جیل کے بڑے دروازے کے بالائی کمرے میں ہوتی . ملاقات کے وقت ایک جیلر جو انگریز تھا اور اس کا نائب جو مسلمان اور حضرت شیخ کی بیعت سے سرفراز ہو چکا تھا ضرور موجود رہتے .

ایک دفعہ آپ نے اس فقیر (حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمتہ) سے دوران زیارت فرمایا . لوگ تو جیل کی چار دیواری کو منحوس اور نحوم سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک یہ بہت بابرکت جگہ ہے اس لیئے کہ خدا کا تصور جو تمام عبادات کا سرچشمہ ہے یہاں نمایاں ہو کر دلوں میں گھر بناتا ہے".

اب تمام جیل والے چور اچکے ، بدمعاش ، ڈاکو شرفِ صحبت سے مشرف ہو کر عبادات اور ذکر الٰہی کے ذوق سے آشنا ہو چکے ہیں . نہ کسی کی تہجد فوت ہوتی ہے اور نہ اشراق . دونوں وقت ذکر الٰہی کے حلقے ، نماز با جماعت اور اشغال باطنی کے ورد شروع ہیں جنہوں نے پوری عمریں رہزنیوں میں گنوا ئیں . ایک ہی نگاہ نے ان کی کایا پلٹ دی .

پیر جھنڈو شریف کے مجاہدین کی نقل و حرکت کی سختی سے نگرانی کی جانے لگی . کچھ لوگوں کو اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا ، کچھ گرفتار ہوئے . حکومت اپنی پوری کوشش کر رہی تھی . فسادات کی ساری ذمہ داری حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمتہ اور ان کی جماعت پہ ڈالی جائے مگر طرح طرح کی عیارانہ سازشوں کے باوجود حکومت کو کوئی مواد ہاتھ نہ آیا . جماعت کا ہر فرد بجائے خود عزم و استقلال کا ایک کوہِ گراں تھا . کسی آدمی سے کوئی بات

معلوم کرنا یا منوا لینا آسان کام نہ تھا، سات ماہ کا عرصہ حکومت نے کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر آپ کو نظر بند رکھا۔

بے گناہی کم گناہے نیست در دیوانِ عشق
یوسف از پاکیٔ داماں خود بزنداں مے رود

نظر بندی کے دوران آپ کے مشائخ کے سجادہ نشین حضرت پیر سید محمد افضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گیلانی سجادہ نشین پیر کوٹ سدھاناں ضلع جھنگ کا خط جیل میں آیا خط کا سرنامہ یہ شعر تھا۔

بہر جا کہ باشی خدا یار تو
محمد ہمیشہ نگہدار تو

خط میں ایک فقرہ تھا کہ سلسلہ عالیہ قادریہ کو آپ کی ذات پر فخر ہے۔ آپ نے حضرت سید محمد افضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خط ادب کی وجہ سے کھڑے ہو کر سنا۔

سیاست شطرنج کے مہروں کی بساط ہے۔ ابھی آپ جیل ہی میں تھے کہ مسلم لیگی وزارت ختم ہو گئی۔ اور خان بہادر اللہ بخش سومرو دوبارہ وزارتِ اعلیٰ کی مسند پر متمکن ہو گئے ابھی خان بہادر اللہ بخش سومرو کو یہ کرسی سنبھالے ہوئے ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حسبِ ذیل واقعہ رونما ہوا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا میر جعفر خاں جمالی کے ذریعے اللہ بخش سومرو کو پیغام

سرکارِ دو جہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں میر جعفر خاں جمالی رحمۃ اللہ علیہ کو دیدار سے مشرف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ بخش کو میرا پیغام دو کہ پیر صاحب کو

فوراً رہا کرے۔ میر جعفر خاں جمالی مرحوم خان بہادر اللہ بخش سومرو کے پاس چل کر گئے اور انہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ اب کس کی مجال تھی کہ وہ مقبولِ بارگاہِ نبوی اِس اللہ والے کو نظر بند رکھ سکے۔[1]

چنانچہ اپریل ۱۹۴۱ء میں آپ کو رہا کر دیا گیا۔ آپ واپس تشریف لائے تو اس وقت مسجد کو مسجد تسلیم کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ آپ نے آتے ہی اعلان فرمایا کہ آئندہ جمعہ مسجد منزل گاہ میں پڑھا جائے گا۔ اعلان کیا تھا گویا صور اسرافیل تھا انسانوں کا سیلاب امڈ پڑا۔ سندھ کے علاوہ بہاول پور تک کے لوگ بھی پہنچ گئے معلوم ہوتا تھا کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خاطر آسمان سے فرشتے اتر پڑے ہیں۔ اجتماع عظیم اور شان و شوکت کے اعتبار سے فاتح سندھ محمد بن قاسم علیہ الرحمۃ کے بعد یہ پہلا جمعہ تھا جو حضرت شیخِ ثالث علیہ الرحمۃ کی امامت میں اس سرزمین پر پڑھا گیا۔ اقبال (نظیری) کا مردِ غوغا اسی روز دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

بیک حلقۂ رندانِ بادہ پیما باش
حذر ز بیعتِ پیرے کہ "مردِ غوغا نیست"

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت

ہر چند پاکستان کیلئے آپ کی جدوجہد اور مساعی کا میدانِ عمل صوبہ سندھ تھا کیونکہ سندھ ایک اہم بندرگاہ اور باب الاسلام ہونے کے باوجود ہندوؤں کی اقتصادی اور سیاسی بالادستی اور وڈیرہ شاہی کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہا تھا مگر آپ ملکی حالات اور سیاست سے بھی بے تعلق نہیں تھے۔ ایک طرف آپ کے تعلقات انگریزی استعمار کے

[1] مکتوبات امین الملت ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷

مخالفین سے قائم تھے تو دوسری طرف مسلم لیگ کی مرکزی قیادت بھی آپ سے تعلق رکھنے
پر مجبور تھی۔ تحریک آزادیٔ وطن کی خدانخواستہ ناکامی کی صورت میں انگریزی سامراج
سے نمٹنے کیلئے بھی آپ کی تیاریاں اور منصوبے برابر جاری تھے اسی سلسلے میں آپ نے
راقم السطور کے والد گرامی اور اپنے انتہائی معتمد حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ
کو سرحد کے معروف مجاہد اور انگریزوں کے کٹر دشمن فقیر ایپی مرحوم اور پیر سید امین الحسنات
پیر مانکی شریف کے پاس بھجوایا۔ حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر صاحب
اور پیر مانکی شریف کو حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کا پیغام پہنچایا اور مستقبل میں انگریز کے
خلاف مشترکہ جدوجہد پر ان سے اتفاق کیا۔ حاصل کیا۔ ان دونوں زعماء سے آپ کے
برابر تعلقات قائم رہے۔

اس دوران، ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے جاں نثار علمائے کرام کے علمی
اور روحانی جانشین فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ،
شاگرد اور جانشین ان کے فتوے کے مطابق انگریز کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کیخلاف
بھی کھل کر میدان میں آگئے۔ فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خان کا یہ عظیم کارنامہ
ہے کہ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کو ٹھیک اسی طرح غلط اور ناجائز قرار دیا جس طرح
انگریز و مسلم اتحاد غیر اسلامی اور غلط تھا۔ آپ نے مسلمانوں کو جدا قوم قرار دیا اور تمام
غیر مسلم اقوام کو دوسری۔

مشہور مؤرخ اور کالم نگار میاں عبدالرشید مرحوم لکھتے ہیں:

When the Pakistan Resolution was passed in 1940 the efforts of Hazrat Barelvi Bore fruit and all his adherents and followers including ulama and spiritual leaders, rose as on men to support

the Pakistan movement. Thus the contribution of Hazrat Barelvi towards Pakistan is not less than that of Allama Iqbal and Quaid-i-Azam

ISLAM IN NIDO - PAKISTAN SUBCONTINENT
LAHORE - 1977 - 67

۱۹۴۰ء میں جب قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو حضرت بریلوی کی کوششیں
بار آور ہوئیں اور علمائے کرام اور پیران عظام سمیت آپ کے پیروکار اور متوسلین جسد
واحد بن کر تحریک پاکستان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اس طرح قیام پاکستان میں
حضرت بریلوی کا حصہ علامہ اقبال اور قائداعظم سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

آپ کے تلامذہ، خلفاء اور نظریاتی و فکری طور پر آپ کے مکتب فکر سے تعلق
رکھنے والے ہزاروں رہنما تحریک پاکستان کے پرجوش داعی بن کر میدان عمل میں دیوانہ
وار نکل آئے۔ ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مجاہد اسلام پیر محمد امین الحسنات مانکی شریف علیہ الرحمۃ (م ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء)

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (م ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء)

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء)

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلویؒ (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) ابن مولانا احمد رضا خان

عمدۃ الفضلاء مفتی صاحبداد خان صاحب رح (م ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء)

مجاہد ملت مولانا عبدالحامد بدایونی قادری رح (م ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمیؒ (م ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء)

مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رح (م ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء) خلیفہ امام احمد رضا

تذکرہ

مجاہدِ اسلام ناصرِ تحریکِ پاکستان حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

بھرچونڈی شریف

نفحات الرحمٰن

سید محمد فاروق القادری

حافظ الملت اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ

بھرچونڈی شریف ڈہرکی سندھ

مخالفین سے قائم تھے تو دوسری طرف مسلم لیگ کی مرکزی قیادت بھی آپ سے تعلق رکھنے پر مجبور تھی۔ تحریک آزادی وطن کی خدانخواستہ ناکامی کی صورت میں انگریزی سامراج سے نمٹنے کیلئے بھی آپ کی تیاریاں اور منصوبے برابر جاری تھے اسی سلسلے میں آپ نے راقم السطور کے والد گرامی اور اپنے انتہائی معتمد حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ کو سرحد کے معروف مجاہد اور انگریزوں کے کٹر دشمن فقیر ایپی مرحوم اور پیر سید امین الحسنات پیر مانکی شریف کے پاس بھجوایا۔ حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر صاحب اور پیر مانکی شریف کو حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کا پیغام پہنچایا اور مستقبل میں انگریز کے خلاف مشترکہ جدوجہد پر ان سے اتفاق کیا۔ حاصل کیا۔ ان دونوں زعما سے آپ کے برابر تعلقات قائم رہے۔

اس دوران ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے جاں نثار علمائے کرام کے علمی اور روحانی جانشین فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ، شاگرد اور جانشین ان کے فتوے کے مطابق انگریز کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کیخلاف بھی کھل کر میدان میں آ گئے۔ فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خان کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کو ٹھیک اسی طرح غلط اور ناجائز قرار دیا جس طرح انگریز و مسلم اتحاد غیر اسلامی اور غلط تھا۔ آپ نے مسلمانوں کو جدا قوم قرار دیا اور تمام غیر مسلم اقوام کو دوسری۔

مشہور مؤرخ اور کالم نگار میاں عبدالرشید مرحوم لکھتے ہیں۔

When the Pakistan Resolution was passed in 1940 the efforts of Hazrat Barelvi Bore fruit and all his adherents and followers including ulama and spiritual leaders, rose as on men to support

the Pakistan movement. Thus the contribution of Hazrat Barelvi towards Pakistan is not less than that of Allama Iqbal and Quaid-i-Azam

ISLAM IN NIDO - PAKISTAN SUBCONTINENT
LAHORE - 1977 - 67

۱۹۴۰ء میں جب قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو حضرت بریلوی کی کوششیں بار آور ہوئیں اور علمائے کرام اور پیران عظام سمیت آپ کے پیروکار اور متوسلین جسد واحد بن کر تحریک پاکستان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اس طرح قیام پاکستان میں حضرت بریلوی کا حصہ علامہ اقبال اور قائد اعظم سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

آپ کے تلامذہ، خلفا اور نظریاتی و فکری طور پہ آپ کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے ہزاروں رہنما تحریک پاکستان کے پرجوش داعی بن کر میدان عمل میں دیوانہ وار نکل آئے۔ ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مجاہد اسلام پیر محمد امین الحسنات مانکی شریف علیہ الرحمۃ (م ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء)

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (م ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء)

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء)

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) ابن مولانا احمد رضا خان

عمدۃ الفضلا مفتی صاحبداد خان صاحب رح (۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء)

مجاہد ملت مولانا عبدالحامد بدایونی قادری رح (۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی (۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء)

مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رح (م ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء) خلیفہ امام احمد رضا

محسن ملت مولانا عبدالسلام باندوی رح (۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء) خلیفہ امام احمد رضا

رہبر طریقت پیر سید غلام محی الدین گولڑوی رح (۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء)

مجاہد اسلام مولانا فضل الحسن حسرت موہانی رح (۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء)

سحبان وقت سید محمد شاہ صاحب محدث کچھوچھوی رح (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) شاگرد امام احمد رضا

غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات سید محمد قادری رح (۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) ابن خلیفہ امام احمد رضا

صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی رضوی اعظمی رح (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء) خلیفہ امام احمد رضا

محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری رح (۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء)

شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی رح (۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)

تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رح (۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء)

امیر حزب اللہ پیر سید محمد فضل شاہ جلال پوری رح (۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء)

مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رح (۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء)

صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) شاگرد امام احمد رضا

مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی (سابق وفاقی وزیر مذہبی امور حکومت پاکستان)

مبلغ اسلام مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی مرحوم

شیخ الاسلام پیر محمد قمر الدین سیال شریف رحمۃ اللہ علیہ

محسن ملت مولانا برہان الحق عبدالباقی جبل پوری رح (خلیفہ امام احمد رضا فاضل بریلوی)

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ برصغیر کے اس نازک سیاسی موڑ پر اعتقادی اور نظریاتی اختلافات کی طرح علمائے دیوبند کی اکثریت نے تمام روحانی خانوادوں اور ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے جانشینوں کے طرز عمل کے برعکس اپنی الگ راہ اختیار کی۔

یہاں جمعیت علمائے اسلام، احرار، خاکسار اور ایسی دوسری تنظیموں نے کھل کر پاکستان کی مخالفت کی جبکہ فاضل بریلوی کے ہم خیال علماء اور برصغیر کے تمام قابل ذکر روحانی خانوادوں نے پاکستان کے حصول اور قیام کو اپنا واحد نصب العین قرار دیا۔ علمائے اہل سنت نے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۶ء تک برصغیر کے کونے کونے میں "الجمعیۃ العالمیۃ المرکزیہ" یعنی آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے عظیم الشان کانفرنسیں منعقد کیں۔ اس سلسلے کی پہلی کانفرنس ۱۶ تا ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء کو مراد آباد میں منعقد ہوئی۔ دوسری کانفرنس بدایوں میں ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء منعقد ہوئی تیسری کانفرنس ۱۱ فروری ۱۹۴۶ء کو پھپھوند ضلع اٹاوہ میں ہوئی چوتھی کانفرنس جون ۱۹۴۶ء میں اجمیر میں منعقد ہوئی پانچویں کانفرنس اکتوبر ۱۹۴۶ء کو کراچی میں ہوئی۔

اسی سلسلے کی ایک فقید المثال کانفرنس ۲۴ تا ۲۷ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء بنارس کے باغ فاطمہ میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں دو ہزار سے زیادہ علماء اور مشائخ نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کے پانچ اجلاس ہوئے۔ مجاہد اسلام نامور تحریک پاکستان حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو اس کانفرنس میں شرکت کی خصوصی دعوت دی گئی آپ نے دعوت قبول کرتے ہوئے کانفرنس میں اپنی شرکت کی اطلاع بھجوادی صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی کی طرف سے آپ کی خدمت میں کانفرنس کا جو دعوت نامہ آیا وہ حسب ذیل تھا۔

مکرم و محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج مبارک بخیر باد۔

بحمد اللہ تعالیٰ و کرمہ جمہوریت اسلامیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس) کے عظیم الشان مبارک

اجتماع کیلئے ۲۷-۲۸-۲۹-۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء مطابق ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷ جمادی الاولیٰ ۶۵ھ روز شنبہ، یکشنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ مقرر ہوئے۔ ان بابرکت ایام میں ملت اور اہل ملت کی حمایت و نصرت کیلئے اکابر اہل اسلام، علمائے کرام، مشائخ عظام اور تمام صوبوں کی سنی کانفرنسوں کے نمائندے و دیگر معززین تشریف لائیں گے۔

جناب والا سے التجا ہے کہ اس اہم دینی اجتماع میں شرکت فرما کر کانفرنس کو کامیاب بنائیں اور اگر آپ کے یہاں سنی کانفرنس قائم ہو چکی ہے تو جناب بحیثیت نمائندے تشریف لائیں اور جتنے نمائندے آپ کی سنی کانفرنس تجویز کرے انہیں بھی ہمراہ لائیں ہمراہیوں کی تعداد اور تشریف آوری کے وقت سے ۲۲ اپریل ۱۹۴۶ء تک مطلع فرمائیں ان مسائل کا خلاصہ بھی حاضر کیا جا رہا ہے جو سنی کانفرنس کے لئے غور طلب ہیں ان امور کے متعلق اگر جناب کوئی تجویز پیش کرنا چاہیں تو وہ بھی ۲۲ اپریل ۱۹۴۶ء تک قلمبند فرما کر ارسال فرمائیں۔ اب صدر دفتر بنارس میں ہے اور ۳۰ اپریل تک یہیں رہے گا لہٰذا خط و کتابت کے لئے صرف میرا نام اور سنی کانفرنس لکھ دینا کافی ہے۔ تار کا پتہ: اشرفی بنارس کینٹ۔

میں آپ کی تشریف آوری سے بہت مسرور اور ممنون ہوں گا۔

والسلام مع الاکرام

(دستخط صدر الافاضل ناظم آل انڈیا سنی کانفرنس)"

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ڈیڑھ سو کے قریب فقراء جماعت کے ہمراہ بنارس کیلئے روانہ ہوئے۔ پروگرام کے مطابق ملتان سے غزالی زماں حضرت علامہ سید

ل خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس: ۱۰۴ - ۱۰۵، مکتبہ رضویہ گجرات

احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے قافلے میں شامل ہو گئے۔ گاڑی لکھنؤ پہنچی تو دن کے بارہ بج رہے تھے چونکہ جمعہ کا دن تھا آپ جماعت سمیت لکھنؤ میں اتر پڑے تاکہ نماز جمعہ فوت نہ ہو اور راقم کے والد گرامی حضرت شاہ مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ اور غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ نے اسی گاڑی سے بنارس بھجوا دیا۔ تاکہ یہ حضرات جماعت کیلئے رہائش کا مناسب بندوبست کر لیں۔ خلیفہ فتح محمد مرحوم کا بیان ہے کہ حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہمراہ جماعت مجاہدین کو دیکھنے کے لئے سارا لکھنؤ امڈ آیا۔ سینکڑوں لوگ شرف بیعت سے ممتاز ہوئے لکھنؤ کے گلی کوچوں میں ضرب لا الٰہ الا اللہ کی صدا بلند ہوتی تو شہر کی دیواریں لرزہ براندام ہو جاتیں جمعہ آپ نے لکھنؤ میں ایک کھلے میدان میں پڑھایا۔ دس ہزار سے زیادہ افراد نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

اگلے روز عشاق تحریک پاکستان کا یہ قافلہ میر کارواں کی معیت میں بنارس پہنچا تو اسٹیشن پر سحبان الہند، رئیس المتکلمین ابو المحامد سید محمد شاہ صاحب محدث کچھوچھوی م ۱۹۶۳ء رحمۃ اللہ علیہ صدر استقبالیہ کمیٹی استقبال کیلئے بہ نفس نفیس ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے مصنف عباد الرحمٰن کا کہنا ہے کہ۔

"میں نے حاضر ہو کر تشریف آوری کا سبب پوچھا فرمایا" اللہ والے کے استقبال میں جو قدم اٹھیں انہیں اپنے لئے ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں۔ قیامت کے دن جب اعمال کا وزن ہو رہا ہوگا عرض کروں گا الٰہ العالمین! تیرے مقبول بندے کے استقبال میں جو قدم اٹھے تھے تو جانتا ہے وہ کسی نمود و نمائش کیلئے نہ تھے۔ انہیں میرے نامۂ اعمال میں ثبت فرما۔ اسٹیشن ماسٹر محدث صاحب کا مرید تھا۔ اس نے کرسیاں

لانے کا حکم دیا، مگر آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا عمر میں ایسے مواقع بہت کم آتے ہیں جن میں ایک دو منٹ قیام کے صلے میں نجات کا سامان ہو جائے گاڑی تقریباً آدھ گھنٹہ لیٹ آئی۔ محدث صاحب بدستور کھڑے رہے اور آئندہ شب پڑھے جانے والے اپنے خطبے کے اقتباسات مجھے سناتے رہے۔ حضرت شیخ ثالث گاڑی سے اترے دونوں حضرات بغلگیر ہوئے زبان بے زبانی میں سرگوشیاں ہوئیں ایک ہی کار میں سوار ہوئے دائیں بائیں فقراء کار پر تصدق ہوتے ہوئے ساتھ ساتھ بھاگ رہے ہیں۔ یہ منظر قابلِ دید تھا شوکت نادر و تیمور ایک فقیر کے قدموں پر نثار ہو رہی تھی۔ ایک ہی شخصیت میں شکوہِ سنجر اور فقر جنید و بسطامی کے نظارے دیکھنے میں آ رہے تھے۔

عجب نہیں کہ مسلماں کو پھر عطا کر دیں
شکوہ و سنجر و فقر جنید و بسطامی

(عباد الرحمٰن: ۱۷۴-۱۷۵)

اس کانفرنس میں کئی اہم قراردادیں منظور کی گئیں۔ تیسری نشست میں جو ۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو صبح نو بجے سے ایک بجے دوپہر تک منعقد ہوئی۔ حسب ذیل تجاویز باتفاق آرا منظور ہوئیں۔

پاکستان

آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلِ سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں۔ اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک

ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصولوں کے مطابق ہو۔

۲۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے لیے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے۔

۱۔ حضرت مولانا شاہ سید ابوالمحامد سید محمد صاحب محدث اعظم ہند کچھوچھوی (۲) حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا مولوی محمد نعیم الدین صاحب (۳) حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مولوی شاہ مصطفےٰ رضا خان صاحب (۴) حضرت صدر الشریعۃ مولانا مولوی امجد علی صاحب (۵) مبلغ اسلام مولانا مولوی عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی (۶) حضرت مولانا مولوی عبد الحامد صاحب قادری بدایونی (۷) حضرت مولانا مولوی سید شاہ دیوان آلِ رسول علی خاں صاحب سجادہ نشین اجمیر شریف۔ (۸) حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب لاہور (۹) حضرت مولانا شاہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف (۱۰) حضرت پیر سید شاہ عبد الرحمٰن صاحب بھرچونڈی شریف سندھ (۱۱) حضرت مولانا شاہ سید زین الحسنات صاحب مانکی شریف (۱۲) خان بہادر حاجی بخشی مصطفےٰ علی صاحب مدراس۔ (۱۳) حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب لاہور۔

(خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ۲۸۳: محمد جلال الدین مطبوعہ گجرات)

مصنف عباد الرحمٰن جو اس کانفرنس کے عینی شاہد ہیں۔ رقمطراز ہیں۔

"بلاشبہ (بنارس کی کانفرنس میں) ایسے حسینانِ جہاں جمع تھے جن کی خوبصورتی و رعنائی پر ایک عالم متفق تھا۔ مگر حافظ شیرازی کی زبان میں جو جیبِ بہتر از حسن تھی وہ اس درویش باخدا کے ہاں تھی۔"

آنکہ مے گویند بہتر از حسن

یارِ ما ایں دارد وآں نیز ہم

علمائے کرام کے کیمپ فقرا کی چھولداریاں اپنی اپنی بساط کے موافق ہر ناظر کو دعوتِ استفادہ دے رہی تھیں۔ لیکن جس فقیر کی چٹائی پہ ہر وقت ذکرِ الٰہی کی مسحور کن صدائیں بلند ہو رہی تھیں وہ بھی درویش نما سلطان تھے جلسے کے چار شبانہ روز میں کوئی وقت ایسا نہ تھا جس میں بیعت کی تلقین یا سرمایہ ایمان ذکرِ الٰہی کا درس نہ ہو رہا ہو۔ رات کے وقت جلسہ کی کارروائی شروع ہوتی آپ مع پروانہ وار فقرا اسٹیج پر تشریف لاتے تو لاکھوں نگاہیں عقیدت واحترام سے جھک جاتیں۔ ہزاروں انسان جبہ وعصا کے لمس کو سعادت دارین سمجھتے۔

(عباد الرحمٰن ۱۷۳-۱۷۴ احضرت پیر سید مغفور القادری)

کانفرنس کے چوتھے اجلاس میں حضرت علامہ پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے لکھا گیا خطبہ پڑھا۔ اس خطبے کے اہم نکات یہ تھے

۱۔ برصغیر میں ایک آزاد اسلامی مملکت (پاکستان) کے حصول کو یقینی بنانے کے لیئے تمام مشائخ عظام اور علمائے کرام رات دن ایک کر دیں۔

۲۔ مختلف جماعتوں یا تنظیموں کی بجائے مسلمانوں کی مرکزی جماعت مسلم لیگ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنایا جائے۔

۳۔ اس تاریخی جدوجہد کی قیادت وسیادت مذہبی زعما اپنے ہاتھ میں رکھیں تاکہ مقصد حاصل ہونے کے بعد نئی مملکت کی باگ ڈور نا اہل یا دین سے ناواقف لوگوں کے ہاتھ میں نہ چلی جائے۔

۴۔ مسلمانوں میں تعلیم کو عام کرنے کی عوامی سطح پر تحریک شروع کی جائے جو رضاکارانہ

بنیاد پہ ہو اور اسے علمائے کرام چلائیں۔

۵۔ ہندو مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج اور اس کی غیر اسلامی حیثیت سے وسیع پیمانے پر لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

۶۔ علمائے کرام اور مشائخ عظام کا ایک وفد قائداعظم محمد علی جناح سے مل کر مسلم لیگی قیادت سے پاکستان کو ایک مکمل اسلامی فلاحی مملکت بنانے کا تحریری معاہدہ حاصل کرے۔

حضرت شاہ مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کے صدر سے تحریری معاہدہ حاصل کرنے کی آپ کی تجویز کو بہت سراہا اور بطورِ خاص مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو جماعت سمیت کھانے کی دعوت دی۔ یہ ضیافت حضرت امیرِ ملت علیہ الرحمۃ کے خیمے میں ہوئی جہاں چیدہ چیدہ دوسرے اکابرین بھی شامل ہوئے۔ قران السعدین ہوا تو دیکھا گیا کہ اللہ کے یہ دونوں برگزیدہ بندے اور ملتِ اسلامیہ کے سچے خادم ایک ہی پلیٹ میں اکٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔

بنارس کے سینکڑوں مسلمان حلقۂ ارادت وبیعت میں داخل ہوئے۔ ان لوگوں نے دعوت پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ بنارس کے گلی کوچے ذکرِ الٰہی کی آواز کیلئے ترس رہے ہیں آپ نے دعوت قبول فرمائی جس وقت شہر کے گلی کوچوں سے گزر ہوا اس وقت ذکرِ الٰہی کے فلک شگاف نعروں سے بت کدے لرز اٹھے۔ آپ کو سلطان اورنگزیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کی مت پر تعمیر کردہ مسجد دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ یہ مسجد اس جگہ بنائی گئی تھی جہاں ایک بت خانے کا پروہت خدا کے پرستاروں کو جبراً رسومِ شرک میں مبتلا کر رہا تھا۔ کسی نے سلطان کو خط لکھا کہ آپ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ خوفِ خدا کے خیال سے بادشاہ پر لرزہ طاری ہوگیا

اسی وقت بنارس روانہ ہوگیا۔ بت خانہ میں پہنچا تو پروہت کانپتا ہوا حاضر ہوا۔ اور اس لفظ حضور کی "ح" کو آٹھ دفعوں سے ادا کیا۔

حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ نے اِس مسجد میں اذان دلوائی اور نماز پڑھی آپ نے شہنشاہ کی بنائی ہوئی اِس مسجد کو نہایت عقیدت و احترام کی نگاہ سے دیکھا۔ مسجد کے اردگرد ہندو آبادی تھی مسجد نمازیوں کا منہ دیکھنے کیلئے ترس رہی تھی اورنگزیب علیہ الرحمۃ کے بعد بنارس کے اس محلہ کے در و دیوار نے شاید ہی کبھی کلمہ توحید کی لرزہ خیز آواز سنی ہو

اِس کانفرنس میں سحبان الہند، رئیس المتکلمین حضرت سید محمد شاہ صاحب محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے یادگار تاریخی خطبہ پڑھا یہ خطبہ جہاں ملکی و ملی مسائل پر ایک نباض حقیقت کا بہترین تبصرہ ہے وہاں فصاحت و بلاغت کا ایک بے نظیر شاہکار ہے آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا۔

"حضرات! وقت آگیا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے عہد کو پلٹا جائے اور سارے نظامِ شریعت کو اسلامی دنیا کا نصب العین بنا دیا جائے۔"

میرے دینی بھائیو! میں نے عرضداشت میں ابھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی کئی جگہ پاکستان کا لفظ آچکا ہے۔ ملک میں اس لفظ کا استعمال روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ در و دیوار پہ پاکستان زندہ باد، تجاویز کی زبان میں پاکستان ہمارا حق ہے نعروں کی گونج لے کر رہیں گے۔ مسجدوں میں، خانقاہوں میں، بازاروں میں ویرانوں میں لفظ پاکستان لہرا رہا ہے۔ یہ لفظ پنجاب کا یونینسٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے اور ملک بھر میں ہر لیگی بھی بولتا ہے اور ہم سنیوں کا بھی یہی محاورہ ہوگیا جو لفظ مختلف ذہنوں کے استعمال میں ہو۔ اس کے معنی مشکوک ہو جاتے ہیں۔ یونینسٹ کا پاکستان وہ

ہوگا جس کی مشینری سردار جوگندر سنگھ کے ہاتھ میں ہو گی۔ لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اس نے پاکستان کے معنی نہ بتائے اور جو بتائے وہ الٹے پلٹے ایک دوسرے سے لڑتے بتائے: اگر یہ صحیح ہے لیگ کا ہالی بھانڈا اس کا مدار ہے لیکن جن سنیوں نے لیگ کے اِس پیغام کو قبول کیا اور جس یقین پر اس مسلم لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں وہ صرف اِس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ پر اسلام کی، قرآن کی آزاد حکومت ہو۔ جس میں غیر مسلم ذمیوں کے جان و مال، عزت و آبرو کو حسب حکم شرع امان دی جائے۔ ان کو ان کے معاملات کو ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ جانیں ان کا دھرم جانے۔ اگر سنیوں کی اِس سمجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی راستہ اختیار کیا تو کوئی سنی قبول نہیں کرے گا۔ ان سنیوں نے دستورِ اساسی پڑھا ہے نہ تجاویز پڑھی ہیں نہ اخبارات کے ہفتواتی ایڈیٹوریل دیکھے ہیں۔ نہ غیر ذمہ داروں کے لیکچر سنے ہیں وہ صرف اتنا سمجھ کر کہ حت، آئی حکومت اسلامی اقتدار لیگ کا مقصد ہے اس کے ساتھ ہو گئے ہیں اور ان کو چھوڑ کر لیگ باقی ہی نہیں رہتی۔ اس کے دستورِ اساسی کا کیا سوال ہے لیگ اُن کیلئے کوئی نیا دین نہیں ہے جس کو سوچ سمجھ کر ٹھونک بجا کر قبول کیا جاتے۔ آل انڈیا کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی آزاد خود مختار حکومت ہے جس میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں اسلام کی حکومت ہو۔ جس کو مختصر طور پر یوں کہیئے کہ خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہو۔[1]

اِس کانفرنس نے برصغیر کی سیاسی صورتحال پر نہایت دوررس اثرات ڈالے

---

[1] خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ آل انڈیا سنی کانفرنس مطبوعہ برقی پریس مراد آباد ۱۹۴۶ء : ۲۱، ۲۲

اور حصولِ پاکستان کی منزل قریب سے قریب تر ہونے لگی۔ حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

"اس کانفرنس نے ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے علمائے کرام اور مشائخ عظام کی توجہات کو اپنی طرف مبذول کر لیا۔ سب کے منہ سے ایک ہی آواز نکل رہی تھی پاکستان مسلمانوں کا گھر، وحدتِ ملّی کا مرکز"

جب تک حضرات مشائخ کرام حصولِ پاکستان کے نقطے پر جمع نہ ہوئے تھے قائدِ اعظم اکیلے منجدھار میں اپنی کشتی پار لگانے کی فکر میں تھے۔ دریا کی بیکرانی، موجوں کی طغیانی، بیم گرداب، ہوا کی ناموافقت، ابنائے زمانہ کی مخالفت کشتی کو رجعِ قہقری پر مجبور کر رہی تھی۔ لیکن جونہی اِن حضرات نے ملاح کی پشت پر ہاتھ رکھا ناتواں جسم اور کمزور ہاتھوں میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ وہ توانائی آگئی کہ جو کوہ گراں ثابت ہوئی۔ اور کانگریس جس کا ان دنوں طوطی بول رہا تھا مسلم لیگ کے سامنے ماند پڑنے لگی۔

(عباد الرحمٰن : ۱۷۷)

اِس سفر میں مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ متحدہ ہندوستان کے دوسرے اہم مراکز میں بھی تشریف لے گئے۔ چونکہ آپ کا انداز بادشاہوں جیسا تھا۔ اس لیئے جہاں بھی جاتے اس علاقے کے عوام و خواص فوراً جمع ہو جاتے۔ آپ ہر جگہ مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑاتے۔ پاکستان کی ضرورت اور اہمیت واضح کرتے اور مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے طریق کار سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہے۔ اِس سفر میں بنارس کے علاوہ آپ دہلی، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ اور کئی دوسرے شہروں میں بھی تشریف لے گئے۔

۱۹۴۶ء سے اگست ۱۹۴۷ء کا عرصہ آپ نے زیادہ تر سفر میں گزارا۔ یہ سفر شروع

میں احیاء الاسلام کی تشکیل و ترویج کے سلسلے میں شروع ہوئے۔ احیاء الاسلام مسلم لیگ میں مدغم ہوئی تو مسلم لیگ کے جلسے جلوس اور تنظیمی دورے شروع ہو گئے مگر اس دوران آپ نے اپنا صدر دفتر کراچی رکھا۔ کراچی صوبہ سندھ کا صدر مقام اور سندھ کی سیاست میں کلیدی حیثیت کا حامل شہر ہے۔

امین الملت میر محمد امین خان کھوسہ اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں۔

"پاکستان میرے آقا و مولیٰ اور مرشد حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں اور دعاؤں سے بنا ہے۔ پاکستان کیلئے اللہ کا یہ مقبول بندہ ساری ساری راتیں رو رو کر گزارتا اور اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگتا۔ کراچی میں قیام کے دوران پاکستان سے دلچسپی رکھنے والے افراد وہ سیاستدان ہوں، عام مسلمان ہوں یا علمائے کرام میرے حضرت کی قیام گاہ ان کا مستقل مرکز ہوتی۔ تمام لوگ گھوم پھر کر وہیں اکٹھے ہوتے پاکستان کے قیام کے سلسلے میں تازہ حالات اور امید افزا صورتحال سے آپ کو آگاہ کرتے تو چہرہ مبارک پہ خاص قسم کا نور آجاتا اور چہرہ کھل اُٹھتا"۔

میر ہزار خاں نوناری

میر ہزار خاں نوناری ساکن ضلع جیکب آباد ریلوے پولیس میں انسپکٹر کے عہدہ پر تعینات تھے تاہم اسلامی سیاست سے ان کی دلچسپی بہت پرانی تھی۔ وہ تحریک ہجرت میں ہجرت بھی کر گئے تھے۔ تحریک ہجرت کی ناکامی کے بعد واپس ہوئے تو انہوں نے پولیس میں نوکری اختیار کر لی۔ اس کے باوجود تحریک آزادئ وطن بالخصوص پاکستان کی تحریک سے انہیں بہت دلچسپی اور محبت تھی۔ یہ انقلابی ذہن کے مالک تھے۔ کسی کے ماتحت رہ کر انہیں کام

کرنا آتا ہی نہیں تھا۔ معلوم نہیں اُس دور کے پولیس افسر کس طرح انہیں گوارا کر لیتے تھے
عبید اللہ سندھی کے ساتھ محبت و عقیدت کا رشتہ ہمیشہ برقرار رکھا۔ میرے آقا و مولا
پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اس جذبے بالخصوص پاکستان سے ان کی محبت کی وجہ سے انہیں
بہت عزیز رکھتے تھے۔ میر ہزار خاں سکھر میں ایک بالا خانے پر رہتے تھے ایک دفعہ میرے
حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) صبح کے وقت جیپ میں سوار ہو کر آئے اور میر ہزار خاں کے بالا خانے
کے نیچے رُک کر ہارن بجایا۔ میر ہزار خاں نے نیچے دیکھا جونہی حضرت پر ان کی نگاہ پڑی وہ
جس حالت میں کھڑے تھے یعنی تہ بند باندھے ننگے پاؤں فوراً نیچے اُتر کر اسی حالت میں
حاضر ہو گئے۔ آپ نے انہیں جیپ میں بیٹھنے کا ارشارہ کیا وہ بلا چون و چرا تعمیل حکم کرتے
ہوئے جیپ میں سوار ہو گئے۔ گاڑی سکھر شہر میں پہنچی تو خلیفہ فتح محمد ڈرائیور نے عرض کیا
حضور! اسے جوتا اور شلوار تو پہننے دیں۔ اس پر آپ بہت محظوظ ہوتے اور مسکراتے ہوئے
فرمانے لگے کہ پولیس آفیسر بغیر جوتے کے بیٹھا ہے۔ پھر خلیفہ فتح محمد سے فرمایا کہ اسے واپس
پہنچا دو جب میر ہزار خاں کی قیام گاہ پر پہنچے تو اسے اتارتے ہوئے فرمانے لگے جلدی نکل کر
جگہ آجاؤ۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ میر صاحب تیار ہو کر وہاں پہنچ گئے۔

اس طرح میر ہزار خاں نے تحریک اور تکمیل پاکستان کی خاطر میرے حضرت رحمۃ
اللہ علیہ کی دُعائیں حاصل کر لیں۔ وہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ اگر یہ اللہ والا (میرے حضرت)
رضامند ہو کر بارگاہِ ایزدی میں دُعا مانگنے پر آمادہ ہو گیا تو پاکستان یقیناً بن کر رہے گا۔

میرے حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ رائل ہوٹل میکلوڈ روڈ کراچی میں میری وجہ سے
قیام پذیر تھے۔ میر ہزار خاں روزانہ وہاں آکر حضرت والا کو پاکستان (خیال رہے کہ پاکستان
ابھی قائم نہیں ہوا تھا) کے حق میں تازہ مفید سرگرمیوں اور پیش رفت سے آگاہ کرتے اور

یوں انہیں راضی رکھنے کی کوشش کرتے۔ (تاکہ آپ عملی اور روحانی قوت سے پاکستان کیلئے
اپنی کوششیں جاری رکھیں)

پیر علی محمد راشدی کا تشویشہ

پیر علی محمد راشدی کی مسلم لیگ سے اَن بَن ہوئی تو ایک ملاقات میں انہوں نے
نہایت دردمندانہ لہجے میں میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، حضرت! مسٹر جناح اپنے آپ کو
قائد اعظم کہلواتے ہیں حالانکہ عقیدتاً یہ لقب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے
آپ یہ سُن کر بہت غمگین ہوئے اور اپنی جماعت کو کراچی سے روانگی کی تیاری کا حکم دیا۔ اتنے
میں میر ہزار خاں آگئے۔ آپ نے انہیں بتایا کہ مسٹر جناح اپنے آپ کو قائد اعظم کہلواتے ہیں۔ میر
ہزار خاں ہنس کر کہنے لگے حضور! مسٹر جناح، مسٹر جناح ہی ہے لوگ اپنے طور پر اسے قائد اعظم
کے نام سے یاد کرتے ہیں جیسے میں نوناری، نوناری کا بیٹا، میں کوئی بلوچ یا سندرانی نہیں ہوں
مگر لوگ مجھے میر صاحب، میر صاحب کہہ کر پکارتے ہیں جیسے میں میر صاحب ہوں۔ ویسے ہی
مسٹر جناح قائد اعظم ہیں۔ آپ پاکستان بنائیں پھر یہاں سے جائیں۔

مجاہدِ ملت پیر عبدالرحیم شہید کا پاکستان کیلئے آپ کے پاؤں سے لپٹ کر رونا

ابھی آپ شش و پنج میں تھے جماعت تیاری میں مصروف تھی کہ باہر سے مجاہد
ملت پیر عبدالرحیم شہید علیہ الرحمۃ آگئے جماعت کو تیاری میں مصروف دیکھ کر حیرت سے وجہ
پوچھی تو انہیں ساری بات بتائی گئی۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ حضرت والا کے کمرے میں پہنچے

تو آپ اس وقت کھڑے تھے۔ میر ہزار خاں بھی موجود تھے۔ مجاہد ملت پیر عبدالرحیم شہید رحمۃ اللہ علیہ دھاڑیں مار کر روتے ہوتے آپ کے پاؤں سے لپٹ گئے اور کہنے لگے میں آپ کو ہرگز نہ جانے دوں گا پہلے پاکستان بنائیں پھر یہاں (کراچی) سے جائیں۔ میر ہزار خاں کی باتوں سے آپ اپنی رائے پر نظر ثانی کر رہے تھے کہ پیر شہید علیہ الرحمۃ کی جذباتی اور رقت آمیز اپیل نے آپ کو بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ آپ کرسی پر بیٹھ گئے اور جماعت کی تیاری موقوف ہو گئی۔ (قلمی یادداشتیں امین الملت)

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ نے اب اپنی ساری کوششیں مسلم لیگ کے لیئے وقف کر دی تھیں۔ آپ کے خیال میں مسلم لیگ کی مقبولیت اور سیاسی مضبوطی ہی پاکستان کے حصول کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ مستقبل کا بے لاگ مؤرخ بغیر کسی لگی لپٹی کے یہ بات لکھنے پر مجبور ہوگا کہ سندھ میں مسلم لیگ کی بیشتر کامیابی بھرچونڈی شریف کی مرہونِ منت تھی اس دور میں بھرچونڈی شریف کی سیاسی اعتبار سے کیا اہمیت تھی اسے سمجھنے کے لیئے پوری تاریخ کا جائزہ لینا پڑے گا۔ ۱۹۴۷ء میں جناب جی ایم سید نے امین الملت میر محمد امین خاں کھوسہ کے نام جو خط لکھا ہے وہ ساری صورتحال کو سمجھنے میں بہترین مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ خط شائع ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سن ۱۹۴۷ء-۳-۱۰

محترم میاں محمد امین خاں

السلام علیکم!

پیر صاحب بھرچونڈی شریف کیلئے دو حیثیتوں سے میرے دل میں ہمیشہ عزت و احترام کا جذبہ رہا ہے۔ ایک پیر صاحب کی بزرگی اور شرافت کی وجہ سے، دوسرا پیر صاحب

پاگارا کے بعد سندھ میں دوسری بڑی سیاسی طاقت کے مالک ہونے کی حیثیت سے۔

بدقسمتی سے پیر صاحب پگارا (حضرت سید صبغۃ اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ) کانگریس کی طرف جھک گئے اس سے انہوں نے نہ خود کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ ملک کو کوئی فائدہ پہنچایا ان کو راست فکر دماغوں کی مدد سے پہلے اپنا گھر (سندھ) بنانا چاہیئے تھا۔ پھر دوسروں کی مدد کرتے۔

اسی طرح پیر صاحب بھرچونڈی لیگ کی طرف مائل ہو گئے۔ یہ بھی غلط ہوا گھر کو سدھانے کے بغیر یہ باتیں بے کار ہیں۔ سندھ کو باہر کی لیڈرشپ کے تابع رکھنا میری غیرت گوارا نہیں کرتی۔

مسٹر جناح اور ان کے حواریوں کی موجودہ لیگ پالیسی کو میں اسلام، مسلمانوں اور سندھ کے لیئے زہر قاتل سمجھتا ہوں۔ یہ ساری چیز عارضی اور تھوڑے وقت کیلئے ہے۔

پیر صاحب قبلہ مرضی کے مالک ہیں۔ پیر صاحب کی لیڈرشپ (قیادت) تو قبول کی جا سکتی ہے۔ اس لیئے کہ یہ لیڈرشپ (قیادت) اسلامی اور سندھی ہے مسٹر جناح کی لیڈرشپ قبول نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ اسلامی ہے اور نہ سندھی[1]"۔

یہی وجہ ہے کہ امین الملت میر محمد امین خاں کھوسہ نے ہر جگہ پاکستان کو اپنے مرشد کا کارنامہ قرار دیا ہے۔ ملکی سیاست میں آج سندھ کی جو اہمیت ہے کم و بیش

---

[1] واجھٹ ویراکھین جا۔ ۸۰۔۸۱، مرتب عبدالواحد آریسر۔ مطبوعہ سنڌي ادبي جي سهکاري سنگت حیدرآباد سندھ۔

متحدہ ہندوستان میں بھی سندھ کو ہی اہمیت حاصل تھی. آج سے ساٹھ ستر برس پہلے
کے سندھ میں درگاہِ عالیہ راشدیہ (پیر گوٹھ پیر سائیں پگارڑا) اور بھرچونڈی شریف ہی وہ
دو مضبوط سیاسی قوتیں تھیں جو سندھ کے ہر مسئلے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی تھیں انگریز سے
براہِ راست تصادم کے بعد وقتی طور پر درگاہِ عالیہ پیر گوٹھ پہ ابتلا کا زمانہ آیا تو بھرچونڈی شریف
نے آگے بڑھ کر ساری ذمّہ داری خود اُٹھا لی. کانگریس کے گڑھ سندھ میں
پاکستان اور مسلم لیگ کے لیئے راستہ صاف کرنے کے ساتھ ساتھ بھرچونڈی شریف
نے درگاہ پیر جو گوٹھ کی گدی بحال کرانے اور صاحبزادگان (اعلیٰ حضرت موجودہ
پیر سائیں پگارا اور آپ کے چھوٹے بھائی سیّد نادر علی شاہ مرحوم) کو واپس لانے
کیلئے جو تاریخی جد و جہد کی اسے بھلایا نہیں جا سکتا. یہ جد و جہد کامیاب ہوئی تو
بھرچونڈی شریف کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اُس کے ہاتھوں اعلیٰ حضرت پیر
سیّد سکندر علی شاہ عرف شاہ مردان شاہ مدظلہ العالی پیر پاگارا ہفتم کی
حیثیت سے اپنے مکمل اعزاز کے ساتھ تختِ سیادت پہ متمکن ہوئے. دوسری طرف
پاکستان بھی منصّۂ شہود پہ ایک نئی اسلامی حکومت کی حیثیت سے اُبھرا.

مشد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیر ھا

قیامِ پاکستان کے بعد رُونما ہونے والے افسوسناک اور دلخراش حالات پر آپ کا ردِّ عمل

مجاہدِ اسلام ناصرِ تحریکِ پاکستان حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کا تعلق

اس مبارک گروہ سے تھا جس نے مسلمانانِ برّصغیر کیلئے ایک آزاد اسلامی مملکت کا
خواب دیکھا. اس کے لیئے جانی و مالی قربانیاں دیں. قید و بند کی تکلیفیں برداشت
کیں اور بالآخر پاکستان کے نام سے ایک آزاد اسلامی ملک کا نقشہ اپنے خون
سے کھینچنے میں کامیاب ہو گئے. پاکستان کا مقصد ایک اسلامی فلاحی مملکت کا قیام
تھا جہاں عدل و انصاف اور مساواتِ محمّدی کا مظاہرہ ہونا تھا اس میں طبقاتی
کشمکش، استحصال اور کرسی و پیسے کی بازی گری کے تماشے کا کوئی تصوّر
موجود نہیں تھا یہاں ظالم و مظلوم کے سوا تیسرے طبقے کا نام و نشان نہیں ہونا
تھا. مگر وائے افسوس کہ بوجوہ پاکستان کے قائم ہوتے ہی اس کے اصل بانی
اور اسے مسلمانوں کی متحدہ آواز بنانے والے قائدین پس منظر میں دھکیل دیئے گئے.
اور انگریز کے فکر و عمل کے وارث، کرسی اور پیسے کی شیطانی سیاست کے ماہر اور
اسلامی کردار و عمل سے بے بہرہ لوگ لیڈر بن کر نوزائیدہ مملکتِ پاکستان کی کرسیوں
پر براجمان ہو گئے. یہ لوگ پاکستان کے وسائل کو مالِ مفتوحہ سمجھ کر دونوں ہاتھوں
سے لوٹنے اور قوانینِ خداوندی کا مذاق اڑانے لگے اِن شیطان صفت لیڈروں نے
ایسے حالات پیدا کیئے کہ تحریکِ پاکستان کے ہراول دستے کے نیک نفس، بے طمع، غیور
اور اسلامی کردار کے حامل قائدین آہستہ آہستہ کھڈے لائن لگنے لگے. قائدِ اعظم
محمد علی جناح جلدی اللہ کو پیارے ہو گئے. شہیدِ ملت لیاقت علی خان قتل کر دیئے گئے.
راستہ صاف ہوا تو جوتیوں میں دال بٹنے لگی. اب صورتِ حال یہ تھی. ؎

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں تو دیکھئے
منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

اگر پاکستان کے قیام کے بعد بھی انگریزی دور کے قوانین چلنے تھے استحصال
جبر، لوٹ کھسوٹ، اقربا پروری اور ظلم و ناانصافی کا بازار گرم رکھنا تھا تو پھر پاکستان
بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ یہ سب کچھ متحدہ ہندوستان میں ہو رہا تھا بلکہ نسبتاً
کم درجے پر ہو رہا تھا۔ لاکھوں انسانوں کی دربدری، قتل و غارت گری، عصمتوں کی
قربانی اسی لیئے دی گئی تھی کہ انگریز اور ہندو سے نجات حاصل کر کے اُن سے
زیادہ بدنہاد، بدکردار، ظالم، خائن اور اسلامی اقدار کے مخالف لوگ ستم رسیدہ
مسلمان قوم کی تقدیر کے مالک بن جائیں۔

بلاشبہ قائداعظم محمد علی جناح بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے وہ جھکنے
بکنے، دبنے والے شخص نہیں تھے ان کی ان خوبیوں کا سارا زمانہ معترف ہے خود میں
نے ان پر کئی مضامین لکھے ہیں مگر یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ

قیام پاکستان صرف کسی شخصیت کی ذہنی صلاحیت کا کرشمہ نہیں ہے۔ قیام
پاکستان سراسر اسلام کا اعجاز ہے، پاکستان کے نعرے کی بنیاد اسلام اور صرف اسلام
تھا!۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آغاز میں اسلام کی حکمرانی، اسلام کے عدل و انصاف
اسلامی کی فلاحی مملکت کی آواز اور امید نے بجلی کی سُرعت سے مسلمانانِ برصغیر کو
سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی مقبولیت اور مسلمہ قیادت خود اسلام کی رہینِ منت
تھی وہ زندگی بھر اسلام اسلام، قرآن قرآن پکارتے رہے تو ملتِ اسلامیہ نے انہیں
سر اور آنکھوں پر جگہ دی۔ خالی ذہانت و فطانت پر اتنا حیرت انگیز کارنامہ کسی کے
بس کی بات نہیں۔ کارگہ عالم میں ذہانت و قابلیت کی کوئی کمی نہیں ہے۔

جو لوگ قیام پاکستان کو صرف قائداعظم کی ذہانت اور قابلیت کا نتیجہ قرار
دیتے ہیں وہ دراصل شعوری طور پر قیام پاکستان کا کریڈٹ اسلام کو نہیں دینا چاہتے
اور اس میں ان کی اس بدنیتی کا دخل ہے کہ کہیں اسلام پاکستان کا آئین اور قانون
نہ بن جائے۔ یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ شخصیات فانی ہیں۔ مگر اسلام ایک ایسی
مؤثر حقیقت ہے جو شخصیات کی محتاج نہیں ہے وہ ہر دور میں زندہ و جاوید ہے۔
اس میں خود اتنی قوت موجود ہے کہ وہ عالمی سطح پر بھرپور انداز میں اپنا کردار
ادا کرے اور اپنے ساتھ وابستہ افراد کو بھی تاریخی زندگی عطا کرے۔

وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

اسلام کے بغیر قیام پاکستان کا کوئی جواز ہی باقی نہیں رہتا، مگر افسوسناک
بات یہ ہے اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک کی حکومتیں جہاں فحاشی
لاقانونیت، غنڈہ گردی، اقربا پروری ظلم وغیرہ جیسی ہر چیز قبول کرنے کو تو تیار
ہیں اور کر رہی ہیں مگر اسلامی نظامِ حیات پر مبنی معاشرہ تشکیل دینا انہیں زہر لگتا
ہے یہاں آ کر وہ اگر مگر، گو مگو اور گھٹیاں بھرنے کی کیفیت کا شکار ہو جاتے ہیں
بڑے منکر بن کر ذرائع ابلاغ پر یہ انکشاف کرنے لگتے ہیں کہ یہاں ملّا کا اسلام
نہیں چلے گا۔ حالانکہ اسلام ایک ہی ہے اس کی قسمیں نہیں ہیں۔ ملّا والا اسلام (بقول
ان کے) اس ملک کا حل ہے۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ بے پایاں دولت
کمانے والے عیاش اور بدقماش لوگ پینتالیس سال تک حکمران رہے ہیں، قومی زندگی میں
نصف صدی کوئی معمولی عمر نہیں ہے ان حضرات نے نہ صرف ملک کو اس کی حقیقی منزل

سے کوسوں دور کر دیا ہے۔ بلکہ اسے اخلاقی بے راہروی، جھوٹ، منافقت
بدعہدی، ہارس ٹریڈنگ اور سیاست برائے کرسی کے بدترین تحفے بھی عطا
کئے ہیں۔

تحریکِ آزادیٔ وطن سے قیام پاکستان تک کون سی تحریک ملاّ کے بغیر
چلی ہے۔ گالی دینی ہے یا نفرت کا اظہار کرنا ہے تو براہِ راست (اعاذنا اللہ)
اسلام سے کیجئے ملاّ کو نشانہ بنا کر اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی نہیں چلے گی پاکستان کے
غریب کو اس کے بے رحم حکمرانوں نے تھانوں میں پٹنے، عدالتوں اور دفتروں میں دھکے
کھانے پٹواریوں اور اہلکاروں سے لٹنے اور مالیہ و ٹیکس ادا کرنے کے لیئے خام مال
بنا رکھا ہے۔

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان بنانے میں اہم
کردار ادا کیا تھا آپ کو پاکستان سے بڑی توقعات اور امیدیں وابستہ تھیں۔ قیام
پاکستان کے شروع شروع میں آپ نے پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی فلاحی مملکت بنانے
کے لیئے پوری کوششیں کیں۔ جوں جوں وقت آگے بڑھنے لگا پاکستان کی کرسیوں پر
فائز لوگ کھل کر اپنی گھٹیا ذہنیت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ یہ بات واضح ہونے لگی خدمتِ
خلق یا اسلامی نظامِ حیات کا قیام تو بڑی چیزیں ہیں۔ یہ لوگ تو ایک مضبوط جمہوری
حکومت کو چلانے کے بھی اہل نہیں ہیں۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد ہندوؤں کی متروکہ
زمینوں اور کارخانوں کے حصول کے لیئے کلیموں وغیرہ کا جو کاروبار شروع ہوا اور
جس طرح اس میں تمام لوگ کود پڑے اسے دیکھ کر دیندار طبقے کا ماتھا اسی وقت
ٹھنک گیا۔ ان لوگوں نے اخلاق باختگی، بددیانتی اور انتہائی گھٹیا ذہنیت کے

مظاہرے دیکھے۔ تو انہیں ان لوگوں کے ہاتھ میں تحریک کی باگ ڈور دے دینے کی
اپنی غلطی کا زبردست احساس ہو گیا تھا۔ مگر اب وقت آگے نکل گیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد ۱۲-۱۳ فروری ۱۹۴۹ء کو جمعیۃ علمائے پاکستان
کے اجلاس منعقدہ کراچی میں مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے
اپنے صدارتی خطبے میں نہایت سوز اور درد سے ساری صورتحال کا جائزہ لیا آپ
نے قیام پاکستان کے محرکات اور اسباب پر روشنی ڈالی اور ڈیڑھ دو سال کے عرصے
میں اصل منزل سے کوسوں دور نکل جانے کا احساس دلایا۔ مگر چھینا جھپٹی، ہوسِ
اقتدار اور حرصِ مال و زر کی اس دوڑ میں کسے فرصت تھی کہ پاکستان کے اس سچے خیر خواہ
درد مند اور بے لوث قائد کی بات پر کان دھرتا۔ ہم آپ کے صدارتی خطبے کے بعض
اقتباسات یہاں پیش کرتے ہیں۔ اس سے قارئین کو اندازہ ہو گا کہ مجاہد اسلام حضرت
پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کو ایک فلاحی ریاست بنانے میں کتنی تڑپ اور درد
رکھتے تھے۔ یہ صدارتی خطبہ مولانا ظہور الحسن صاحب درس ناظم عمومی جمعیۃ علمائے سندھ
نے ناظر پریس میکلوڈ روڈ کراچی سے چھپوا کر ۱۹۴۹ء میں شائع کیا۔

آپ کا صدارتی خطبہ

آپ نے فرمایا۔

"حضرات! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ۱۹۳۷ء سے لے کر قیام
پاکستان تک ہمارے علماء و مشائخ کبار نے ملی تنظیم اور مسلم لیگ کے
انتخابی معرکوں اور لیگ کی تعمیر میں بے پناہ خدمات انجام دیں۔ ان

اکابر علما و مشائخ کے پیش نظر اپنی ملت کی تنظیم اور مسلمانوں کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کا جذبہ تھا وہ چاہتے تھے کہ انگریز کی غلامی و محکومی سے نکل کر ایک خالص اسلامی آزاد مملکت قائم کریں۔ ادھر کانگریس اپنی سرمایہ داری کے ساتھ مسلمانوں کے جداگانہ وجود ہی کو ختم کر دینے کے درپے تھی۔ اور چاہتی تھی کہ متحدہ ہندوستان میں ہندو قوانین جاری ہوں اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن ہندو تہذیب میں مدغم ہو جائے لیکن قائد ملت (قائد اعظم محمد علی جناح[1]) اور زعماء لیگ اور دوسرے تمام علماء و مشائخ نے انتہائی محنت سے مسلم لیگ کی تمام انتخابی مہمات کو کامیاب کیا اور مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ مسلم لیگ کی تحریک کو کامیاب بنا کر اپنا جداگانہ مذہبی و قومی وجود قائم رکھیں۔ اور ایک ایسی مملکت بنائیں جہاں قرآن حکیم اور شریعت محمدیہ کے ماتحت حکومت کی جائے چنانچہ ہر گوشہ کے مسلمانوں نے لبیک کہا اور ان نظریات کے ماتحت پاکستان کو ووٹ دیئے۔ قائد ملت مسٹر جناح اور ان کے ذمہ دار رفقاء کار بھی برابر اس کا اعلان فرماتے رہے کہ پاکستان کا دستور قرآنی ہوگا۔

لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ارباب حکومت پاکستان بلطائف الحیل اسلامی دستور کی ترویج کو ٹال رہے ہیں اور انہوں نے اب تک اسلامی دستور کی ترتیب و ترویج کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اب

[1] مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں جہاں قائد ملت کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے آپ کی مراد قائد اعظم ہیں۔

حکومت کا فرض ہے کہ وہ سب سے پہلی فرصت اور ہونے والی مجلس دستور ساز میں اعلان کرے کہ مملکت پاکستان کا دستور قرآن حکیم اور شریعت محمدیہ کے موافق ہوگا۔

اسلامی دستور میں معاشیات، اخلاقیات، عبادات و اعمال اقتصادیات تجارت اور سیاست کے جامع احکام موجود ہیں۔ ہم کو اشتراکیت سے بھیک مانگنے کی ضرورت ہے اور نہ مغرب کی شہنشاہیت اور ان کی حکومتوں کی نقالی کی حاجت ہے۔ اسلام دراصل خدا کے ساتھ مستحکم تعلق قائم رکھتے ہوئے اپنے ہر متبع کو اجازت دیتا ہے کہ وہ ہر قسم کی مادی ترقی کرے۔

اسلام نے دولت مندی اور سرمایہ داری کو قائم رکھتے ہوئے غریبوں کو سرمایہ داروں کی دولت میں شامل کیا۔ ان کی آمدنی کا چالیسواں حصہ سال گزرنے پر زکوٰۃ کا وصول کر کے غریبوں پر منتقل کیا صدقات و خیرات کی مدات غریبوں کے لیے معین کیں اور جو دولت کسی ایک کے قبضہ میں تھی اس کو ورثاء پر تقسیم کر دیا۔ اسی طرح امراء اور دولت مندوں پر لازم کیا کہ وہ غریبوں اور مزدوروں کے حقوق ادا کرتے رہیں اور ان کے اوپر بے جا تشدد ہرگز نہ کریں۔ غریبوں کو دولت مندوں جاگیرداروں اور عمال و حکام کے یہاں آزادانہ طور پر جانے کا حق دیا۔ اور مساوات انسانی قائم کر کے شاہ و گدا کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔

کاش ہماری مملکت پاکستان اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کا جائزہ لیتی کہ اس وقت پاکستان میں کیسی کیسی صلاحیت رکھنے والے

عناصر و افراد موجود ہیں اگر ان آزمودہ کار اور مسلم لیگ کے خدام کو ان کی قابلیتوں کے مطابق شعبہ جات حکومت پر لگایا جاتا تو آج وہ لوگ جنہوں نے تعمیر پاکستان میں بے پناہ خدمات انجام دیں پاکستان میں بھی بہترین خدمات انجام دیتے اگرچہ مشکلات وموانع کے باوجود وہ مصروفِ عمل ہیں مگر حکومت کی جانب سے کسی قسم کی ہمت افزائی نہیں ہوئی۔

اگر مملکت پاکستان نے جلد از جلد اسلامی دستور کی ترویج و ترتیب کا کام شروع نہ کیا تو ایک طرف اشتراکیت آزاد اسلامی پاکستان پر مسلط ہو جائے گی اور دوسری جانب مسلمانوں کے قلوب میں اپنی حکومت کی طرف سے بے اعتمادی کے جذبات پرورش پاتے رہیں گے۔

ہمارے قائد کے ان صاف و صریح بیانات کے باوجود کہ اس مملکت میں قرآنی دستور اور احکامِ دین جاری ہوں گے بے دینی، لامذہبی، دین سے استہزا و مذاق کیا جا رہا ہے شراب نوشی، زناکاری، بے حیائی، رشوت ستانی، اعزہ و دوست پروری، صوبجاتی عصبیت، غربا دشمنی، بڑے چھوٹے کے امتیازات جاری ہیں، جس پاکستان میں دینِ اسلام کے زریں اصول پر عمل کرایا جاتا وہاں اشتراکیت جیسی تحریک جس کی بنیاد و اساس مذہب اور خدا کے ساتھ جنگ کرنے پر ہو جس نے عبادت خانوں مذہب کا نام لینے والوں کے قتل و غارت گری سے آغاز حکومت کیا ہو۔ آج پاکستان میں اس تحریک کو پرورش کا موقع دیا جا رہا ہے اسی طرح قرآن پاک کے بالمقابل مغرب کے مخرب اخلاق اصول کو زندگی کا جزو بنایا جا رہا ہے۔ ایسے میں

علماء و مشائخ کا فرض اولین ہے کہ وہ جلد اپنی تنظیم کریں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کے لئے خانقاہی نظام کو متحرک کریں۔

یقین جانیئے کہ اگر عوام کی حالت کو ہم نے درست کر لیا تو خواص کو مجبوراً اپنی زندگی بدلنا پڑے گی۔ بزرگانِ دین کے عرسوں اور مذہبی معمولات مراسم کے موقعوں پر محرمات شرعیہ سے بچنے کی تبلیغ کی جائے۔ امراء و عمال کی صحیح خدمات کا اعتراف اور غلطیوں کی اصلاح کی پرزور کوشش کی جائے اور انہیں اس بات کا احساس کرایا جائے کہ وہ قوم کے خادم و ملازم ہیں ان کا طرزِ عمل غریبوں، ضرورت مندوں اور پریشان حالوں کے ساتھ اسلامی ہونا چاہیئے۔ ان کے دروازے وسیع ہوں۔

میری دعا ہے کہ خدا ہماری مملکت کو زیادہ سے زیادہ قوی فرمائے اور وہ وقت جلد لائے کہ حدودِ مملکت میں قرآن مقدس اور شریعت محمدیہ کے قوانین جاری ہوں"۔[1]

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان بنانے میں اہم کردار کیا تھا۔ آپ گداز قلب کے مالک تھے آپ نے حکام کی بداعمالیاں، ہوس زر اور عزیب کے ساتھ ظلم و زیادتی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تو سخت رنجیدہ ہوئے پاکستان بننے کے بعد ختم نبوت کے مسئلے پر لاہور میں گولی چلی تو فقرار کا بیان ہے کہ بنجود

---

[1] : خطبہ صدارت: عظیم البرکت فخر طریقت حضرت مولانا پیر عبدالرحمٰن صاحب سجادہ نشین بھرچونڈی شریف مطبوعہ کراچی ۱۹۴۹ء ص: ۱۳، ۵، ۷، ۸

غم کی وجہ سے ساری رات سو نہ سکے۔ اور اس موقع پہ پہلی دفعہ آپ کی زبان سے مسلمانوں پہ گولی چلانے والوں کے خلاف بددُعا نکلی۔

قیامِ پاکستان ایک لحاظ سے سو سالہ تاریخی جدوجہد کی منزل تھی منزل ملنے کے بعد اسے گم کرنے یا دھندلانے کی شعوری کوششیں شروع ہوئیں تو آپ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گئے ایک ایسا مجاہد جس کی پوری زندگی جہد و حرکت کی آئینہ دار تھی یوں خاموش کیوں ہوا۔ راقم کا خیال ہے کہ آپ نے احتجاجاً علیحدگی اختیار کر لی مگر نقار خانے میں کسی کو کیا پڑی تھی کہ وہ ادھر دھیان بھی دیتا۔ انہوں نے اسے غنیمت سمجھا کہ جان چھوٹی۔

کرسی اور پیسے کا یہ کھیل تماشہ جاری تھا کہ اچانک ۱۹۵۸ء میں جنرل محمد ایوب خان نے مارشل لاء لگا کر رہی سہی کسر پوری کر دی۔ حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اتنی محنت سے تیار کردہ فصل کی یہ تباہی دیکھی تو آپ برداشت نہ کر سکے اور اچانک تیاری ہونے لگی کسی کو کچھ پتہ نہ تھا کہ کہاں کی تیاری ہے ؛ کس مقصد کی خاطر ہے؟ آخر آپ سابق ریاست قلات کے شہر گنداواہ پہنچے۔

گنداواہ کا احتجاجی سفر

سابق ریاست کا یہ علاقہ بے آب و گیاہ پہاڑی علاقہ ہے جہاں میلوں تک آبادی کا نام و نشان تک نہیں ہے سر بفلک پہاڑوں اور چٹیل میدانوں کا ایک طویل سلسلہ موجود ہے کہیں کہیں معمولی قصبے یا چھوٹے چھوٹے شہر آباد ہیں آپ نے گنداواہ سے بھی تقریباً پندرہ بیس میل آگے بالکل سنسان علاقے میں ایک پہاڑ کے دامن میں اپنا خیمہ لگایا۔ تھوڑے دنوں میں صاحبزادگان، اندرونِ عالم اور جماعت کے بہت سے

درویش بھی پہنچ گئے۔ اس سفر میں سواری کی کوئی سہولت موجود نہ تھی۔ کرائے کے اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعے یا پیدل یہ راستے طے ہوتا۔ جماعت فقرا کو پتہ چلا تو وہ اپنے یوسف گم گشتہ کی تلاش میں دیوانہ وار پہاڑوں اور وادیوں کا سفر کرتے ہوئے وہاں پہنچنے لگے۔ کامل فقیر لانگری کا بیان ہے کہ روزانہ آنے والے زائرین کی تعداد سینکڑوں میں ہوتی۔ بیشتر نازک مزاج لوگ وہاں پہنچتے تو ان کے پاؤں چھالے چھالے ہو چکے ہوتے مگر یہ لوگ اس تکلیف کو راحت سمجھتے۔ ؎

اِن آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر

لوگوں نے مختلف قیاس آرائیاں کیں مگر آپ نے ایک ملاقات میں راقم کے والدِ گرامی حضرت سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ سے فرمایا "پاکستان کے حکمران جو کچھ کر رہے ہیں میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ میں چند دن ایسی جگہ رہنا چاہتا ہوں جہاں ان کے کارناموں کی اڑتی سی خبر بھی میرے کانوں میں نہ پہنچے جس ملک کو اتنی قربانیوں کے بعد ہم نے اسلام کی خاطر بنایا تھا وہاں کھلے بندوں اسلام کی تضحیک ہو رہی ہے ہم اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم آنکھوں سے تو یہ سب کچھ نہ دیکھیں۔ باقی ان لوگوں سے خدا نمٹے گا۔"

ایک درویش باخدا کے قدموں کی برکت سے یہ ویرانہ شہروں سے زیادہ پُر رونق اور آباد ہو گیا۔ فقرا اور درویشوں کے مسکن اور چھولداریاں میدانِ عرفات میں حاجیوں کے خیموں کا منظر پیش کرتیں۔ اس ویرانے میں رات کے پچھلے پہر درویش نفی و اثبات کی صدائیں بلند کرتے۔ تو یوں لگتا جیسے کائنات پہ مستی چھا گئی ہے اور سر بفلک پہاڑ اور

چٹیل میدان بھی حلقۂ ذکر میں شامل ہو گئے ہیں ۔

آپ نے پانچ ماہ کا عرصہ انسانی آبادی سے دور اس ویرانے میں گزارا۔ سیّد العارفین حافظ الملت حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ اور شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبد اللہ علیہ الرحمۃ کے اعراس بھی اسی جگہ ہوتے ۔ راقم السطور کے والد گرامی حضرت سیّد مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے آپ کی خدمت میں ایک خط بھجوایا جس میں حضرت حافظ الملت کے مسکن دار الامن بھرچونڈی شریف سے مستقل نقل مکانی کو روحانی اعتبار سے مناسب نہ ہونے کی طرف آپ کی توجہ دلائی ۔ احادیث نبویہ کے حوالہ جات سے آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ نے اپنا فرض پورا کر دیا ۔ اب اِس ملک کو اس کے حقیقی خطوط پر چلانے کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو اس کے کرتا دھرتا بنے ہوئے ہیں دنیا میں خیر و شر ازل سے چلے آئے ہیں اور موجود رہیں گے ۔

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است

آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اپنے خیال سے یا اس خط کے نتیجے میں پانچ ماہ کے بعد آپ درگاہ عالیہ بھرچونڈی شریف واپس تشریف لائے ۔ یہ آپ کا آخری زمانہ تھا ۔ طبیعت علیل تھی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات نماز کے لیئے آپ کو اٹھا کر لایا جاتا ۔

وصالِ پُر ملال

معشوق ، ریاضؔ اُٹھ گئے اِس بزم سے کیا کیا

جاتی ہوتی دُنیا ہے رہے نام خدا کا

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ کے وعدۂ ازلی کے مطابق بالآخر وہ وقت آن پہنچا جب اللہ کا یہ مقبول بندہ ، اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا محب ، ملتِ اسلامیہ کیلئے درد مند دل رکھنے والا انسان اور دُنیائے انسانیت میں اسلام کے احیاء اور غلبے کا شیدائی اپنی حیاتِ مستعار کے دن پورے کر کے اپنے مالکِ حقیقی کے حضور حاضری کی تیاری کرنے لگا ۔ حضرت پیر سیّد مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ نے وصال کی کیفیت کا جو نقشہ کھینچا ہے عینی شاہد کی حیثیت سے اُن سے زیادہ بہتر اور وقیع بات اور کون کر سکتا ہے لہذا اِس حادثۂ فاجعہ کی تفصیلات انہی کی زبانی سنتے ہیں ۔

" وصال سے تقریباً سات آٹھ سال پہلے پُشت پر کاربنکل پھوڑا نکلا تھا ۔

اُس نے آپ کی مثالی صحت پر کافی اثر ڈالا اور آپ اکثر بیمار رہنے لگے ربیع الاوّل ۱۳۸۰ھ میں بیماری نے طُول پکڑا اور آپ ذی فراش ہو گئے جماعت دور دور سے آنے لگی جماعت کے ہر فرد پر فراق کا ایک مجہول سا خوف طاری تھا۔ سب لوگوں کے چہروں پر اُداسی اور مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ ۷ رجمادی الاوّل کو آپ نے اِس فقیر (حضرت سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ) کو بلوا کر سورۂ واقعہ سُنی جس میں قرآنی بلاغت نے اپنے مخصوص انداز میں نعمائے الٰہی کا نقشہ کھینچا ہے۔ کلام الالٰہ، الرا لکلام، شاید نعمتِ عظمٰی الٰہی (جو جنت میں اہلِ جنّت کو نصیب ہوگی) کی پیاس اور تشنگی نے بیقرار کر رکھا تھا۔

۸ رجمادی الاوّل کو سورۂ فتح کا پہلا رکوع سُنا جس میں اشارہ تھا کہ مشتاقِ دید نے نعائمِ الٰہی کے ذکر میں اِس بے نیازہ کا جلوہ دیکھ لیا اور اِس جلوے کے نظارے کو فتح مبین کے حسین لفظوں میں سن کر شاد کام ہوا۔ اور رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اتمام نعمت کا مژدۂ روح افزا مل گیا۔ قلب مومن میں سکینۂ الٰہیہ کا نزول مزید عرفان و یقین کا باعث ہوا۔

بڑے صاحبزادے مجاہد ملّت حضرت پیر عبدالرحیم شہید علیہ الرحمۃ سکھر ضروری کام سے جانے لگے تو خلیفہ فتح محمد (ڈرائیور) کو بطورِ خاص تاکید فرمائی کہ اسے (پیر جی کو) جلدی واپس لے آنا۔ وقت ذرا زیادہ گزرنے لگا تو بار بار آدمی بھجواتے کہ پتہ کرو عبدالرحیم (شہید علیہ الرحمۃ) واپس آیا ہے کہ نہیں۔ اِس اثنا میں حضرت شہید بھی خدمت میں آموجود ہوئے۔

بعض حضرات کا خیال تھا کہ سکھر کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر کو طبیعت دکھا لی جائے چنانچہ خلیفہ فتح محمد پھر سکھر گیا۔ اور ۸ بجے شب ڈاکٹر کو لے آیا۔ ڈاکٹر بھر چونڈی

شریف میں دو گھنٹے رہا۔ اور معمولی ہدایات دے کر واپس چلا گیا۔

اُس وقت طبیعت کافی نحیف تھی آپ آنکھیں بند کیے سو رہے تھے۔ گویا فانی نظاروں سے آنکھیں بند کر کے لافانی نظارے میں محو تھے۔ یہ فقیر (حضرت سید پیر مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ) پلنگ سے دو چار ہاتھ کے فاصلے پر سامنے کھڑا ہے آپ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا مغفور! میں قریب ہوا تو فرمایا "ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً"۔ یہ اشارہ تھا کہ اندرونِ خانہ معصوم صاحبات پر جانگداز واقعہ آنے والا ہے ان کی باقی عمر گریہ و زاری میں گزرے گی لہٰذا یہ آیت چینی کی طشتری پر لکھ کر انہیں پلا دینا تاکہ اِس واقعہ فاجعہ کا اثر دیر تک ان کے دلوں پر قائم نہ رہے۔ یہ آیت اِس باب میں بہت مفید ہے۔ واضح رہے کہ جب آپ نے مجھے عملیات سمجھائے تو اِس آیت کا عمل بھی سمجھایا تھا۔ اِس آیت کو لکھ کر پینا یا پلانا خاص طور پر مصیبت زدہ مستورات کیلئے نہایت فائدہ مند ہے۔

رات خاموشی کے عالم میں گزاری۔ صبح وہ دن آ گیا جس کے تصوّر سے ہم لوگ پہلے کانپ رہے تھے ۹ رجمادی الاوّل ۱۳۸۰ھ مطابق ۳۰ راکتوبر ۱۹۶۰ء بروز اتوار ایک بجے دن وہ انسان ہم سے رخصت ہوا جس کی انسانیت لاکھوں انسانوں کی مقتدا تھی اور جس کی روحانیت شہرستانِ رُوح کی تاجدار، جس کو ایک نظر دیکھ لینے سے دلوں میں اللہ اللہ کی ضربیں سنائی دیتی تھیں جس کا چہرہ اداس دلوں کو صبح کی تازگی بخشتا تھا اور رونے والوں کو تبسم جو بیک وقت مریدوں کا رحیم باپ بھی تھا اور پیر بھی، استاد و معلم بھی تھا اور مربی بھی۔ جس کی صحبت رو گرفتہ دلوں کا درماں تھی جو صورت میں عبدِ رحمان تھا تو سیرت میں رحمتِ رحمان۔ آہ! ایک حجتِ ایزدی، ایک آیۂ رحمت اور سایۂ عاطفت ہمارے سروں سے

اُٹھ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

بچھڑا وہ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص کل جہان کو ویران کر گیا

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گئی ہر طرف سے انسانوں کا ایک سیلاب اُمڈا چلا آتا تھا۔ فریاد و فغاں، چیخ و پکار، اور گریہ و بکا کا یہ عالم تھا کہ انسانوں کے ساتھ زمین و آسمان اور فرشتے بھی گریہ وزاری میں مصروف نظر آتے دوسرے روز (سوموار) روضہ عالیہ میں اپنے والدِ گرامی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

روضہ مبارک میں فاتحہ کیلئے جاتا ہوں تو فاتحہ بھول جاتی ہے آہ! کس کو فاتحہ دوں، اُسے جو ہم سے جُدا ہو گیا۔ نہیں نہیں دل کہتا ہے وہ ہم سے جدا نہیں ہونے کا۔ ایسے لوگ مرا نہیں کرتے۔ ایک انقباض کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے آنکھیں بند کرکے عرض کرتا ہوں اور فوراً نکل آتا ہوں۔

ویراں ہے میکدہ خُم وساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حُلیہ مبارک

بلند و بالا قامت، اعضا گوشت سے بھرے ہوئے، رنگ کھلتا ہوا چہرہ صبیح

قدرے کتابی، آنکھیں بڑی بڑی اور سرگیں، پیشانی کشادہ اور چمکدار، ناک ستواں، رخسار ذرا بھرے ہوئے نہ پچکے ہوئے، موتی جیسے دانت، داڑھی گھنی قبضہ تک لمبی، خط قدرتی بنا ہوا، آواز گرجدار، بڑے بڑے اجتماعات میں آپ کی آواز پہلی اور آخری صف والے یکساں سنتے۔ قرأت قرآن میں الفاظ ٹھہر ٹھہر کے ادا فرماتے۔ جیسے موتی پروئے جا رہے ہوں۔ سر کے بال شانوں کو چھونا چاہتے۔ دو ایک دفعہ قصر بھی فرمایا۔ سر مبارک پر سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دستار یا کلاہ قادری، ہاتھ میں عصا، پیراہن پنڈلیوں تک اور گریبان سیدھا سینے پر۔ شلوار ٹخنے سے تقریباً چار انگل اوپر تاکہ رکوع میں جاتے وقت بھی اسبال کی وعید سے بچاؤ رہے۔ سردیوں میں اوپر جبہ بھی ڈالتے جس کا حاشیہ بہت خوبصورت ہوتا۔ رفتار میں متانت اور سنجیدگی۔ رعب کا یہ عالم کہ آنکھ اُٹھا کر چہرے کو کوئی نہ دیکھ سکتا۔ زندگی بھر منہ سے کوئی فحش کلمہ یا گالی نہیں سنی گئی قہقہہ لگا کے ہنستے ہوئے آپ کو کبھی نہیں دیکھا گیا۔ روپے پیسے کو زندگی بھر ہاتھ نہیں لگایا۔ اہلِ دنیا اور افسران کے ساتھ ملنے سے کتراتے۔ مشائخ اور علما کو خود چل کر ملتے۔

(عباد الرحمٰن ص ۲۰۱، ۲۰۳)

پیر طریقت حضرت سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے وصال پر یہ تاریخ وصال نکالی۔

آہ رحلت نمود شیخ زماں — گشت پنہاں زچشم فیض رساں
عالم و کامل و ولی افخم — مقتدا و مجاہد اعظم
جن و انساں بدند نعرہ زناں — آسمان و زمیں گریہ کناں
چوں بہ ایوان کفر کرد نگاہ — خواست غوغائے ضرب الا اللہ

ہر مقامیکہ کرد منزل گاہ	مسجد آزاد گشت منزل نگاہ
بزم او بود بزم پُر انوار	عزم او بود قوت کرار
عبد رحمان در رحمتِ رحمان	قاسم جام بادۂ عرفان
کنت روح الحیاۃ للجسد	ایہا الشیخ ذخرتی لغد
سنت یوسف است زندہ ز تو	باطل از داغ سر نگندہ ز تو
بردعائے تو اعتماد و سرور	غفر اللہ ایہا المغفور
کان یحیی العظام وھی رمیم	فاذ من جاءہٗ بقلب سلیم
حجۃ اللہ کان فی الناسوت	واقف از سرِ عالم لاہوت
فکر تاریخ وصل او کردم	رنج بسیار در طلب کردم
روز یکشنبہ رفت مستعجل	ہم مہ جمادی الاوّل

گفت رضوان خازن الجنۃ

فازا فوزًا عظیم فی الجنۃ

۱۳۸۰ھ

ملک کے قومی پریس نے آپ کے وصالِ پُر ملال کی خبر نمایاں طور پر شائع کی اور اسے قومی سانحہ قرار دیا۔ پیشوائے سلسلہ قادریہ اعلیحضرت پیر صاحب پگارا مدظلہٗ نے پہلے دن اپنا نمائندہ بھیجا اور ایک ماہ کے بعد خود قدم رنجہ فرما کر صاحبزادگان اور جماعت کے ساتھ تعزیت کی۔ اور بھرچونڈی شریف کے چوتھے سجادہ نشین کی حیثیت سے آپ کے بڑے صاحبزادے مجاہدِ ملت حضرت پیر عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ کی نامزدگی کے جماعتی فیصلے کی توثیق فرمائی۔ سندھ کے بیشتر مشائخ، علمائے صلحا، نواب، سردار، وڈیرے

اور افسران درگاہِ عالیہ میں تعزیت کیلئے حاضر ہوئے۔ محتاط اندازے کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں نے آپ کے جنازے میں شرکت کی۔ تیسرے روز حسبِ دستور خانقاہی قل خوانی میں آپ کے بڑے صاحبزادے مجاہدِ ملت حضرت پیر عبد الرحیم شہید علیہ الرحمۃ کی دستار بندی ہوئی اور آپ نے بھرچونڈی شریف کے چوتھے سجادہ نشین کی حیثیت سے اپنی خدمات سنبھالیں۔

اس موقع پر غزالیٔ زماں رازیٔ وقت شیخ المشائخ حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ماہنامہ "السعید" میں جو شذرہ لکھا ہم اسے من و عن نقل کر رہے ہیں۔ ولی را ولی می شناسد کے مطابق حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ ایسے عالمِ حقانی اور صاحبِ نظر بزرگ سے بہتر اور وقیع بات اور کون کر سکتا ہے۔ یہ شذرہ نومبر ۱۹۶۰ء یعنی آپ کی وفات کے دوسرے ماہ شائع ہوا۔ تیس بتیس سال بعد "السعید" کی فائلوں سے یہ تاثرات تلاش کرکے بھجوانے میں میرے دیرینہ دوست اور کرم فرما حضرت علامہ مفتی غلام مصطفےٰ رضوی مدظلہ العالی مفتی مدرسہ "انوار العلوم" نے بڑی مدد فرمائی۔ جزاءھم اللہ خیر الجزاء۔

"غزالیٔ زماں کے تاثرات"

مجاہدِ ملت حضرت پیر بھرچونڈی شریف کا وصال

"ملک بھر میں یہ خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی جائے گی کہ حضرت قبلہ پیر عبد الرحمٰن صاحب قدس سرہ العزیز شیخ المشائخ بھرچونڈی شریف ۹ جمادی الاوّل ۱۳۸۰ھ بروز اتوار بوقت تین بجے دن رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے۔ حضرت کی ذات ستودہ صفات محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ سلسلہ عالیہ قادریہ کے ایک روحانی شیخ، عالم باعمل، متقی، پرہیزگار بزرگ

تھے. بلند اخلاق اور نہایت پاکیزہ کردار کے حامل تھے. آپ کا حلقۂ عقیدت بہت وسیع ہے
پاک و ہند میں ہزاروں سے زیادہ مریدین، مسترشدین کی تعداد پائی جاتی ہے. آپ نے مذہب
ملت کیلئے بڑی ہی قربانیاں دیں، جماعت احیائے اسلام قائم فرمائی. اور اس کی سرپرستی کے
فرائض نہایت اعلیٰ معیار پر انجام دیئے. ہر مرحلہ پر عقائد اہلسنت کی حمایت دین و مذہب کی حفاظت
اور مسلمانوں کی مذہبی اصلاح و رہنمائی حضرت ممدوح کے زرّیں کارناموں میں سے ہے مذہب کے
ساتھ آپ کی ذاتِ مقدسہ میں اسلامی سیاست کا بھی شعور تمام پایا جاتا تھا اور اس میدان میں
بھی حضرت ممدوح نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں.

علماء کے ساتھ حضرت کو خاص محبت تھی اور علومِ دینیہ کی ترویج کا خاص ذوق رکھتے
تھے علماء کی خدمت، دینی مدارس کی گرانقدر امداد و اعانت ہمیشہ فرماتے رہے حضرت کی روحانیت
نہایت قوی تھی اس لئے حضرت کی جماعت مریدین مسترشدین کے قلوب میں حضرت اقدس کی
ایسی بے مثال والہانہ محبت و عقیدت پائی جاتی ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا.

اس دور میں حضرت کی ذاتِ والا صفات مقربینِ بارگاہِ ایزدی میں ایک ممتاز
حیثیت رکھتی تھی حضرت کی رحلت اُمت مسلمہ کیلئے عموماً اور ممدوح اقدس کے مریدین و مسترشدین
خلفائے کرام و صاحبزادگان عظام کیلئے خصوصاً ناقابل بیان رنج و الم کا موجب ہے.

فقیر راقم الحروف حضرت کے وصال سے ۱۸ دن پہلے بھرچونڈی شریف حاضر ہو کر
زیارت سے مشرف ہوا تھا. دو ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا. فقیر کی حاضری پر اظہارِ فرحت
اور چہرۂ مبارکہ کی بشاشت کا منظر عمر بھر فراموش نہ ہو سکے گا.

احقر انتہائی رنج و الم اور بے پناہ صدمہ کے جذبات دل کی گہرائیوں میں لیئے
ہوئے حضور ممدوح کے صاحبزادگان کرام، خلفاء عظام اور جمیع مریدین و مسترشدین کی خدمت

میں تعزیت پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ رب کریم حضرت ممدوح کو
جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت کرے
اس کے ساتھ ہی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھرچونڈی شریف کے فیوض و برکات کو ہمیشہ اسی
طرح جاری و ساری رکھے اور اس روحانی چشمۂ فیض سے تشنگانِ معرفت ہمیشہ سیراب
ہوتے رہیں. آمین

سید احمد سعید کاظمی غفرلہٗ

(ماہنامہ "السعید" ملتان شمارہ نومبر ۱۹۶۰ء ص ۳۸)

لطائفِ رُوحانی

یہ مختصر باب ہم "عباد الرحمٰن" سے نقل کرتے ہیں۔ مصنف "عباد الرحمٰن" لکھتے ہیں۔

"صاحبانِ ارشاد و تلقین نے تزکیہ باطن کیلئے مختلف طریقے ایجاد کئے ہیں۔ دل کو عربی زبان میں قلب کہا جاتا ہے جس کے معنی پلٹنے کے ہیں چونکہ دل تغیر پذیر ہے اور ہر دیکھی ہوئی چیز کا اثر فوراً قبول کرلیتا ہے اِس لیئے روحانی معالجوں نے اس میں صرف یادِ الٰہی سمو دینے کیلئے کچھ اوراد مقرر کئے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اِن اوراد کی ضرورت نہ تھی۔ ان کے تزکیۂ نفس کیلئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کا جمالِ جہاں آرا کافی تھا۔ تابعین کو بھی صحابہ کرام کی صحبتِ مقدسہ نے اِن اشغال سے بے نیاز کر دیا تھا۔ بعد والے مشائخ نے جب دیکھا کہ قلوب زنگ آلود ہو چکے ہیں قلوب

لہٰذا ذکرِ الٰہی کو جاگزیں کرنے کیلئے جس لطافت اور صفائی کی ضرورت ہے وہ خیر القرون سے بُعد کی وجہ سے روز بروز مفقود ہوتی جا رہی ہے لہٰذا انہوں نے سالکانِ راہ کیلئے چند ایک مفید گُر بتلائے تاکہ دل خیالاتِ نفسانی سے پاک ہوکر عرشِ الٰہی بن جائیں۔

فقیر راقم کو چونکہ حضرت والاؒ (مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ) ہی نے یہ لطائف سمجھائے اِس لیئے اُن کے ذکر میں چند اشغال درج کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین بھی اُن سے مستفید ہوں لیکن یاد رہے تیر وہ نشانے پر بیٹھتا ہے جو کمان سے نکلے یہ اشغال بھی اُسی وقت مفید ہو سکتے ہیں جب کسی کامل کی زبان سے نکلیں۔

طریق المراقبہ

مشائخ کی اصطلاح میں مراقبہ اپنے ہونے کی نفی کا نام ہے کیونکہ اس راہ میں اپنے ہونے کا اثبات بہت بڑا گناہ ہے۔ ؎

وجودک ذنبٌ لا یُقاسُ بہٖ ذنبٌ

طالب کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اپنی انانیت کی نفی کرے انانیت اپنی حقیقت اور باطن کو غیر حق سبحانہٗ تعالیٰ کے تصور کرنے کا نام ہے یعنی اپنی حقیقت کو غیر نہ سمجھے آنکھوں کو بند کرکے اپنے ہونے کی نفی اور حق کا اثبات کرے۔ ضروری نہیں کہ اپنے دم کی آمد و رفت پر نگاہ رکھے کلمۂ طیبہ کی نفی و اثبات کا لحاظ بھی ضروری نہیں بلکہ قیام و قعود، حرکت و سکون حتیٰ کہ کھانے پینے میں معنی کا لحاظ رکھے۔

نفی و اثبات

شغل اوّل من طریقۃ النقشبندیہ العالیہ: دم بند کرے اور لا کو لطیفۂ نفس سے لطیفۂ سری خفی اخفی تک، وہاں سے الٰہ لطیفۂ روحی تک وہاں سے الا اللہ سری تک اور ہائے اللہ دل پر مارے۔

ایک ہی حبس میں اکیس دفعہ دوسری دفعہ محمد رسول اللہ، اگر اکیس تک نہ پہنچ سکے تو جہاں تک پہنچ سکے، یہی عدد اکیس بار تمام وظیفہ ہے۔

شغل حضور اوّل من طریقۃ النقشبندیہ العالیہ:

طالب اِس تصور میں مستغرق رہے کہ وہ پتھر، کنکر ہے کسی محرک کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔

اسئل اللّٰہ العظیم ان یشغلنی وایاک بحب ذاتہٖ و معرفتہٖ حتیٰ لا اریٰ الّا ایاہ ولا اسمع الا منہ ولا انظر الّا الیہ ولا اتکلم الّا بذکرہٖ الّا بذکرہٖ تطمئن القلوب؛

"خدائے برتر و کارساز سے دُعا مانگتا ہوں کہ مجھے اور تمہیں اپنی ذات کی محبّت اور معرفت میں مشغول رکھے تا کہ صرف اسی کو دیکھوں۔ صرف اسی کی بات سنوں، جب بولوں تو اسی کا ذکر کروں۔ ہاں اللہ کے ذکر سے دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے۔

یہ ایک وسیع باب ہے میں نے چند اشغال پر اکتفا کیا ہے اِن چیزوں کو کیونکہ اب ان میں دلچسپی لینے والے لوگ بہت کم رہ گئے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس میدان کے لوگوں کیلئے یہ اشغال نہایت قیمتی اور مفید ثابت ہوں گے۔" عباد الرحمٰن ص ۱۹۰ - ۱۹۱

مُعاصرینؒ

جن کے ساتھ آپ کے مخلصانہ روابط زندگی بھر قائم رہے

تعلقات کے سلسلے میں آپ انتہائی وسیع المشرب تھے اور صرف انسانی رشتے کی بنیاد پر تعلقات استوار کرتے تھے اور پھر انہیں اِس وضعداری اور شان کے ساتھ نباہتے کہ اس کی مثال عموماً کم نظر آتی ہے آپ کے تعلقات غیر مسلموں نظریاتی اور فکری مخالفوں کے ساتھ بھی برابر قائم رہے۔ مقامی قصبوں، ڈہرکی، اوباڑو، میرپور ماتھیلو کی ہندو برادری شادی غمی کے مراسم میں باقاعدہ شامل ہوتی۔ متعدد انگریز افسران اخلاق عالیہ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ہمیشہ دُعا و زیارت کیلئے حاضر ہوتے۔ الغرض سوشل تعلقات کے سلسلے میں آپ کی زندگی کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآن کے حامل صلی اللہ علیہ وسلم کا عکسِ جمیل تھی۔ اپنی جماعت مریدین کے لاکھوں افراد کے دلوں کی دھڑکن تو آپ تھے ہی

مگر جن دوسرے معاصرین سے آپ کے مخلصانہ روابط قائم ہے ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح، فقیراپی مرحوم، پیر صاحب مانکی شریف، مولانا عبدالحامد بدایونی، امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری، سردار عبدالرب نشتر، مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ جمال دین والی، سردار رئیس غازی محمد خان اندھڑ دیانی جام مسو بھوتنگ، جام فتح محمد خان عرف جام بھجو خان، پیر علی محمد راشدی، پیر حسام الدین راشدی جی ایم سید، میر جعفر خان جمالی اوباوڑو، سردار بہادر قیصر خان بزدار، خان بہادر اللہ بخش سومرو (وزیراعلیٰ سندھ) سردار بہادر محمد ایوب کھوڑو، سردار علی گوہر خان مہر، سید حاجی عبداللہ ہارون، پیر غلام مجدد سرہندی، پیر محمد ہاشم جان سرہندی، آغا عبداللہ جان سرہندی، سردار عبدالرحیم خان کھوسہ جیکب آباد، سردار جاگن خان بھیو، سردار دادن خان لُنڈ، سردار خدا بخش خان پتافی، میر علی بلاول خان ڈومکی، سردار بہرام خان بجارانی (مشہور قومی ورکر میر مہران کے والد) سردار صاحب شرف بیعت بھی رکھتے تھے۔ سردار محمد اکبر خان کانجو رحیم یار خان، سردار عمر بخش خان کانجو رحیم یار خان، عبدالرزاق خان ڈاہر جام بشیر احمد خان ڈاہر، جام احمد یار خان ڈاہر، پیر سید محمد انور شاہ صاحب پیر گوٹھ اوباوڑہ سردار واحد بخش خان سرکی، سردار شیر علی خان جکھرانی، میر عبدالغفار خان کھوسہ، حاجی عبدالغنی خان کھوسو جنگوانی، سردار حاجی اللہ وسایا خان گوپانگ، مفسرِ قرآن حضرت مفتی احمد یار خان گجراتی، رئیس العلماء ابوالبرکات سید احمد قادری لاہور، مولانا محمد نواز صاحب دیسی رحیم یار خان مولانا ظہور الحسن درس کراچی، پیر الٰہی بخش صاحب (سابق وزیراعلیٰ سندھ) قاضی فضل اللہ (مشہور سیاستدان) شیخ عبدالمجید سندھی، میر بندہ علی خان (سابق وزیراعلیٰ سندھ) میر غلام علی خان

مولانا محمد صادق کھڈہ والے، خطیب سرائیکی سید حاجی شاہ صاحب فائق مرحوم۔ ان میں سے کچھ حضرات شرفِ بیعت سے بھی سرفراز ہوئے۔

امین الملت میر محمد امین خان کھوسو اپنی کتاب "سندھ جو سید" میں لکھتے ہیں۔

"میں یوں تو جی ایم سید کی خدمت میں ہزاروں دفعہ حاضر ہوا۔ مگر ایک دفعہ اپنے آقا شیخ المشائخ حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ایسے سلطان نادرویش کے پرشکوہ جماعتی جلوس کے ساتھ حاضر ہوا۔ جی ایم سید نے پوری جماعت کی ضیافت کی۔ آپ نے ظہر اور عصر کی نمازیں باجماعت حیدر منزل (کراچی میں جی ایم سید کی رہائش گاہ) پر ادا کیں۔ ظاہر ہے اگر میرا دل زلفِ گرہ گیر کا اسیر نہ ہوتا تو یہ دعوت قبول ہی نہ ہوتی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سندھ میں جن جن حضرات سے میرا رشتۂ مودت قائم تھا ان سب نے حضرت سائیں کی دعوتیں کیں۔ ضیافتیں پیش کرنے والے چند نام یہ ہیں۔

جناب حضرت پیر مہدی شاہ سائیں جھنڈے والے، راشدی برادران، خان بہادر اللہ بخش شہید، پیر الٰہی بخش، قاضی فضل اللہ، شیخ عبدالمجید سندھی میر بندہ علی خان، میر غلام علی خان، حضرت مولانا محمد صادق کھڈہ والے۔[1]

متذکرہ بالا حضرات میں سے حاجی عبدالغنی کھوسو جنگوانی، سردار حاجی اللہ وسایا خان گوپانگ، میر عبدالغفار خان کھوسو آپ کے انتہائی جان نثار فدائی اور مخلص مریدین میں شامل ہونے کے باوجود بے تکلف اور مزاج شناس ہونے کا شرف بھی رکھتے تھے۔ ضلع رحیم یار خان

---

[1] "سندھ جو سید" ۲۰ مطبوعہ حیدرآباد

کے مریدین میں سے عمدۃ الصلحٰی میاں غریب شاہ صاحب ہاشمی سنجرپوری اور ان کے فرزند میجر بشیر احمد صاحب میاں نذیر احمد صاحب اور ان کا سارا خاندان، رحیم یار خان میں حافظ الملک صدیق الامت حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ سے شرفِ بیعت رکھنے والے نامور بزرگ قاضی محمد ہاشم علیہ الرحمۃ کا خاندان اور کانجو خاندان کے سردار عمر بخش خان کانجو اور محمد اکبر خان کانجو کا خاندان۔ خان پور ضلع رحیم یار خان سے نامور اہلِ علم علامہ منظور احمد نفطی فخر الحفاظ حافظ مقبول احمد صاحب نظامی اور ان کے برادران۔ وڈیرا برادری کے منشی خدا بخش اور حاجی کریم بخش مرحوم۔ متو مبارک کے ملک اللہ بخش، ملک جندوڈہ اور ان کے اخلاف میانوالی قریشیاں کی کہل برادری کے حافظ غلام محمد، خان پور کے علاقہ سے خٹک برادری کے حاجی بہرام خان خٹک، اللہ آباد سے حافظ رحیم بخش ہاشمی، منشی دین محمد ترک، قاضی واحد بخش جام پوری (تحصیل خان پور) میاں احمد بخش سومرو ریلوے گارڈ سکنہ خان پور ایسے نام ہیں جن کے ساتھ حضرت والا کی شفقت، محبت اور خصوصی لطف و کرم کا برتاؤ خاندان کے افراد کی طرح رہا۔ بحمد اللہ ان میں سے کچھ لوگ زندہ ہیں باقیوں کی آل اولاد بدستور رشتۂ عقیدت و محبت استوار کئے ہوئے ہے ؎

یک چراغے است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند

سلسلۂ عالیہ قادریہ راشدیہ صدیقیہ

مرشدِ کل محبوبِ ازل سرورِ عالم حبیبِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مدینہ منورہ

پیشوائے اولیاء باب مدینۃ العلم حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ۴۰ھ نجف اشرف

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ م ۶۱ھ کربلا
امام علی زین العابدین رضی م ۹۴ھ مدینہ منورہ
امام محمد باقر رضی اللہ عنہ م ۱۱۴ھ "
امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ م ۱۴۸ھ "
امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ م ۱۸۳ھ بغداد
امام موسیٰ علی رضا رضی اللہ عنہ م ۲۰۳ھ ایران

حضرت حسن بصری رح م ۱۱۰ھ بغداد
حضرت حبیب عجمی رح م ۱۵۶ھ بصرہ
حضرت داؤد طائی رح م ۱۶۵ھ بغداد

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ م ۲۰۰ھ بغداد
حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ م ۲۵۳ھ بغداد

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۲۹۸ھ بغداد

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۳۳۴ھ بغداد

حضرت عبدالواحد تمیمی رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۴۲۵ھ بغداد

حضرت ابوالفرح طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۴۴۷ھ طرطوس

حضرت ابوالحسن ہنکاری رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۴۸۶ھ بغداد

حضرت ابوسعید مبارک مخزّمی رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۵۱۳ھ بغداد

پیرِ پیراں غوث اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ م سنہ ۵۶۱ھ بغداد

حضرت سید سیف الدین عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۵۹۳ھ بغداد

حضرت سید صفی الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۶۱۱ھ بغداد

حضرت سید ابوالعباس احمد رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۶۳۰ھ حلب

حضرت محی الدین مسعودؒ رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۶۶۰ھ حلب

حضرت ابوالحسن ضیاء الدین علی رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۷۱۵ھ حلب

حضرت ابومحمد سراج الدین شاہ میر گیلانیؒ م سنہ ۷۶۶ھ حلب

حضرت شمس الدین محمد اعظم گیلانی رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۸۳۴ھ حلب

حضرت ابوعبداللہ محمد غوث گیلانی حلبیؒ م سنہ ۹۲۳ھ اوچ

حضرت سید عبدالقادر ثانی رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۹۴۰ھ اوچ

حضرت سید عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۹۴۲ھ اوچ

حضرت سید حامد گنج بخش کلاں رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۹۷۸ھ اوچ

حضرت سید عبدالقادر ثالث رحمۃ اللہ علیہ اوچ

حضرت حامد محمد شمس الدین ثانی رحمۃ اللہ علیہ اوچ

حضرت سید عبدالقادر رابع رحمۃ اللہ علیہ اوچ

حضرت حامد محمد شمس الدین ثالث رحمۃ اللہ علیہ اوچ

حضرت حامد محمد گنج بخش ثانی رحمۃ اللہ علیہ اوچ

حضرت حامد محمد شمس الدین رابع عرف صالح رحمۃ اللہ علیہ اوچ

حضرت سید عبدالقادر آخریں کیمیا نظر رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۱۱۹۱ھ پیر کوٹ سدھانان جھنگ

حضرت سید محمد بقا رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۱۱۹۸ھ شیخ طیب خیرپور سندھ

حضرت قبلہ عالم سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۱۲۳۳ھ درگاہ پیر پاگارا پیر گوٹھ

حضرت سید محمد حسن شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۱۲۵۴ھ سوئی شریف

حضرت جنیدِ وقت سید العارفین حافظ محمد صدیقؒ م سنہ ۱۳۰۸ھ بھرچونڈی شریف

حضرت شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حافظ محمد عبداللہؒ م سنہ ۱۳۴۶ھ بھرچونڈی شریف

مجاہد اسلام شیخ المشائخ حضرت پیر عبدالرحمٰنؒ م سنہ ۱۳۸۰ھ بھرچونڈی شریف

خلفائے مجاز

مشائخ صوفیاء کے ہاں ابتدا سے ایک انسان کو خداترس، خدمت گذار رحم دل، انصاف پسند، ایثار پیشہ، نرم خو، فراخ دست، بردبار، عالی حوصلہ اور دوسری ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ کرنے کیلئے باقاعدہ عملی تربیت کا نظام موجود رہا ہے جب تک یہ نظام اپنے لوازمات کے ساتھ قائم رہا ہے مسلم معاشرہ مثالی انسانوں سے بھرا رہا ہے مشائخ صوفیاً کے اس تربیتی نصاب کو مکمل کر کے جو لوگ میدانِ عمل میں نکلتے تھے وہ کندن ہو چکے ہوتے تھے۔

جہاں تک سلسلۂ بیعت کا تعلق ہے بقول حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ اس کا آغاز خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ نے کیا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے مختلف امور پر بیعت لی مفکرِ اسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جہاد پر بیعت لی کبھی ہجرت پر، کبھی آپ نے ارکانِ اسلام کی اقامت پر بیعت لی۔ تو کبھی میدانِ جہاد میں ثابت قدمی پر، اسی طرح کبھی سنّتِ نبوی پر قائم رہنے اور بدعت سے بچنے پر بیعت لی۔ تو کبھی عبادات میں ذوق و شوق پر، حدیث میں آیا ہے کہ انصار کی عورتوں سے بین نہ کرنے پر آپ نے بیعت لی۔ اسی طرح ابنِ ماجہ میں ہے کہ آپ نے کچھ محتاج مہاجرین سے سوال نہ کرنے پر بیعت لی۔ اب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جب ایک کام بطریق عبادت آپ سے ثابت ہے تو وہ یقیناً سنّت ہے۔"[1]

کردار سازی کی اس کٹھالی سے جو لوگ کامیاب ہو کر نکلتے تھے مشائخ صوفیاً اس قسم کی تربیت گاہیں قائم کرنے اور کردار سازی کے عظیم الشان کام کو آگے بڑھانے کا باقاعدہ انہیں اجازت نامہ عطا کرتے تھے۔ کردار سازی یا ایک انسان کو سچا انسان بنانا کوئی معمولی یا آسان کام نہیں ہے کہ ہر کہ و مہ کو اس کی اجازت دے دی جائے۔ جو شخص یہ کام سنبھالتا ہے پہلے اس کے بارے میں پوری تصدیق ہو کہ وہ اس کام کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ برسوں کی ریاضتوں، چلّوں اور مشقت آمیز محنتوں کے بعد یہ تصدیق نامے جاری ہوتے تھے۔ یہ ہے اُن اجازت ناموں، خلافتوں اور خرقہ و عمامہ پوشی کی حقیقت جو سینکڑوں برس سے مشائخ صوفیاً کا معمول ہے سلسلۂ بیعت خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوا البتہ خرقہ پوشی کا طریقہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے جاری فرمایا۔[2]

---

[1] القول الجمیل۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۳، ۱۴ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

[2] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۲، ۳

تاریخ شاہد ہے کہ بھرچونڈی شریف کے "انسان ساز" ادارے نے جن حضرات کو خلافت واجازت کی ذمہ داریاں سونپیں وہ ہر لحاظ سے اس کے اہل تھے یہ لوگ صرف بھرچونڈی کے خلفا نہیں تھے بلکہ ان میں سے ہر شخص اسلامی کردار کا نمونہ، ملتِ اسلامیہ کے مفادات کا محافظ، انگریزی استعمار کا دشمن اور اسلامی اقدار کا نقیب تھا حافظ الملت کی تحریک کے ان نمائندوں نے برصغیر کی تاریخ پر جو لافانی نقوش ثبت کیے اس پر بھرچونڈی شریف کی تاریخ کو ہمیشہ ناز رہے گا۔

حضرت حافظ الملت اور ہادیٔ گمراہاں شیخ ثانی علیہم الرحمۃ کی سنت اور طریقے کے مطابق مجاہدِ اسلام شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ نے بھی اس خدائی امانت کو اہل لوگوں کے حوالے کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ آپ نے چند حضرات کو سلسلۂ عالیہ قادریہ نقشبندیہ میں اجازت بیعت کی خلافت سے نوازا۔ اور بے شمار صاحبانِ علم وفضل کو خلافتِ صحبت کا اعزاز عطا فرمایا۔ خاص فیض یافتگان کو ہم خلفائے مجاز اور خلفائے صحبت کے عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ خلفائے مجاز وہ صاحبانِ فضل وکمال ہیں جنہیں آپ نے بیعت لینے کی اجازت عطا فرمائی۔

آپ کے خلفائے مجازین کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مجاہدِ ملت فخرِ طریقت حضرت پیر **عبدالرحیم شہید** علیہ الرحمۃ

حکایت از قدِ آں یارِ دل نواز کنیم
بایں فسانہ مگر عمرِ خود دراز کنیم

آپ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔

سنہ ۱۳۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ شکل وصورت، جاہ وجمال اور علم وفضل کے اعتبار سے اپنے والدِ گرامی کی حسین تصویر تھے۔ بھرچونڈی شریف کے عمر رسیدہ فقرا کا بیان ہے کہ حضرت پیر شہید علیہ الرحمۃ پیدا ہوئے تو آپ کے جدِّ امجد ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ علیہ الرحمۃ سابق ریاست بہاول پور کے علاقے میں جماعت سمیت سفر پر تھے آپ کو نو مولود پوتے کی اطلاع ملی تو آپ نے انتہائی خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا۔ جماعت میں مولود خوانی ہوئی۔ آپ نے سفر ملتوی کرتے ہوئے فرمایا "دور سے مہمان آیا ہے پہلے اس کا استقبال کرنا چاہیئے۔ چنانچہ فوراً بھرچونڈی شریف پہنچے۔ اور آپ نے فرمایا ہم نے آج بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پورا کیا ہے۔ یعنی میرا نام عبداللہ میرے فرزند کا عبدالرحمٰن اور نو مولود کا نام عبدالرحیم رکھا ہے گویا تسمیہ پورا کر دیا ہے۔

عمر رسیدہ فقراء کا بیان ہے کہ آپ ذرا بڑے ہوتے تو سارا دن اپنے جدِّ امجد کے سینے پر کھیلتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک درویش نے آپ کو ہٹانا چاہا تو حضرت شیخ ثانی نے اُسے روکتے ہوئے فرمایا "یہ بادشاہ ہے جو اس کی مرضی آئے کرے اسے کچھ نہ کہو"۔

آپ کو جدِّ امجد حضرت شیخ ثانی علیہ الرحمۃ ہی سے بیعت کا شرف حاصل ہوا قرآن مجید کے پندرہ پارے حفظ اور پندرہ ناظرہ پڑھے دینی علوم کی باقاعدہ تکمیل کی۔ زیادہ تعلیم فخر العلماء حضرت مولانا عبدالکریم صاحب اور راقم کے جدِّ امجد حضرت الحاج پیر سید سردار شاہ بخاری علیہ الرحمۃ سے حاصل کی۔ شرح وقایہ اور حدیث کی کچھ کتابیں راقم کے والدِ گرامی حضرت شاہ مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھیں۔ آپ انتہائی با اخلاق متواضع ملنسار اور عجیب شخصیت کے مالک تھے آپ کی خوبیوں اور صفات کو چند جملوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ آپ اعلیٰ درجے کے شہسوار، بلا کے نشانہ باز اور ہاتھ کی کمائی کھانے

والے شخص تھے۔ سحر خیزی آپ کی گھٹی میں شامل تھی۔

راقم السطور نے آپ کی سجادگی کا دور (سنہ ۱۹۶۰ء سے سنہ ۱۹۷۰ء) تقریباً آپ کی خدمت میں گزارا ہے۔ آپ جوہر شناس، علم اور اہلِ علم کے قدردان اور خود صاحبِ علم شخص تھے۔ آپ انگریزی سامراج کے خلاف جدوجہد اور تحریکِ پاکستان کے ہراول دستے میں شامل رہے۔ اس طوفانی دور میں اپنے گرامی قدر والد کی سرکردگی میں آپ کی خدمات اور قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

راقم کے ساتھ انتہائی لطف و کرم کا مظاہرہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے آخری دور میں راقم کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ کئی دن تک حدیث کی معتبر ترین کتاب بخاری شریف کی تلاوت کرتا اور آپ سنتے۔ یہ آپ کی اس خواہش پر ہوا کہ مجھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا شدہ الفاظ بہت پیارے لگتے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ کوئی یہ الفاظ پڑھے اور میں سنتا رہوں۔

اردو زبان کے صاحبِ طرز ادیب، نامور عالم اور خطیب، امیر البیان میر حسان الحیدری سہروردی نے اوباڑہ (سندھ) کو مستقل قیام گاہ بنایا تو حضرت شہید کی جوہر شناسی اور علم دوستی نے انہیں بھی کھینچ لیا۔ آپ کی سجادگی کا دس سالہ دور چٹکیوں میں گزر گیا۔ لیکن ہم دونوں اب تک اس دور کی حسین یادوں کو نہیں بھول سکتے۔ آپ کوئی علمی بحث چھیڑ دیتے اور میر حسان الحیدری صاحب کی جولانیِ طبع سے لطف اندوز ہوتے۔

امیر البیان میر حسان الحیدری خاں آپ کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں "شیرِ خدا پیر عبدالرحیم شہیدؒ خانقاہِ عالیہ بھرچونڈی شریف کی علمی و روحانی رباعی کا آخری مصرعہ تھے جو گویا حاصلِ رباعی ہوتا ہے۔ آپ حضرت حافظ الملت کے فقر و غنا کے امین اپنے جدِ امجد

شیخِ ثانی حضرت ہادیٔ گمراہاں کے رعب و جلال اور ہیبت و سطوت کے وارث اور اپنے والدِ گرامی مجاہدِ اسلام حضرت بھورل سائیں علیہ الرحمتہ کے دینی، سیاسی اور تحریکی مشن کے علمبردار تھے۔"

سنہ ۱۹۷۰ء میں سوشلزم کے طوفانی نعرے کے خلاف سندھ میں سینہ سپر ہو گئے سندھ کی اسلام دوست قوتیں آپ کو اپنے لیئے طاقت ور لشت پناہ سمجھتی تھیں۔ ابن الوقت اور طالع آزما حکمرانوں سے آپ کی کبھی نہیں بنی۔ ساری زندگی دکھ اٹھاتے اور غم سمیٹتے رہے تاہم اپنے مشن سے دستبردار نہیں ہوئے۔ آپ حضرت علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی تصویر تھے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

آپ کے دور میں بھرچونڈی شریف ایک نئے دور میں داخل ہوئی پختہ روڈ بجلی، ٹیلیفون وغیرہ کی سہولتیں میسر آئیں۔ خانقاہ نے اپنا دینی و دنیوی اعزاز برقرار رکھا ۱۹۶۹ء میں آپ نے لاہور میں "یوم محمد بن قاسمؒ" کی صدارت فرمائی۔ برکت علی اسلامیہ ہال میں منعقدہ اس منفرد قسم کی کانفرنس میں آپ نے جو یادگار تقریر فرمائی۔ ملکی پریس نے اُسے نمایاں طور پر شائع کیا۔

آپ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمتہ کے بڑے صاحبزادے اور خلیفۂ مجاز تھے رجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں نوکر شاہی، وڈیروں اور خاندانی مخالفین نے مل کر آپ کو شہید کر دیا۔ رحمہ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔ ملک کے نامور اہلِ قلم امیر البیان میر حسان الحیدری سہروردی نے آپ کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

آں قلندر، شیرِ حق عبدالرحیم | ملتِ اسلامیہ را بُد زعیم
آں شہیدِ اولیں، اہلِ وفا | با توکل پیکرِ صبر و رضا
مسلکِ او جہدِ استقلال و عزم | نازشِ اسلامیاں در بزم و رزم
دینِ حق از جہدِ او مصئون بود | باطلے از نعرہ اشں محزون بود

پیر سید شریف احمد نوشاہی سجادہ نشین ساہنپال شریف گجرات نے آپ کی تاریخ وفات اِس طرح نکالی ہے۔

در سالِ رحلتش چوں شرافت خیال کرد
آمد ندائے ہاتف پیرِ خجستہ فال

۱۳۹۱ھ

جامع شریعت و حقیقت حضرت

پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ

ضروری نہیں کہ محاورہ "پدرم سلطان بود" ہر جگہ غلط ہو۔ اگر علمی اور دینی اعزاز کوئی فخر کی بات ہے تو راقم فخراً اس کا اظہار کرتا ہے کہ راقم کے والدِ گرامی حضرت شاہ مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اوپر سات پشتوں تک علم و فضل، زہد و تقویٰ اور گوناگوں کمالات کی جو شاندار روایت مجھے اپنے خاندان میں ملی ہے اس کی روشنی میں پدرم سلطان بود بھی نامکمل تعبیر ہے۔ اِس خاندانِ عالی وقار کا ہر فرد کئی پشتوں تک ایک دوسرے سے بڑھا ہوا اور فائق نظر آتا ہے۔

علم و فضل اور معرفت و سلوک کی جن بلندیوں پر اِس بلند نشان خاندان کے افراد فائز تھے انہیں اپنے حلقۂ عقیدت میں لے آنا ہر مدعی معرفت کے بس کی بات نہ تھی۔ یہ اعزاز بھی حضرت حافظ الملت کے خانوادہ کو حاصل ہوا کہ اُس نے اِس ذی وقار خاندان

کو اپنے حلقۂ عقیدت میں کھینچ لیا۔

حضرت سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۲۶ھ میں بہاولپور ڈویژن کے مشہور مردم خیز قصبے گڑھی اختیار خاں میں پیدا ہوئے۔ بسلسلۂ نسب سادات اوچ کے مشہور حضرت عالم بخاری خاندان سے ملتا ہے۔ والدِ گرامی حضرت بدرالدین سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ جید عالمِ دین، شیخِ طریقت، ہفت زبان شاعر تھے۔ آپ نے اکلوتے لختِ جگر کا تاریخی نام مغفور ۱۳۲۶ھ اور لقب سیف الدین تجویز فرمایا۔ حضرت مغفور القادری نے پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر علومِ دینی کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مفتی محمد حیات، سراج الفقہا مولانا سراج احمد اور مولانا عبدالکریم علیہم الرحمۃ سرِفہرست ہیں۔

آپ نے سلسلۂ عالیہ سہروردیہ میں اپنے والدِ گرامی اور سلسلۂ عالیہ قادریہ میں شیخِ ثانی حضرت حافظ محمد عبداللہ علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ عارف باللہ اور شب زندہ دار بزرگ تھے ساری زندگی دینی تعلیم، اصلاحِ اخلاق و اعمال اور قومی خدمت میں گزاری۔ حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کے ساتھ آپ کا تعلق عشق کی حد تک تھا: اور حضرت شیخ ثالث بھی آپ کو بیٹوں سے بڑھ کر چاہتے تھے آپ نے عرصہ دراز تک بھرچونڈی شریف میں رہ کر صاحبزادگان کو تعلیم دی۔ آپ حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کے ہمدم و دمساز، رفیقِ خاص بلکہ "یارِ غار" تھے۔ حضرت شیخ ثالث کی پوری زندگی کی جدوجہد میں حضرت سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ کا ساتھ چولی دامن کا رہا ہے آپ بھرچونڈی شریف کی خاص تقریبات میں تقریر کیلئے زبان کھولتے تو آہ و بکا سے مسجد کے در و دیوار گونج اٹھتے۔ آپ کچھ وقت پیر سید رحم شاہ مرحوم (خانوادہ پیر پگاڑا کے ایک صاحبزادے) کو سکھر میں پڑھاتے رہے۔

آپ نے تذکرہ مشائخ بھرچونڈی شریف "عباد الرحمٰن" کے نام سے مرتب فرمایا۔ یہ کتاب اپنی البیلی زبان اور درد و محبت کے ارمغان کی بنا پر انتہائی اہمیت کی حامل ہے

آپ نے اپنے آبائی علاقے میں دینِ متین کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ گڑھی اختیار خاں کی تاریخی جامع مسجد کو از سرِ نو مرمت کرایا۔ علاقے میں غیر شرعی رسوم اور بدعات کے خلاف پُرجوش آواز اٹھائی خلافِ شرع اور جاہل پیروں کے طلسم میں گرفتار عوام کے سامنے اسلام کی حقیقی تعلیمات پیش کیں۔ سابق ریاست بہاولپور کے مختلف علاقوں میں ہزاروں سے زیادہ آپ کے مریدین مسترشدین موجود ہیں۔ آپ زندہ دل اور باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ مطالعہ کے اس قدر رسیا کہ کتاب کے بغیر ایک لمحہ نہیں گزار سکتے تھے۔ اردو، عربی، فارسی اور سرائیکی زبان میں شعر کہتے اور خوب کہتے۔ ان زبانوں میں خصوصاً آپ کا نعتیہ کلام انتہائی سوز و درد کا حامل ہے اردو، فارسی، اور عربی پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ راقم السطور کو اگر کچھ علمی شُدبُد نصیب ہوئی ہے تو وہ سراسر حضرت والدِ گرامی کے فیضانِ کرم اور آپ کی دردبھری دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ راقم السطور کے نام آپ کی وصیت کے چند الفاظ یہ ہیں۔ یہ وصیت آپ نے عربی میں لکھی ہے۔

یا بنی اوصیک بتقوی اللہ ان اولیاءہ الا المتقون
واوصیک بقراءۃ القرآن ومجاودۃ القلب والمسجد انک
مامون من ہموم الدنیا وافکارہم بحسن توفیقہ

جانِ پدر! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے دوست (اولیاء اللہ) صرف صاحبِ تقویٰ لوگ ہی ہوتے ہیں۔ نیز میں تمہیں قرآن مجید کی تلاوت اور دل اور مسجد کی نگہبانی کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر تم نے اس پر عمل کر لیا تو دنیاوی

کچھ عرصہ بعد خواب میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو آپ نے بھی کرم فرماتے ہوئے شیخ صاحب کو خصوصی اجازت عطا فرمائی۔ اسی لیے شیخ صاحب اپنا نام اس طرح لکھتے تھے: "بیعۃ الرسول فقیر غلام رسول" آپ کی نشست و برخاست اور گفتار و رفتار سے حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ اس چشمۂ شیریں پر چاروں طرف سے طائرانِ طریقت نے ہجوم کیا۔ اور یوں شیخ غلام رسول علیہ الرحمۃ کے مسکن نے سلسلۂ عالیہ قادریہ کی خانقاہ کی شکل اختیار کر لی۔ آپ ۱۹۶۷ء میں واصل بحق ہوئے آپ کے صاحبزادے میاں عبد الفتاح آپکے جانشین ہوگئے۔ میاں صاحب ۱۹۸۹ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان دنوں میاں عبد الفتاح کے صاحبزادے شیخ صاحب کی مسند کو سجائے ہوئے ہیں۔

فخر العلماء مولانا عبد الرحیم علیہ الرحمۃ

آپ سابق ریاست قلات کے باشندے تھے اونچے درجے کے عارف باللہ اور درویش تھے۔ ذکرِ جہری میں مشغول ہوتے تو ایک خاص قسم کا تبسم ہونٹوں پر کھیلتا رہتا۔ معلوم ایسے ہوتا کہ زبان ذکر میں محو ہے اور آنکھیں دیدارِ یار میں لگی ہوئی ہیں۔ حضرت شیخ ثالث علیہ الرحمۃ نے آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ ۱۹۴۹ء میں کسی دشمن نے آپ کو شہید کر دیا۔

اُٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

آپ کے چند ممتاز

متوسلین اور مسترشدین

یوں تو آپ کے حلقۂ ارادت ومحبت کی تعداد لاکھوں میں ہے ۱۹۶۵ء کے ایک جائزے کے مطابق آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے والوں کا اندازہ تین لاکھ سے کچھ زیادہ ہی بنتا ہے۔ سیدالعارفین جنیدِ وقت حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ اور شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے والے خوش قسمت افراد ان کے علاوہ ہیں۔ آپ کے متعلقین و منتبین میں بڑے بڑے علماً صلحاً اور اہلِ دل لوگ شامل ہیں۔ سیدالعارفین کے انفرادی اسلوب تربیت کا خاصا یہی رہا ہے کہ جو شخص بھی آپ کی جماعت میں داخل ہوتا اس کی کایا پلٹ جاتی۔ چند ہی روز میں یہ شخص شریعتِ مبارکہ کی ظاہری پابندی کے ساتھ ساتھ بہترین انسانی اخلاق واوصاف سے بھی آراستہ ہو جاتا۔

شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کی نگاہ میں قدرت نے ایسی تاثیر پیدا کر دی تھی کہ بڑے سے بڑے شخص کیلئے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آپ سے آنکھیں چار کرنے کے بعد اپنے اندر کوئی ہلچل، حرارت، ولولہ یا تبدیلی محسوس نہ کرے۔ سینکڑوں لوگوں نے صرف آپ کی شکل مبارک دیکھ کر اپنی زندگیاں درست کر لیں آپ

کے مریدین و مسترشدین میں چند باتیں نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہیں۔

عام روایات، حکایات، مخصوص خانقاہی انداز اور معمولات کی پاسداری کے برعکس آپ کے ارادت مندوں میں قرآن مجید اور سیرتِ نبویہ کو مدار و معیار قرار دیا جاتا ہے۔

ظاہری وضع قطع، نشست و برخاست اور شکل وصورت سے اتباعِ نبوی کی مکمل جھلک آپ کی جماعت میں واضح نظر آتی ہے۔

علم دین کی ترویج وترقی، علم سے محبت اور علمی ذوق وچرچے پر کافی زور دیا جاتا ہے۔ اہلِ علم کی قدردانی اور علمائے دین سے محبت اِس جماعت کا طرۂ امتیاز ہے۔

ڈھول، باجے، مزامیر، تمباکو، نسوار وغیرہ سے بحمداللہ آپ کی جماعت بڑی حد تک آزاد ہے۔

خدمت، انکساری، فروتنی اور دوسرے بزرگانِ طریقت کے ساتھ اختلاف مسلک کے باوجود انتہائی ادب واحترام سے پیش آنا، جماعتِ بھرچونڈی شریف کی تربیت کا حصّہ ہے۔

سادات کرام کے سامنے نسبتِ نبوی کے احترام واعزاز کے پیشِ نظر اپنے آپ کو مٹا دینا اور حقیقتاً اپنے آپ کو ایک ادنیٰ خادم سمجھنا اِس جماعت کی منفرد خصوصیت ہے۔

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ نے ایک دفعہ آبدیدہ ہو کر یہ اشعار پڑھے۔

قوی شدیم چہ شُد ناتواں شدیم چہ شد؟
چنیں شدیم چہ شُد یا چناں شدیم چہ شد؟
ہیچ گو نہ دریں گلستاں قرارے نیست
تو اگر بہار شُدی ما خزاں شدیم چہ شد؟

بلاشبہ انکساری، فروتنی، اور ہیچمدانی کی یہی روح آپ نے اپنی جماعت میں پھونکی۔ بھرچونڈی شریف کا عام درویش مسائل فقہ سے واقفیت، جذبۂ اتباعِ سنّت اور اسلام کی خاطر ہر قسم کی قربانی کیلئے ہمہ وقت تیاری کے اعتبار سے بڑے بڑے مدعیانِ طریقت پر فوقیت رکھتا تھا۔ گویا جماعت بھرچونڈی شریف کا معمولی درویش اپنی جگہ خود شیخ طریقت تھا۔ تاہم مشائخ صوفیا کے طریقے کے مطابق آپ نے چند خوش قسمت حضرات کو خلافت بیعت عطا فرمائی۔ اور بعض صاحبانِ علم وعمل کو اپنی خصوصی توجہ سے نوازتے ہوئے مخلوق خدا کی رہنمائی اور ہدایت کا فریضہ سونپا۔

آپ کے متوسلین میں شاہ و گدا، عالم و ناخواندہ، رئیس و فقیر ہر قسم کے لوگ شامل ہیں تاہم خلفاء اور ممتاز متوسلین پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر لوگ علمائے دین ہیں گویا آپ کے ہاں خصوصی قرب کے اصل حقدار علمائے دین تھے۔ بحمد اللہ آپ کے اِن متوسلین میں بیشتر حضرات زندہ ہیں اور ملک میں اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی بیش بہا خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

مشائخ صوفیاؒ کے ہاں خلافت کی کئی اقسام ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتابوں "القول الجمیل" اور "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں پوری تفصیل بیان کی ہے خلافت کے سلسلے میں خلفائے مجازین کا درجہ سب سے بلند ہے یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں مُرشد تربیت، ریاضت اور مجاہدات کی مشکل ترین کٹھالی سے نکال کر پوری طرح اطمینان حاصل کر لیتے ہیں کہ اب یہ لوگ کھرے سونے کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں یعنی انہیں انسانی مزاج، اس کے مرغوبات و مکروہات اور خواہشات سے مکمل آگاہی حاصل ہو چکی ہے نیز وہ پوری طرح اس بات کے اہل ہیں کہ انسانی تربیت اور اصلاح کا عظیم الشان پیغمبرانہ کام ان کے سپرد کیا جا سکتا ہے مرشد ایسے لوگوں کو پوری طرح اپنا جانشین قرار دیتے ہوئے اپنی طرف سے انہیں سند عطا کرتے تھے۔ یہ کام ایسا آسان اور روایتی مشغلہ نہیں کہ ہر ما و شما کو اس کی سند دے دی جائے اس کے لیئے برسوں مجاہدات اور ریاضتوں کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بعد دوسرا درجہ خلفائے صحبت کا ہے ہر چند یہ درجہ پہلے سے

ذرا کم ہے مگر عام لوگوں کی بہ نسبت خلفائے صحبت کا رتبہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔

خلفائے صحبت سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے شیخ کی صحبت کا پورا پورا فیض اٹھایا ہے ان کی ذاتی زندگیاں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قالب میں ڈھلی ہوئی ہیں وہ شرعی مسائل سے پوری طرح واقف اور ان پر عمل پیرا ہیں۔ چنانچہ مخلوقِ خدا کو اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فریضہ ان کے سپرد کیا جاتا ہے۔

ہمارے حضرت شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے صحبت کا اندازہ ہزاروں میں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی جماعت کا معمولی درویش، شریعت وسنت کا نمونہ ضروری شرعی احکام سے پوری طرح باخبر اور پابندِ صوم وصلوٰۃ ہے آپ کا ارشاد ہے کہ خانقاہ حضرت حافظ الملت کا معمولی درویش دوسری خانقاہوں کے مشائخ کا رتبہ رکھتا ہے ہم چیدہ چیدہ چند حضرات کا ذکر کر رہے ہیں تاکہ آپ کی سیرت کا یہ پہلو بھی تشنہ نہ رہے۔

امین الملت میر محمد امین خاں کھوسہ علیہ الرحمۃ

مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے اس شیدائی اور بھرچونڈی شریف کی جماعت کے لائق فخر فرزند کا تعلق کھوسہ قوم کی جامانی شاخ سے ہے آپ ۱۹۱۳ء میں ضلع جیکب آباد کے گاؤں عزیز آباد میں ایک نہایت دیندار اور معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد میر عبدالعزیز خاں روشن خیال، تعلیم یافتہ اور صاحب

نظر بزرگ تھے۔

امین الملت نے لکھا ہے کہ دورانِ شیر خوارگی میری والدہ نے کبھی بلا وضو مجھے دودھ نہیں پلایا۔[1]

امین الملت نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں علی گڑھ سے بی اے کیا اور ۱۹۳۶ء میں علی گڑھ ہی سے ایل ایل بی حصہ اول کا امتحان پاس کیا آپ زمانہ طالب علمی میں کالج کی سرگرمیوں میں پیش پیش رہے اس دوران سر راس مسعود ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، نواب محمد اسماعیل خاں اور دوسرے مسلم زعماء سے آپ کے خصوصی تعلقات قائم ہوئے۔

امین الملت شروع سے بے چین روح، بے تاب دل اور پرسوز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ابتدا میں کلین شیو، انگریزی تہذیب کے دلدادہ اور سوشلزم سے متاثر تھے کالج کے زمانے میں ہی مجاہدِ اسلام شیخ المشائخ حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر ہوئے تو ذہنی صلاحیتوں کا سارا رخ تحریک آزادئ وطن اور اسلام کی سربلندی و احیاء کی طرف مڑ گیا۔

الٰہی سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا
اک نظر میں جوانوں کو رام کرتے ہیں

بھرچونڈی شریف کے حوالے سے حضرت مولانا ابوالحسن سید تاج محمود امروٹی اور مولانا عبیداللہ سندھی سے بھی بڑی عقیدت رہی۔ ایل ایل بی فائنل سے کچھ عرصہ پہلے سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر آپ کو علی گڑھ سے خارج کر دیا گیا۔

[1] قلمی یادداشتیں امین الملت

آپ ۱۹۳۸ء میں جیکب آباد سے قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے یہ سیٹ میر زین العابدین خان سندرانی کی وفات سے خالی ہوئی تھی اس سیٹ پر آپ کا مقابلہ سردار شیر محمد خاں بجارانی سے ہوا۔ بقول جی ایم سید اپنے والد اور پیر بھرچونڈی شریف کی دعاؤں سے واضح اکثریت سے کامیاب ہوئے۔[1]

آپ نے مارچ ۱۹۳۸ء میں اسمبلی میں حلف اٹھایا۔ اور ۱۹۴۵ء تک برابر ممبر چلے آئے۔

جناب جی ایم سید نے امین الملت کے نظریات کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

۱۔ دین اسلام آخری اور مکمل دین ہے اور انسانیت کی نجات اسی دین کی پیروی میں منحصر ہے۔

۲۔ حقیقی اسلام کی صحیح تشریح سرزمینِ سندھ سے ہوگی۔

۳۔ دین اسلام کی اس تعبیر و تشریح کے لیئے سندھ کے تمام اولیائے کرام کی طرف سے آخری منتظر ہونے کا فریضہ پیر صاحب بھرچونڈی شریف کو سونپا گیا ہے۔

۴۔ مولانا عبید اللہ سندھی پیر صاحب بھرچونڈی شریف کے فیض یافتہ تھے اس لیئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفہ سے حاصل کردہ تجربے کی بنا پر انہوں نے پیر صاحب کے پیغام کی صحیح ترجمانی کی ہے۔[2]

---

[1] جنب گزاریم جن سیں، ۱۱۴ مصنف جی ایم سید۔

[2] جنب گزاریم جن سیں؛ ۱۹، ۲۰ جی ایم سید۔

راقم السطور نے امین الملت کے ساتھ کافی عرصہ گزارا ہے وہ حلفاً کہہ سکتا ہے کہ اتنا لطیف حس، رمز شناس، عالی ہمت، بلند حوصلہ، اسلام کا شیدائی، بھرچونڈی شریف کا عاشق، کشادہ دست، مہمان نواز، اسلامی قدروں کا نقیب اور صاحب درد انسان میری نظر سے نہیں گزرا۔ میں نے آپ کے ساتھ ذوالفقار علی بھٹو (سابق وزیر اعظم) یحییٰ خاں سابق صدر پاکستان، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا مفتی محمود، شورش کاشمیری، نواب زادہ نصر اللہ خان، شورش کاشمیری، نواب اکبر خاں بگٹی، علامہ علاء الدین صدیقی اور کئی دوسرے زعما کے پاس حاضری دی۔ امین الملت اپنی بھرپور شخصیت، دلآویز گفتگو، ایمان و ایقان کی بلندی اور دوسری کئی خوبیوں کی بنا پر مجھے ہر جگہ بھاری اور وزنی محسوس ہوئے۔ امین الملت اپنی سحر انگیز گفتگو اور شخصیت کی بنا پر ان حضرات پر چھائے رہے۔ اور انہوں نے بھی ان کے ساتھ ایک قابلِ احترام مگر بے تکلف بزرگ کا رویہ روا رکھا۔

امین الملت انگریزی زبان بہت خوبصورت لکھتے اور بولتے۔ فارسی ذوق بہت بڑھا ہوا تھا فارسی اشعار اس طرح لاتے کہ اہلِ ذوق پھڑک اٹھتے۔

ان کی نگاہ میں ایسی تاثیر تھی کہ بیگانے اور راہ چلتے اجنبی ایک ہی نگاہ میں اپنے اور شناسا بن جاتے تھے۔

ذوالفقار علی خاں بھٹو مرحوم (سابق وزیر اعظم حکومت پاکستان) انہیں چچا کہہ کر پکارتے تھے۔ متحدہ ہندوستان کے کم و بیش تمام لیڈروں سے ان کے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ مسٹر جواہر لال نہرو اور ان کے پورے خاندان سے آپ کے تعلقات گھریلو نوعیت کے تھے آنجہانی مسز اندرا گاندھی بھی آپ کو چچا کہہ کر مخاطب کرتیں اور

آپ کا بے حد احترام کرتیں۔

سردار پٹیل، عبدالغفار خاں سرخپوش لیڈر، عبدالصمد خاں اچکزئی وغیرہ سے امین الملت کے تعلقات برادرانہ، بے تکلفانہ اور برابری کی سطح پر تھے مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی مدظلہ العالی سابق وفاقی وزیر مذہبی امور پاکستان سے لاہور میں آپ کی ملاقات میں نے کرائی۔

۱۹۶۹ء میں میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے کا طالب علم تھا۔ اس دوران مجاہد اسلام مولانا عبدالستار خاں نیازی مدظلہٗ، مولوی محمد ابراہیم علی چشتی رحمۃ اللہ علیہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہٗ اور حکیم محمد انور بابری کے ساتھ میرے انتہائی نیازمندانہ تعلقات تھے۔ میرا بیشتر وقت ان حضرات کی خدمت میں گزرتا۔ اسی اثنا میں امین الملت بھی لاہور تشریف لائے اور آپ چھ سات ماہ کا عرصہ نعمت کدہ ہوٹل داتا رکلی لاہور) میں قیام پذیر رہے۔ امین الملت کا لاہور آنا میرے لیئے بے حد خوشی اور تقویت کا موجب ثابت ہوا۔ اور میں نے کوشش کر کے یونیورسٹی کے اپنے تمام احباب، اساتذہ اور بزرگوں کی امین الملت سے ملاقاتیں کرائیں۔

امین الملت، مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کے عاشق اور شیدائی تھے آپ اپنی ہر گفتگو اور تحریر میں اپنے مرشد کا ذکر ضرور کرتے پاکستان کے قیام کو سراسر اپنے مرشد کی جدوجہد اور دعاؤں کا نتیجہ قرار دیتے تھے بھرچونڈی شریف حاضر ہوتے تو ایک معمولی درویش کی طرح رہتے۔ درگاہ کے احاطے میں ننگے پاؤں گھومتے اور زمین پر سوتے۔ بھرچونڈی شریف سے نسبت رکھنے والا کوئی فرد مل جاتا تو اس کے سامنے بچھ جاتے اسکی دعوتیں کرتے نذرانہ پیش کرتے ایک دفعہ دوران گفتگو آپ نے مجھے بتایا کہ

"امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی اپنے آخری مرض میں کراچی میں مقیم تھے۔ ایک دفعہ میں حاضر ہوا طبیعت کچھ زیادہ ہی بگڑ چلی تھی۔ مجھے دیکھ کر فرمایا۔ محمد امین اتم میرے سامنے بیٹھو، میں تمہیں دیکھوں اور مروں کیونکہ تم میرے مرشد کی جماعت کے فرد ہو)

محسوس یہ ہوتا ہے کہ امین الملت کا خمیر بھرچونڈی شریف کی مٹی سے اٹھایا گیا تھا۔ جی ایم سید کے نام اپنے ایک خط میں امین الملت لکھتے ہیں۔

زاہد چہ پرسی از مذہب من
زندیق عشقم بے چون و چرا

میں فقط بھرچونڈی شریف کو جانتا ہوں اسی کے نام نامی سے ہر چیز کی ابتدا کرتا ہوں مجھے دوسری جگہوں میں پھرنے کی ضرورت نہیں ہے[1]

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

میں ازلی وابدی سندھ پرست کیونکہ میرے پیر، آقا، مربی، سائیں، پیروں کے پیر، مسند فقر کے یکتا، بے مثل، بوریا نشین، شاہنشاہ، زیب و زینت حضرت عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف والے بھی سندھی ہیں[2]

جی ایم سید کے نام ایک اور خط میں رقمطراز ہیں۔

"یہاں ایک آفس میں حکمت رانامی ایک ہندو کلرک ہے۔ میں نے اس سے

---

[1] واجث ویراکین جا: ۳۵۴ مرتبہ عبدالواحد آریسر مطبوعہ حیدرآباد سندھ مجموعہ خطوط جی ایم سید امین الملت۔

[2] " " ۱۲۸ " " " " " " "

پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا ڈھرکی کا۔ ڈھرکی شریف کا لفظ سن کر ظاہری طور پر نہیں مگر باطنی طور پر میرا سر اُس دیوان کے آگے سجدے میں جھک گیا۔ ڈہرکی شریف بھرچونڈی شریف کا شہر ہے۔ یہاں کے ہندو بڑے پکے ہندو ہوتے ہیں مگر ان پر عظمت اسلام کا پورا سکہ چھایا ہوا ہوتا ہے انہیں مبلغ بنا کر بھیجا جائے تاکہ وہ "اعلیٰ حضرت امیر المسلمین فیلڈ مارشل محمد ایوب خان" اور ان کے ساتھیوں کو انسانی عظمت کے سبق پڑھائیں اور لال بہادر شاستری جس کا دل اسلامی سطوت کے آگے پہلے ہی جھکا ہوا ہے اُسے بھرچونڈی شریف آکر میرے حضرت کے سامنے ایمان لانے کی تلقین کریں۔"[1]

سیاسی اعتبار سے امین الملت کا تعلق کانگریس سے رہا مگر مرشد کے ساتھ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس منعقدہ ۱۹۴۶ء میں بھی شریک ہوئے آپ مسلم لیگی زعما کی دیانت (الا ماشاء اللہ) بالخصوص پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی مملکت بنانے کے بارے میں ان کے دعووں کو سیاسی نعرہ قرار دیتے تھے۔

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کی پاکستان میں دلچسپی دیکھ کر امین الملت مرشد کے ساتھ مسلم لیگ اور احیاء الاسلام کے جلسوں میں شریک ہوتے اور مفید مشورے دیتے رہے۔

راقم السطور پر آپ بڑا کرم فرماتے تھے ۱۹۶۹ء میں لاہور تشریف لائے

[1] واجف دیوا کیپن جا، ۱۴۲ مرتبہ عبدالواحد آرلیسر مطبوعہ حیدرآباد سندھ (مجموعہ خطوط جی ایم سید وامین الملت)

اور پانچ چھ ماہ قیام فرمایا تو اس دوران میرا بیشتر وقت آپ کے ساتھ گزرا۔ اس دور کے آپ کے بیشتر مسودات اور خطوط (اردو، انگریزی) میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں آپ زبانی بولتے اور میں لکھتا جاتا۔ بعض اوقات کوئی نیا خیال سوجھتا۔ کوئی سیاسی تبدیلی عمل میں آتی یا کوئی خاص واقعہ رونما ہوتا تو حاجی جان محمد مرحوم (خادم خاص) کو نیلا گنبد بھجوا کر مجھے اسی وقت بلوا لیتے۔ آپ کی سحر انگیز گفتگو، کٹاؤ دار لہجے اور بات بات میں مومنانہ جلال کے مناظر مجھے عمر بھر نہیں بھول سکتے۔

آپ کی زندگی میں دو تین دفعہ عزیز آباد (آپ کے گاؤں) حاضری کا اتفاق ہوا تو ایک ناچیز طالب علم کا جو اعزاز و اکرام کیا گیا اس کے تصور سے آج بھی شرم اور ندامت محسوس ہوتی ہے۔

امین الملت کا خیال، فکر، سوچ، اوڑھنا، بچھونا بھرچونڈی شریف تھا جب امین الملت پر لکھی گئی کتابوں میں بھرچونڈی شریف کا ذکر تک نہیں ملتا۔ تو ہمیں حیرت کے ساتھ دکھ بھی ہوتا ہے۔

راقم السطور کے والد گرامی حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے جس باغ (باغ فاطمہ) میں منعقد ہو رہی تھی اس میں ایک طرف چند پرانی قبریں موجود تھیں۔ امین الملت مرحوم کانفرنس کے مندوبین کے خیموں اور قبروں کی طرف اشارہ کر کے اکثر حضرت علامہ کا یہ شعر دہراتے نظر آتے۔

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

آہ اس دور اندیش قلندر کی باریک بینی اور مستقبل شناسی۔

امین الملت حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے عاشق اور آپ کے فکر و فلسفے کو برصغیر کے مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل سمجھتے تھے آپ حضرت سندھی کے فکر و فلسفے کا سرچشمہ حرف سید العارفین جنید وقت حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ کی ذات کو قرار دیتے تھے۔

لاہور میں قیام کے زمانے میں آپ نے حضرت مولانا سندھی کا ایک بڑا پورٹریٹ تیار کرایا اور پھر مجھے یہ اعزاز بخشا کہ یہ فوٹو درمیان میں رکھوا کر ایک طرف خود اور دوسری طرف مجھے بٹھا کر فوٹو کھنچوایا۔

ایک دفعہ امین الملت نے یہ واقعہ سنایا کہ دہلی کی ایک محفل میں حضرت سندھی دو تین اور علما اور چوہدری غلام احمد پرویز (فتنۂ انکار حدیث کے باقاعدہ بانی اور مشہور مصنف) اکٹھے ہو گئے بات سیاسیات وغیرہ پر چل نکلی تو پرویز صاحب حسب عادت بار بار قرآن مجید کی کسی آیت کا حوالہ دیتے۔ حضرت سندھی نے انہیں ہر بار روکا کہ آپ اپنی بات سیدھی طرح کریں قرآن کا حوالہ نہ دیں مگر پرویز صاحب اپنی روش سے باز نہ آئے اور انہوں نے پھر قرآن مجید کا حوالہ دیا تو مولانا عبیداللہ سندھی اپنے روایتی جلال میں آ گئے اور کڑک کر فرمایا بس کرو اس بے اثر کتاب کا حوالہ نہ دو۔ جو تیس برس سے تم سے انگریز کی نوکری نہیں چھڑا سکی۔ (اس دور میں چوہدری غلام احمد پرویز کو انگریز کی نوکری کرتے ہوئے تقریباً اتنا عرصہ گزر چکا تھا) خیال ہے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی نے جلال میں آ کر پرویز صاحب کی ترجمانی میں یہ الفاظ ادا فرمائے ورنہ مولانا سندھی کے سارے فکر و فلسفہ انقلاب اور انگریز دشمنی کا سرچشمہ خود قرآن مجید ہے۔ گویا مولانا سندھی کے نزدیک قرآن مجید سے تعلق کا بالکل ابتدائی اور لازمی نتیجہ انگریز کی استعماری قوت کی مخالفت اور اس سے دشمنی ہے اور اگر یہ ابتدائی چیز بھی حاصل نہیں تو پھر قرآن کے

بار بار حوالے دینے کا کیا مقصد ہے؟

مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنے آخری مرض کے دوران کراچی میں اصرار کر کے ایک دفعہ امین الملت کو مصلّیٰ امامت پر کھڑا کیا اور خود امین الملت کی اقتدا میں نماز پڑھی امین الملت اس اعزاز پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔

امین الملت نے اپنے ذاتی دوستوں کی ایک مختصر فہرست خود مرتب کی ہے قارئین ان بلند پایہ شخصیات کے ناموں پر ایک نظر ڈال کر امین الملت کی اپنی شخصیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

قادر بخش خان نظامانی سابق ایڈیٹر "صبح سندھ" کراچی کے نام اپنے ایک خط محررہ ۱۰/۱۹۷۱-۱۲-۱ میں لکھتے ہیں۔

"اس عاجز کے پاس تشریف لانے والوں کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں۔

شیخ المشائخ حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مولانا محمد صادق کھڈہ کراچی۔ مولانا عزیز احمد (خادم مولانا سندھی) شیخ عبدالمجید سندھی شہید حق اللہ بخش سومرو، مولانا دین محمد وفائی، مولانا عبدالکریم چشتی، مولانا محمد معاذ نوابشاہ مولانا عبدالغفور سیتائی، دانائے راز سید حسام الدین راشدی، پیر علی محمد راشدی، خبطی کامریڈ عبدالقادر، یوسف ہارون، سعید ہارون، لالجی ملہوترا۔ حاتم علوی، جی الانا علی نواز وفائی، خان عبدالصمد اچکزئی، نواب محمد اکبر خان بگٹی، نواب خیر بخش خان مری، نواب یوسف علی خان مگسی، سردار غلام رسول خان کورائی، میر عبدالعزیز خان کرد، محمد حسین عنقا، محمد حسن نظامی، نواب شہباز خان خارانی، میر بندہ علی خان تالپور، مجاہد اور فلسفی میر علی احمد خان تالپور، جمال اور کمال کے پرستار میر رسول بخش خان تالپور، میر غوث بخش

خان بزنجو، میر گل خان نصیر مینگل، نواب غوث بخش خان رئیسانی، میر جعفر خان جمالی، نواب نور محمد خان گولہ، ڈاکٹر ذاکر حسین خان سابق صدر انڈیا، نواب محمد اسماعیل خان آف میرٹھ سید غلام بخاری، سید امین شاہ جیلانی، سید اعظم جی ایم سید، پیر الٰہی بخش سابق وزیر اعلیٰ سندھ، ادیب محمد علیگ، مبارک ساغر، قاضی فضل اللہ، ڈاکٹر چوئتھ رام CHOITH RAM، ہیمو کالانی، شری کانتی، گوپال سپاہیلانی، شیخ ایاز، شہزادہ عبدالکریم آف قلات عبدالصمد درانی، خان عبدالغفار خان، مولانا ظفر علی خان، خان بہادر مولا بخش سومرو، خان بہادر محمد ایوب کھوڑو، مولوی اللہ ڈنو بروہی، مولانا غلام مصطفےٰ عبیداللہی (قاسمی) برکت علی آزاد، سیٹھ رادھا کرشن، سیٹھ کنہیا لال گابا، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، پروفیسر محمد اسلم صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، جی اے مدنی، میرے علی گڑھ کے تمام دوست خواجہ احمد عباس، ابوسلمان شاہجہانپوری، علامہ مفتی محمود، غلام غوث ہزاروی، حافظ محمد اسماعیل، حافظ خیر محمد اوحدی، سندھ کے بے نظیر مجاہد مولوی نذیر حسین جتوئی، قاضی مجتبیٰ سندھ کے صاحب قلم سید سردار علی شاہ ذاکر (مدیر مہران) میرے لیڈر رحیم بخش سومرو، حید بخش جتوئی، احمد میاں سومرو، سردار لقا محمد جکھرانی، میر بلوچ خان ڈومکی، گل محمد جکھرانی قیصر خان گولاٹو، مولوی عبیداللہ سومرو، نبی بخش خان سرکی، خان صاحب سردار خان کھوسہ خان صاحب شاہل خان کھوسہ، سردار واحد بخش خان سرکی، حاجی محمد مراد خان جمالی، سردار یار محمد خان جمالی، موجودہ سندھ میں جہاد آزادی کی تحریک کے صف اول کے سپاہی اور جرنیل محمد خان غازی وردگ آپ کے تمام صاحبزادے آصف فصیح الدین وردگ (حال سینیٹر) غازی خان وردگ، مکی خان وردگ اور میجر واصف وردگ۔[1]

---

[1] مکتوبات امین الملت: ۵۳، ۵۴

امین الملت میر محمد امین خان کھوسہ مختصر علالت کے بعد دسمبر ۱۹۷۲ء میں کراچی میں واصل بحق ہوئے۔ ؎

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

وہاں سے میت آپ کے آبائی گاؤں عزیز آباد (ضلع جیکب آباد) لائی گئی۔ جنازہ میں سندھ کے بیشتر عمائدین، سیاستدان، علما اور عوام کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ نواب محمد اکبر خان بگٹی ان دنوں بلوچستان کے گورنر تھے۔ آپ بھی اپنے ہیلی کاپٹر میں تشریف لائے جنازہ میں شامل ہوئے اور میت کو کندھا دیا۔

امین الملت کی وفات سے ایک عہد اور تاریخ اپنے اختتام کو پہنچی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آج بھی اپنے آقا و مرشد مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اُس عالم میں جس کا کوئی نام نہیں بدستور عقیدت و محبت کی محفلیں سجائے ہوں گے۔ امین الملت کا حضرت والا سے جو تعلق تھا اس کا تقاضا یہی ہے ؎

نسبت جو مجھے ہے تیرے کوچے کی زمیں سے
میں دفن کہیں ہوں مگر اٹھوں گا وہیں سے

دنیا کی نیرنگیاں بدستور قائم ہیں مگر امین الملت کی جگہ خالی ہے اور شاید ہمیشہ خالی رہے۔

ہمارے بعد محفل میں اندھیرا رہے گا
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیئے

آپ کی اولاد نرینہ نہیں تھی اس وقت آپ کے برادرِ خورد میر نظام الدین

خاں آپ کے علمی اور روحانی جانشین ہیں۔ آپ صاحبِ علم اور بزرگوں کی روایات کے امین ہیں۔ آپ نے امین الملّت کے افکار و نظریات کی نشر و اشاعت کے لیے امین الملّت اکیڈمی بھی قائم کی ہے۔ خدا کرے یہ اکیڈمی امین الملّت کے آفاقی نظریات اور پیغام کا مؤثر ذریعہ ثابت ہو۔

مخدوم السّادات سیّد محمد مظفر علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ راقم السطور کے والدِ گرامی حضرت الشیخ سیّد مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ کے چچازاد بھائی تھے آپ کے والدِ ماجد مجمع الفضائل پیکرِ درد و محبّت حضرت پیر سیّد بہار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ میرے جدِّ امجد حضرت سیّد سردار شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے آپ اپنے بڑے بھائی کو والد اور مرشد کی حیثیت دیتے تھے بڑے بھائی کے سامنے خاموش اور مؤدب رہتے۔ وہ اٹھتے تو ان کی جوتیاں سیدھی کرنے میں عار نہ سمجھتے۔ سیّد محمد مظفر علی شاہ علیہ الرحمۃ ۱۳۳۰ھ میں گڑھی اختیار خاں میں پیدا ہوئے آپ کا تاریخی نام آپ کے عم محترم اور میرے جدِّ امجد پیرِ طریقت حضرت سردار شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا۔ ابتدائی تعلیم بھرچونڈی شریف میں حاصل کی۔ کچھ وقت سابق ریاست بہاول پور کی اسلامی یونیورسٹی جامعہ عباسیہ میں زیرِ تعلیم رہے۔ مشہور قومی کارکن علامہ رحمت اللہ ارشد آپ کے ہم درس تھے دستارِ فضیلت سندھ کے مشہور دینی دارالعلوم "دارالہدیٰ" ٹھیڑی سے حاصل کی۔

کچھ عرصہ مسجد مائی صاحبہ خان پور میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے

بعد میں مستقل طور پر اپنے زمیندارہ کاروبار میں مشغول ہو گئے۔

آپ دراز قد، فصیح اللسان، اور انتہائی وجیہہ شکل و صورت کے حامل تھے مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ہر موضوع پڑھتے، ہر محفل میں میرِ مجلس ہوتے۔ گفتگو انتہائی پرمعنیٰ، شائستہ شستہ اور سلیقہ ہوتی۔ آپ کو عربی، فارسی اور اردو کے ہزاروں اشعار یاد تھے شعر اس قدر برمحل پڑھتے کہ اہلِ ذوق وجد میں آجاتے۔

بات سے بات نکالنے، نکتے پیدا کرنے اور مخالف کو فوراً جواب کر دینے میں آپ کا جواب نہیں تھا۔ آپ ایک ایسی باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے جہاں بیٹھتے خوشیاں اور مسرتیں بکھیر دیتے۔ آپ اعلیٰ درجے کے قادر الکلام خطیب بھی تھے۔

آپ نے شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی مگر استفادہ کا زیادہ تعلق شیخ ثالث مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے رہا۔ حضرت پیر صاحب علیہ الرحمۃ نے آپ کو وعظ و نصیحت اور پند و ارشاد کے ذریعے مخلوقِ خدا کو ہدایت کرنے کی تلقین فرمائی۔

آپ ۱۵؍شعبان ۱۴۱۲ھ کو واصل بحق ہوئے۔ مزار آستانہ قادریہ شاہ آباد شریف میں ہے۔ ؎

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

آپ کے بڑے صاحبزادے سیّد احمد نواز شاہ صاحب آپ کی تمام خوبیوں کے امین اور آپ کے جانشین ہیں۔

عمدۃ الصلحا میاں غریب شاہ صاحبؒ ہاشمی سنجر پور

آپ کا اسمِ گرامی میاں شہاب الدین اور لقب غریب شاہ تھا۔ شیخ ثالث مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے شروع شروع میں آپ کی درویشی کم گوئی اور عزلت پسندی کو دیکھتے ہوئے آپ کو غریب شاہ کا لقب عطا فرمایا۔ شیخ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا یہ لفظ اصل نام پر سبقت لے گیا یہاں تک کہ خود بھی اپنے آپ کو غریب شاہ لکھتے۔

آپ برصغیر کے ایک نامور علمی اور روحانی خاندان کے رکنِ رکین تھے آپ کے اکابرین مغل بادشاہوں کے دور میں اندرون حویلی شہزادیوں کی تعلیم وتربیت پر مامور رہے تھے اس ہاشمی خاندان کے مورثِ اعلیٰ نامور مجاہد محمد بن قاسم علیہ الرحمۃ کے ساتھ اس ملک میں وارد ہوئے۔ مغل بادشاہوں کے تصدیق نامے اور تعلیمی خدمات کی سندات ان حضرات کے پاس موجود تھیں۔ سنجر پور تحصیل صادق آباد میں آباد اس خاندان کا رابطۂ عقیدت شروع میں سید العارفین جنیدِ وقت حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ سے قائم ہوا۔

میاں غریب شاہ علیہ الرحمۃ نے شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ آپ صورت وسیرت میں بھرچونڈی شریف کی قابلِ فخر جماعت کے مایۂ ناز فرزند تھے۔ منکسر المزاج، مہمان نواز، کم گو اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ راقم کے والدِ گرامی حضرت شاہ مغفور القادری علیہ الرحمۃ سے آپ کا تعلق عشق ومحبت کا تھا۔ آستانہ عالیہ قادریہ آباد شریف تشریف لاتے تو کئی کئی دن ٹھہرتے

والد مرحوم بھی بھرچونڈی شریف آتے جاتے سنجر پور ضرور اترتے، حضرت میاں غریب شاہ صاحب ہاشمی علیہ الرحمۃ نے نامور عالم اور معروف ادیب میر حسان الحیدری خاں سے بیان فرمایا کہ گردشِ زمانہ سے ہمارے معاشی حالات کافی دگرگوں ہوگئے تھے ایک فخرِ مجمع الفضائل والکمال الحاج حضرت سید سردار شاہ صاحب علیہ الرحمۃ (راقم کے جدِ امجد) ہمارے ہاں تشریف لائے تو میں نے انتہائی دکھ بھرے لہجے میں اپنی پریشانی کا ذکر کیا آپ نے کرم فرماتے ہوئے سورہ یٰسین کا خصوصی عمل اپنے قلم سے صاف خوشخط لکھ کر عنایت کیا اور فرمایا اس کا وِرد قضا نہ کرنا۔ وہ دن تھا اور آج کا دن معاشی تنگی ترشی تو اپنی جگہ رہی اللہ تعالیٰ نے خوشحالی اور دنیوی اعزاز کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ میر صاحب کا بیان ہے کہ حضرت کا تحریر کردہ وظیفہ میاں غریب شاہ علیہ الرحمۃ نے مجھے بھی دکھایا۔ اور فرمایا یہ سب حضرت سید سردار علیہ الرحمۃ کا فیضان ہے۔ میاں غریب شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی اہلیہ فوت ہوئیں تو آپ کی دوسری شادی میرے والدِ گرامی نے خان پور کے ایک عقیدت مند خاندان میں کرائی۔

آپ کو شیخ ثالث علیہ الرحمۃ نے خلافت، صحبت اور راقم کے جدِ امجد حضرت سید سردار شاہ علیہ الرحمۃ نے اجازت بیعت عطا فرمائی۔

آپ کے فرزند میجر بشیر احمد ہاشمی مرحوم اور میاں نذیر احمد مرحوم نے بھی زندگی بھر بھرچونڈی شریف اور راقم السطور کے گھرانے سے بدستور عقیدت ومحبت کے تعلقات قائم رکھے۔ راقم کے والدِ گرامی حضرت شاہ مغفور القادری علیہ الرحمۃ ایک دفعہ بہاول وکٹوریہ ہسپتال بہاولپور میں دو ماہ کے قریب زیر علاج رہے تھے۔ میجر ہاشمی صاحب ان دنوں بہاولپور میں تعینات تھے دو ماہ کا پورا عرصہ میجر ہاشمی صاحب مرحوم بلاناغہ

دن میں دو دفعہ صبح دفتر جانے سے پہلے اور شام دفتر سے واپسی پہ لازماً ہسپتال آتے
اور اولاد کی طرح والد گرامی کی خدمت کرتے الغرض یہ خاندان اپنی شرافت، وضعداری
اور خاندانی جوہر کی بنا پر اپنی مثال آپ ہے رہ رہ کر دل سے یہ صدا نکلتی ہے۔

دل کی تھیں جن سے بستیاں آباد
اب کہاں ہیں وہ ہستیاں آباد

حضرت پیر میاں غریب شاہ صاحب ہاشمی نے زندگی بھر بھر چونڈی شریف
کی حاضری میں ناغہ نہ کیا۔ اعراس کو تو آپ فرض طریقت سمجھ کر شامل ہوتے۔ راقم کے
جدامجد حضرت سید سردار احمد علیہ الرحمۃ کے عرس میں بھی باقاعدہ شمولیت فرماتے۔ میرے
والد گرامی حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ اللہ کو پیارے ہوئے تو میاں غریب
شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

آپ ۱۹۷۵ء میں عازم خلد بریں ہوتے مزار مبارک سنجر پور میں حضرت شاہ
محمد عراقی شہید علیہ الرحمۃ کے احاطہ میں ہے۔ آپ کے فرزند میجر بشیر احمد صاحب ۱۹۷۷ء
میں واصل بحق ہوئے آپ بھی اپنے والد کے پہلو میں محو استراحت ہیں۔ میجر صاحب مرحوم
نے پاک فوج میں بڑی بہادری اور جرأت سے خدمات سرانجام دیں۔ راقم سے انتہائی
محبت اور شفقت فرماتے تھے راقم کے والد گرامی سے میجر صاحب کی عقیدت ومحبت کے
مناظر نہ بھولنے والی یادیں ہیں۔ حضرت میاں غریب شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے باقی
صاحبزادگان میاں مقبول احمد صاحب میاں مختار احمد صاحب میاں احسان احمد صاحب وغیرہ
بدستور بھر چونڈی شریف سے اپنی نسبت قائم رکھے ہوئے ہیں اور اس فقیر
سے بڑی محبت کرتے ہیں۔

فخر السادات علامہ سید کاظم القادری رحمۃ اللہ علیہ

آپ راقم کے بڑے بھائی تھے ۱۳۴۸ھ میں گڑھی اختیار خاں میں پیدا ہوئے
پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں استاذ العلماء رئیس الفقہا حضرت
مفتی عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خطیب مسجد مائی صاحبہ خان پور سے پڑھیں، کچھ
عرصہ سرائیکی زبان کے مشہور واعظ مولانا غور رشید احمد فیضی کے پاس پڑھتے رہے یہاں سے
جامعہ عباسیہ بہاولپور تشریف لے گئے وہاں دل نہ لگا تو غزالی زماں ضیغم اسلام حضرت
علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مدرسہ انوار العلوم
ملتان چلے گئے بقیہ علوم کی تکمیل آپ نے وہاں کی۔ دستارِ فضیلت بھی انوار العلوم
سے حاصل کی۔

آپ نے مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست
پر بیعت کی۔ دستارِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد کچھ عرصہ تک میلسی کے ایک دینی
مدرسے میں پڑھاتے رہے۔ وہاں سے چیچہ وطنی ضلع ساہیوال منتقل ہو گئے۔

چیچہ وطنی میں آپ نے تعلیم وتدریس، وعظ ونصیحت اور رشد وارشاد کا سلسلہ
جاری کیا جو تادم آخر جاری رہا۔ آپ کم گو، عزلت پسند اور گوشہ نشین بزرگ تھے آپ
کے پاس نہایت قیمتی اور نایاب کتابوں پر مشتمل لائبریری تھی آپ کا اوڑھنا بچھونا کتابیں
تھیں۔ رات دن کتابیں پڑھنا، نئی نئی کتابیں منگوانا، حاصل مطالعہ مواد کو قلمبند کرنا آپ
کا بہترین مشغلہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صورت کا بھی وافر

حصہ عطا فرمایا تھا۔ تقریر فرماتے تو معلومات بہتے ہوئے دریا کی شکل میں نازل ہوتیں
آپ انتہائی با اخلاق، مہمان نواز، کشادہ دست اور خندہ جبیں تھے طبیعت میں انکسار
نمایاں تھا مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ نے آپ کو خلافتِ صحبت اور والدِ
گرامی حضرت شاہ مغفور القادری علیہ الرحمۃ نے اجازتِ بیعت سے نوازا۔ آپ ۱۹۷۶ء
میں ۴۸ سال کی عمر میں رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے۔ ع

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

مزار چیچہ وطنی ضلع ساہیوال میں ہے۔

زُبدۃ العلماء سید ذاکر شاہ صاحب

آپ ایرانی مکران کے باشندے تھے طالب علم میں پاکستان نکل آئے تمام
علومِ دینیہ کی تکمیل غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی علیہ الرحمۃ
کے ہاں مدرسہ انوار العلوم میں کی۔ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ نے
درگاہِ عالیہ کے مدرسہ کیلئے حضرت علامہ کاظمی صاحب علیہ الرحمۃ سے نوجوان جید
عالم دین طلب فرمایا تو حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ نے اس سال فارغ التحصیل
ہونے والے علماء میں سے سب سے زیادہ لائق اور ذی استعداد عالم دین سید ذاکر
شاہ کو بھرچونڈی شریف بھجوایا۔ آپ نے کافی عرصہ درگاہِ عالیہ میں تدریس کے
فرائض سرانجام دیئے۔ بھرچونڈی شریف آئے تو شیخ ثالث علیہ الرحمۃ کی زلفِ گرہ گیر
کے اسیر ہو کر بیعت سے سرفراز ہوئے آپ انتہائی با اخلاق، ملنسار، مطالعہ کے رسیا
اور علم کے دلدادہ تھے۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے خلافتِ صحبت سے نوازا۔ اپنے ملک ایران

واپس تشریف لے گئے تو پھر آپ کا پتہ نہیں چل سکا۔

فخرِ اہلسنت علامہ مفتی غلام سرور قادری لاہور

آپ کا تعلق مشہور عالم روحانی قصبے "اوچ شریف" کے علاقے سے ہے راقم
کو آپ کے ساتھ کئی برس تک ہم درس اور ہم مکتب رہنے کا موقع ملا ہے۔ آپ صاحبِ
علم و فضل، مطالعہ کے رسیا، کتابوں کے عاشق، نادر کتابیں جمع کرنے کے شوقین،
لائق مطالعہ لائبریری کے مالک، شروع سے شریعت و سنت کے پابند، صاحبِ تقویٰ و
طہارت، نقاد ذہن اور اخاذ دماغ کے مالک ہیں۔ کتابیں آپ کا اوڑھنا بچھونا اور
نوشت و خواند آپ کی زندگی کا وظیفہ ہے۔

آپ بلند اخلاق، عالی حوصلہ، مہمان نواز، کشادہ دست اور علمائے سلف
کا نمونہ ہیں۔ آپ اہل سنت و جماعت کے قابل فخر عالم دین ہیں۔ آپ کو کئی دینی دنیوی
اعزاز حاصل ہیں اس وقت آپ جو خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کی مختصر تفصیل
یہ ہے۔

- چیئرمین تحریک احیاء خلافت پاکستان
- مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان
- ممبر شریعت ورکنگ کمیٹی حکومت پاکستان
- مینجنگ ٹرسٹی و مہتمم دار العلوم جامعہ رضویہ (ٹرسٹ)

سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور

آپ کو مجاہدِ اسلام شیخ المشائخ حضرت پیر عبد الرحمٰن بھرچونڈی شریف

سے شرفِ بیعت حاصل ہے۔ آپ اپنے دینی و دنیوی اعزازات اور مناصب کو حضرت
علیہ الرحمۃ کی خصوصی دعاؤں کا ثمرہ قرار دیتے ہیں۔

دورانِ تعلیم راقم نے ملتان اور بہاول پور میں آپ کے ساتھ خاصہ عرصہ
گزارا ہے خیالات اور فکر کی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ روحانی نسبت کے اتصال نے
ہمارے درمیان آج سے پچیس سال قبل محبت و مودت کے جو بیج بوئے وہ بحمد اللہ
درخت بن کر سرسبز و شاداب ہیں۔ آپ جماعت بھرچونڈی شریف کے لائقِ افتخار فرزند
اور اس فقیر کے انتہائی کرم فرما دوست ہیں۔ آپ نے ایک مکتوب میں اپنے مرشد کے
بارے میں عقیدت و محبت کے جذبات کا جو اظہار کیا ہے۔ میں ذیل میں اس کی تلخیص
پیش کرتا ہوں۔

حضرت مجاہدِ اسلام قبلہ پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ کی خدمتِ عالیہ میں بھرچونڈی
شریف میں ایک بار حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ راقم ۱۹۵۸ء میں جمال دین والی
(تحصیل صادق آباد) میں زیرِ تعلیم تھا کہ صوفی بے ریا حضرت فقیر شیخ غلام رسول صاحب
رحمۃ اللہ علیہ روتی شریف (نزد جمال دین والی) خلیفۂ مجاز حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ
سے تعارف ہوا۔ آپ صاحبِ کرامات، صاحبِ حال اور صاحبِ قربِ خاص بزرگ تھے
آپ کو حضرت شیخ المشائخ پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ گرامی شیخ ثانی ہادیٔ
گمراہاں حضرت حافظ محمد عبد اللہ علیہ الرحمۃ سے شرفِ بیعت اور حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ
اللہ علیہ سے اجازتِ خلافت حاصل تھی۔ میں نے فقیر شیخ غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی
کئی کرامات دیکھیں تو آپ سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کے جواب میں آپ
نے فرمایا۔ میں نے بیعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا۔ اور نہ ہی اپنے آپ کو اس قابل سمجھتا

ہوں البتہ میں اپنے مرشد سے آپ کو بیعت کرا دیتا ہوں۔ چنانچہ فقیر صاحب مجھے بھرچونڈی
شریف لے گئے اور یوں مجھے مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ کی زیارت اور
آپ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مجھے روحانی تشنگی محسوس ہوئی۔ کہ جس بزرگ
سے وابستگی ہوئی ان سے رابطہ نہیں ہے کہ اس دوران اچانک آپ ملتان تشریف لائے
اور دوبارہ زیارت اور استفاضہ کا موقع نصیب ہوا۔ آپ عالم باعمل، حافظ قرآن
اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے لئے دردمند دل کے مالک اور روحانی اعتبار سے
نہایت بلند مرتبہ شخصیت کے حامل تھے۔ آپ انتہائی بے تکلف، سادہ اور متواضع تھے۔

غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ مجاہدِ
اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ کی بہت تعریف کرتے تھے۔ مجھے حضرت کی صحبت
مختصر حاصل ہوئی۔ مگر آپ کی یاد دل و دماغ سے محو نہیں ہوئی۔ معروف قادری ٹوپی
جو سفید تھی اور ناشزہ اوپر کو اٹھی ہوئی۔ سفید لمبا کرتا، پنڈلیوں تک سفید شلوار لباس
سادہ مگر پُروقار۔

ادب اس کمال کا کہیں بایدوشاید۔ آپ نے جو مختصر گفتگو فرمائی وہ بھی خاص
دینی اور محبتِ الٰہی کی۔ اس دوران اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا بریلوی
علیہ الرحمۃ کا ذکر بھی چلا۔ اور جس عقیدت و محبت سے چلا نہ پوچھئے۔ ایسے لگتا تھا
کہ بھرچونڈی شریف اور بریلی شریف کے درمیان محبت و عظمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ
وسلم کا مشترک رشتہ جڑا ہوا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر امام احمد رضا نہ
ہوتے تو آج پاکستان ہندوستان پر وہابیت کی حکمرانی ہوتی۔ پھر فرمایا احمد رضا پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور غوث اعظم کا خاص کرم ہے پھر حضرت مفتی اعظم ہند شاہ مصطفےٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بڑی محبت سے فرمایا۔ ضمناً حضرت علامہ کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا تو آپ نے ان کی بہت تعریف فرمائی۔ اور فرمایا کہ اعلیٰ حضرت اور مفتیٔ اعظم ہند کے بعد حضرت علامہ کاظمی صاحب کی شخصیت اہلِ سنّت کے لیئے نعمتِ عظمیٰ ہے۔ راقم نے ان بزرگوں کی تعریفیں سنیں تو "ولی را ولی می شناسد" کا مصرعہ ذہن میں تازہ ہو گیا۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ تعریفیں سن کر راقم کے دل میں حضرت علامہ کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اعلٰحضرت اور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت و محبت راسخ ہو گئی الحمد اللہ حضرت کاظمی صاحب سے شرف تلمذ اور حضرت مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں حاضری پر شرف ارادت و خلافت نصیب ہوا۔

یہ سب کچھ درحقیقت شیخ کریم حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر صحبت ہی کا فیضان تھا۔ اس کے بعد ایک دفعہ پھر ملتان تشریف لائے جیپ پر سوار تھے حضرت علامہ کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملے۔ راقم کو پتہ چلا تو دوڑ کر دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ دل میں خیال آیا کہ حضرت مجھے پہچان نہیں پائیں گے کیونکہ حاضری کو عرصہ گزر چکا ہے۔ اور پھر وہ حاضری بھی انتہائی مختصر اور وقت بھی رات کا تھا۔ حضرت غالباً میرے اس کھٹکے سے مطلع ہو گئے غور سے میری طرف دیکھا اور مسکرائے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ میرے وسوسے سے واقف ہو گئے ہیں اتنے میں آپ نے یہ فرما کر میرے واہمے کو یقین میں بدل دیا کہ آپ جمال دین والی سے یہاں کب آئے ہیں؟ پھر فرمایا کبھی بھرچونڈی شریف دوبارہ آئیں۔ یہ فرما کر آپ نے راقم کے کندھے پر دستِ شفقت رکھا اور فرمایا

سلسلہ عالیہ قادریہ کا فیضان بڑا وسیع ہے۔ مشائخ سلسلہ قادریہ اپنے دوستوں (تواضعاً مریدوں کا لفظ نہ فرمایا) کو جس طرح نوازتے ہیں اس کا دوستوں کو ہی پتہ ہوتا ہے۔

حضرت علامہ کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے کوئی علمی نکتہ پوچھا حضرت کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتابیں دیکھنے میں مصروف تھے۔ اس دوران حضرت والا میرے ساتھ باتیں کرتے رہے اور آپ کی مجھ پر خصوصی نظرِ کرم رہی۔ اس دوران آپ نے فرمایا کہ سلسلہ قادریہ کے مشائخ اپنے احباب کو اس طرح اوپر اٹھاتے ہیں جیسے کوئی چھوٹے بچے کو پیار کرے اور پھر اوپر اُٹھا لے جس کی پہلے بچے کو کوئی امید اور توقع بھی نہیں ہوتی اس کے بعد آپ نے خصوصی دعاؤں سے نوازا۔

آج اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز کو جن ظاہری و باطنی نعمتوں اور ترقی سے نوازا ہے وہ سب حضرت کی دعاؤں کا نتیجہ ہے آپ کے کلمات شریفہ ان کی طرف پیشگی اشارات و تلمیحات تھے۔ [1]

فخر الاماثل مفتی محمد فاروق احمد القادری الرحمانی

آپ بلند پایہ عالم دین، قادر الکلام خطیب، کئی اسلامی اور دینی اداروں کے بانی اور منتظم، بھرچونڈی شریف کی نسبت کے شیدائی، خوش فکر، خوش لباس، خندہ جبیں اور مہمان نواز شخصیت کے حامل ہیں۔ آپ کا حلقۂ محبت اندرون اور بیرون ملک خاصا وسیع ہے۔ آپ خانقاہِ عالیہ بھرچونڈی شریف کے لائق فخر فرزند، درگاہِ عالیہ کی خصوصی مجلس

---

[1] مکتوبات جناب علامہ مفتی غلام سرور صاحب قادری بنام راقم الحروف

مشاورت کے رکن اور سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ کے خصوصی معتمد ہیں۔ اس وقت آپ کی زیرِ ادارت مندرجہ ذیل علمی اور دینی ادارے نہایت شاندار طریقے سے دینی و ملی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

"مرکز علوم القرآن" جامع مسجد اللہ والی شیریں جناح کالونی کلفٹن کراچی

آپ اس جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہیں۔ "مرکز علوم القرآن" میں قرآنی علوم کی نشر و اشاعت کے مختلف شعبہ جات کام کر رہے ہیں یہ ادارہ ٹرسٹ کی صورت میں کام کر رہا ہے اس کے صدر حضرت پیر سید زمان شاہ صاحب مدظلہ العالی ہیں۔ مدرسہ اسلامیہ جیلانیہ رحیم یارخان۔ یہ ادارہ بیس سال سے دینی علوم کی ترویج میں مصروف ہے۔ "دار العلوم فاروق اعظم" یہ ادارہ نیشنل ہائی وے پر چوک بہادر پور (رحیم یارخان سے آٹھ کلو میٹر) کے نزدیک واقع ہے اس ادارے کا افتتاح ۱۹۹۲ء میں وفاقی مذہبی امور مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی مدظلہ نے کیا۔ ادارہ ایک ایکڑ زمین پر واقع دو منزلہ عظیم الشان عمارت اور وسیع و عریض خوبصورت جامع مسجد پر مشتمل ہے۔

مفتی صاحب تبلیغ دین کے سلسلے میں خلیجی ممالک کے علاوہ تھائی لینڈ، ملائیشیا وغیرہ کے باقاعدہ دورے کرتے ہیں۔ مفتی صاحب سے راقم کا تعلق بھرچونڈی شریف کے حوالے سے بہت پرانا ہے آپ کی سوچ، فکر اور کد و کاوش کا بنیادی مرکز بھرچونڈی شریف ہے۔ راقم نے آپ سے رابطہ کیا تو آپ نے مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ اور خلفاءِ عالیہ بھرچونڈی شریف سے اپنی نسبت اور اس سے متعلق خوشگوار اور حسین یادوں پر مشتمل مضمون لکھ کر مجھے بھجوایا ہے گو یہ مضمون ذرا

طویل ہے۔ تاہم اس کا ایک ایک لفظ عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہے قارئین کو اس محبت کی اس پُرکیف محفل میں شامل کیے بغیر مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ مفتی صاحب نے اپنی داستانِ عشق اس طرح بیان کی ہے۔

مختصر خاندانی تعارف

"میرا تعلق سمیجہ (سمہ) قوم سے ہے یہ قوم دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر رحیم یارخاں سے ضلع سکھر تک پھیلی ہوئی ہے اس قوم کے بیشتر افراد بھرچونڈی شریف سے بیعت و ارادت کی نسبت رکھتے ہیں۔ میرے والد شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے جبکہ والدہ کی بیعت مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ والد مرحوم سو سال کے قریب عمر کے باوجود نماز روزے اور ذکرِ نیم شبی کے سختی سے پابند تھے جماعتی دستور کے مطابق بعد نماز عشاء سورۂ ملک ضرور پڑھتے۔

والد کی وصیت

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

والدِ گرامی مرض الموت میں ہسپتال میں داخل تھے آپ نے مجھے دو باتوں کی خصوصی وصیت فرمائی۔ ۱۔ بھرچونڈی شریف کے سجادہ نشین حضرت پیر عبدالخالق کی مجھے زیارت کرائی جائے۔ ۲۔ رحلت کے بعد میری تدفین بھرچونڈی میں کی جائے۔ بحمد اللہ عزیز

مجھے آپ کی دونوں باتوں پر عمل پیرا ہونے کی سعادت میسر آئی۔ والد مرحوم ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ اللہ کو پیارے ہوئے اور بھر چونڈی شریف کے بڑے قبرستان میں دفن ہوئے۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

میرے والد کی عقیدت و محبت

مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے میری درخواست پر ۱۹۵۸ء میں میرے گھر (کچہ کبڑا براستہ جمالدین والی تحصیل صادق آباد) قدم رنجہ فرمانے کی استدعا قبول فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ احمد پور لمہ شیخ صاحبان کے پاس آنا ہوگا تو تمہیں اطلاع دی جائے گی۔ وہاں سے اپنے گاؤں لے جانا۔ ایک دن اچانک فقیر مولوی عبدالخالق کھتری نے رحیم یار خاں آکر مجھے احمد پور لمہ میں آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دی میں فوراً احمد پور پہنچا زیارت سے مشرف ہوا۔ ارشاد ہوا طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ اس وقت ہمیں لے جانے کی ضد نہ کریں۔ خلفائے کرام نے بھی گرمی اور طبع مبارک کی علالت کے پیش نظر مجھے منع کیا مگر امروز چھوڑ کر وعدۂ فردا پر کسی طرح راضی نہ ہوا۔ میں حضرت اقبال کے اس شعر کی تصویر بنا رہا۔

کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا
فقط امروز ہے تیرا زمانہ

بہرحال آپ نے میرا دل نہ توڑا اور بذریعہ جیپ میرے گاؤں کے لیئے روانہ ہوئے۔ جمال دین والی سے گزر ہوا تو سڑک پر حضرت صوفی حسن بخش قادری اوردتی شریف کے بہت سے عقیدت مند سراپا انتظار موجود تھے۔ انہوں نے گلاب اور چنبیلی کے پھول

پیش کیے۔ اور بچشم پرنم زیارت سے مشرف ہوئے۔ زبانِ حال سے صوفی صاحب اور تمام جماعت یوں گویا تھی۔ ؎

عمر مکدیاں مکدیاں مک گئی اے   پینڈا یار دے دردا نئیں مکدا
یار ساڈے دل دے اندر وسدا اے   سفر اپنے اِس گھر دا نئیں مکدا

دریائے سندھ کے کنارے پر پہنچے تو دریا کو دیکھ کر خوش ہوئے پوچھا پہنچ گئے ہیں؟ میں نے عرض کیا حضور! ہمارا گھر دو دریاؤں کے درمیان ہے۔ چھوٹے دریا سے گزرے تو گھر سامنے تھے۔ کچے کا علاقہ، درختوں کا سبزہ، دو دریاؤں کا درمیانی علاقہ عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ آپ کو یہ فطری مناظر بہت پسند آئے۔ گھر پہنچے تو تمام اہل خانہ اور عزیز و اقارب قدم بوس ہوئے۔ گھنٹہ بھر قیام رہا۔ پھر روانگی ہوئی تو ہمارا فراقِ مرشد میں عجیب حال ہو رہا تھا میرے والد مرحوم نے آپ کی جیپ کے نشانات (ٹائروں کی لکیریں) محفوظ کر لیں جب تک یہ نشانات باقی رہے والد مرحوم ہر روز صبح سویرے جا کر ان نشانات کی زیارت کرتے اور روتے اور کہتے نامعلوم میرے سجن کب آئیں! مجھے فرماتے کہ میرے دوست کو پھر کب لاؤ گے؟ خود روتے اور ہمیں بھی رُلاتے۔ محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز محبوبیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ ؎

اَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ لیلیٰ   اُقَبِّلُ ذَا الجِدارِ اَو ذا الجدارا
فَمَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قلبی   ولکن حُبُّ مَنْ سکن الدیارا

بیعت کیلئے میری حاضری

۱۹۵۴ء اپنے چچا اور مزاری خاندان کے ایک منہ بولے چچا کی معیت میں

بھر چونڈی شریف حاضر ہوا۔ نماز ظہر کے بعد مسجد میں شرف بیعت حاصل کیا اور
متواتر تین روز شریعت و طریقت کے اِس حسین ترین امتزاج اور آفتاب ولایت
کے دیدار سے فیضیاب ہوتا رہا۔

دن کو اسی سے روشنی، شب کو اسی سے چاندنی
سچ تو یہ ہے کہ روئے یار شمس بھی ہے قمر بھی ہے

تیسرے روز میں نے علوم کی باقی تکمیل (اس وقت تک میں درسِ نظامی کی
کتابیں پڑھ چکا تھا) کیلئے ملتان مدرسہ انوار العلوم میں داخل ہونے کی خواہش کا
اظہار کیا تو آپ نے دعا فرمائی۔ اور تعلیم مکمل کرنے کی تلقین کی۔ میں نے دوبارہ ملتان
جانے کا ذکر کیا تو آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ مجھے تردد اور حیرت ہوئی مگر میں
ملتان پہنچا۔ واعظ جادو بیان مولانا خورشید احمد صاحب فیضی کی وساطت سے غزالی زماں
علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے داخلے کے لیے عرض کیا تو آپ
نے فرمایا آپ فی الحال مولانا (استاذ العلما) عبدالکریم صاحب سے پڑھیں۔ چنانچہ
واپس آکر میں مدرسہ سعیدیہ ظاہر پیر اور مدرسہ سراج العلوم خان پور میں استاذ العلما
حضرت مولانا عبدالکریم اور سراج الفقہا حضرت مولانا سراج احمد صاحب مکھن بیلوی
رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتا رہا۔ چھ سال بعد ۱۹۶۰ء دوبارہ ملتان پہنچا تو برادر محترم
فاضل جلیل مفتی غلام سرور قادری کے مشورہ سے مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ
مفتی مدرسہ انوار العلوم کی خدمت میں داخلے کے لیے درخواست پیش کی۔ مگر بوجوہ
داخلہ نہ مل سکا۔ چنانچہ میں محدثِ اعظم پاکستان عاشق رسول حضرت ابوالفضل سردار احمد
رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں داخلہ کیلئے فیصل آباد چلا آیا جہاں فوراً مجھے داخلہ مل گیا۔

اب ملتان کے ذکر پر مجھے حضرت والا کا سکوت یاد آیا فیصل آباد میں دورانِ تعلیم مجھے
ڈسٹرکٹ جیل میں خطابت کے فرائض سونپے گئے۔

نواب بگٹی سے ملاقات

ڈسٹرکٹ جیل فیصل آباد میں جمعہ کے خطبہ کیلئے پہنچا تو ایک بڑی قد آور شخصیت
جاہ و جلال کے مالک، فلسفہ خودی اسے آشنا بگٹی قبیلہ کے سردار جناب نواب محمد اکبر
بگٹی کو نماز پڑھتے دیکھا۔ بعد نماز جمعہ حسبِ دستور جماعت سے دعا سلام میں نواب
صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ آپ نے میری بہت عزت افزائی فرمائی قریب ہوا تو
مجھے آپ کی انسانی عظمت، خاندانی شرافت اور اعلیٰ مقام کا صحیح اندازہ ہوا۔

تواضع کند ہوشمند گزیں
نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

آپ ان دنوں غالباً سیاسی نشیب و فراز کا شکار ہو کر لمبی سزا کاٹ رہے
تھے بی کلاس میں تھے دورانِ ملاقات بھر چونڈی شریف کا ذکر آیا تو نواب صاحب
نے خصوصیت سے امین الملت میر محمد امین خان کھوسہ کا ذکر کیا۔ مجاہد اسلام حضرت
پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر آیا تو نواب صاحب نے حضرت سے اپنے حسن
ظن اور احترام کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ میں نواب صاحب سے زیادہ مانوس ہو گیا اب
آپ سے گھنٹوں ملاقاتیں رہتیں۔ اگر مجھ سے حاضری میں کبھی کوتاہی ہوتی تو خود یاد
فرماتے۔ میں نے آپ کو آیۃ الکرسی کا مفہوم سمجھایا۔ تو آپ نے اسے انگریزی میں
لکھ لیا۔

امین الملت میر محمد امین خان کھوسہ کا انتقال ہوا تو نواب صاحب ہیلی کاپٹر

میں سوار ہو کر امین الملت کے گاؤں عزیز آباد (جیکب آباد) پہنچے۔ اور جنازہ کو
کندھا دیا۔ بحمد اللہ موجودہ سجادہ نشین صاحب بھرچونڈی شریف سے نواب صاحب
کے بہت گہرے تعلقات ہیں۔

دریا کی گہرائی اور حد بندی

ذیل کا واقعہ میرے والدِ گرامی نے مجھے بارہا سنایا اور اس کی تائید
میرے دو چچاؤں نے بھی کی اور وہ یہ کہ تقسیم پاک و ہند سے پہلے میرے والد نے شیخ
ثالث مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنے گھر قدم رنجہ
فرمانے کی دعوت پیش کی۔ آج کی طرح اُن دنوں بھی ہماری بستی کچہ رازی اور شہوالی کے
درمیان واقع تھی۔ حضرت نے دعوت قبول فرمائی۔ آپ بذریعہ بگھی تشریف لائے چالیس
کے قریب جماعت کے درویش بھی ہمراہ تھے۔ دریا پر پہنچے تو آپ نے دریا میں نہانے
کا ارادہ فرمایا۔ ملتانی مٹی بھگوئی گئی آپ دریا میں اس مقام پر اُترے جہاں دریا کی
گہرائی بہت زیادہ تھی۔ والد مرحوم بیان کرتے تھے کہ ہم دریائی لوگ جو دریا کی گہرائی سے
بخوبی واقف ہونے کے علاوہ تیراکی بھی اچھی طرح جانتے تھے ہم میں سے کوئی شخص
اس مقام پر جانے کی ہمت اور جرأت نہیں کر رہا تھا جہاں آپ نہا رہے تھے ہم میں سے
کچھ لوگوں نے کوشش کی تو دریا نے اس مقام پر نہ کسی کے پاؤں لگنے دیئے اور نہ کسی
کو ٹھہرنے دیا۔ مگر آپ نہایت سکون سے وہاں نہاتے رہے۔ معلوم ہو رہا تھا کہ شاید
دریا بھی اپنے اس معزز مہمان کے آداب بجا لا رہا ہے۔ واپسی پر لوگوں نے اس مقام
پر دریا کے قہر و غضب اور کٹاؤ کی شکایت کرتے ہوئے اپنی بستی کے لیئے شدید خطرے

کی فریاد کی۔ تو آپ نے اپنا عصا مبارک زمین پر گاڑ کر فرمایا۔ دریا کے لیئے یہ حد ہے
اللہ کے فضل و کرم سے دریا اپنی حد سے آگے نہ بڑھے گا۔ چنانچہ وہ دن اور آج کا
دن دریا وہاں سے پیچھے ضرور ہٹا مگر اسے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ والد مرحوم
فرماتے تھے کہ چند روز گزرے تو دریا اپنا اصلی رُخ تبدیل کر کے کُن اور شہوالی کی طرف
بہنے لگا اس طرف معمولی چھوٹا دریا رہ گیا جس میں کٹاؤ کی طاقت ہی نہیں ہے۔ ؎

حکم شاہ ہرچند کشور رسند رواست
حکم فقر از عرش تا تحت الثریٰ است

سردار محمد افضل خاں لغاری کا عجیب سوال

فخر الفقراء جناب پیر غریب شاہ صاحب ہاشمی سنجر پوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت
والا کے محبِ صادق تھے نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت والا رحیم آباد
(تحصیل صادق آباد کا مشہور قصبہ) لغاری صاحبان کی دعوت پر آئے ہوئے تھے ایک محفل میں
سردار محمد افضل خان صاحب لغاری مرحوم (سابق وزیر مال سابق ریاست بہاولپور)
نے پوچھا (سردار محمد افضل خاں مرحوم حضرت والا سے بے پناہ محبت و عقیدت رکھتے تھے
آپ بھی سردار صاحب کے ساتھ خصوصی مشفقانہ برتاؤ کرتے۔ سردار صاحب آپ سے
بلا تکلف گفتگو فرماتے تھے) حضور! اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ (ولی اللہ) جھوٹ بھی بول
سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا فقر کا طرۂ امتیاز صدقِ مقال اور اکلِ حلال ہے۔ درویش نہ
کبھی جھوٹ بولتا ہے نہ اس کی ترغیب دیتا ہے۔ اس پر سردار صاحب نے کہا حضور
اب اپنے فتوے کے مطابق اور اس پر قائم رہتے ہوئے سچ بتائیے کہ فقر و ولایت میں

اس وقت آپ کس مقام پر فائز ہیں ۔؟ نہ تواضع و انکساری فرمائیے نہ کوئی تاویل ۔
پتہ تو چلے کہ واقعی کچھ ہے بھی یا یونہی لوگوں کو حیران پریشان کر رکھا ہے؟ اس
اچانک غیر متوقع سوال پر آپ سنجیدہ ہوتے اور چونکے ۔ پھر فرمایا خان ! داڑھی مبارک
کے بالوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ۔ ابھی یہ سفید بھی نہیں ہوئے تھے کہ اللہ
تعالیٰ نے اپنے بزرگوں کی نگاہِ کرم سے مقامِ قطبیت پر سرفراز فرما دیا تھا ۔ یہ سن کر
خان صاحب مرحوم آبدیدہ ہوگئے اور دامن سے لپٹ گئے آپ نے بھی انہیں تھام لیا ۔

زندہ خرگوش کا ہدیہ قبول کرنا اور پھر اسے جنگل میں چھوڑنے کا حکم دینا

یہ واقعہ بھی پیر میاں غریب شاہ صاحب ہاشمی نے واعظِ شیریں مقال
مولانا سید حضور بخش شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا اور شاہ صاحب نے مجھے بتایا
مجاہد اسلام حضرت پیر عبد الرحمٰن علیہ الرحمۃ سبز پور کے علاقے میں دعوت
کے سلسلہ میں ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ ایک شکاری نے زندہ خرگوش کا ہدیہ
پیش کیا ۔ آپ نے یہ ہدیہ قبول فرماتے ہوئے اسے لے کر ہاتھ پھیرا اور اپنے ساتھ
بٹھا دیا ۔ نماز کا وقت ہوا (دن کی نماز تھی) تو نماز کی تیاری ہونے لگی ۔ حاضرین
میں سے کسی نے عرض کیا حضور یہ خرگوش پالتو نہیں جنگلی ہے ۔ شکاری اسے جنگل
سے پکڑ لایا ہے اسے فوراً ذبح کر کے لنگر میں داخل کرانے کا حکم دیں ۔ ورنہ یہ بھاگے
گا کتے بھی کافی دیر سے اس کی تاک میں ہیں اسے فوراً مار ڈالیں گے ۔ آپ

نے فرمایا ۔ نہیں نہیں نہ یہ بھاگے گا نہ اس پر کتے حملہ کریں گے ۔ یہ فرما کر آپ نماز
کے لیے تشریف لے گئے ساری جماعت بھی نماز کے لیے چلی گئی ۔ واپسی پر ہم نے
دیکھا کہ خرگوش اپنی جگہ بیٹھا ہوا ہے لوگ حیرت زدہ ہوگئے ۔ آپ نے فرمایا شکاری
کو بلاؤ ۔ شکاری حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا ۔ ہم نے ہدیہ قبول کر لیا ہے مگر یہ مادہ خرگوش
ہے اس کے بچے جدائی میں پریشان ہیں اسے وہاں چھوڑ آؤ جہاں سے پکڑ لائے ہو
میاں غریب شاہ صاحب فرماتے تھے کہ شکاری نے اسے اصلی جگہ پہ چھوڑا تو وہ
یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مادہ خرگوش بے قراری میں دوڑ کر جھاڑی میں داخل
ہوئی اور جھاڑی میں منتظر بچے بھاگ کر اس سے لپٹ گئے شکاری اور اس کے ساتھ
جماعت کا درویش واپس آئے تو انہوں نے سارے واقعے سے پوری جماعت کو
آگاہ کیا ۔

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے

آپ کی شکل میں غوثِ اعظم کی زیارت

میں ۱۹۵۷ء مدرسہ سراج العلوم خان پور میں زیرِ تعلیم تھا ۔ سراج الفقہا
حضرت مولانا سراج احمد مکھن بیلوی ؒ، پیکرِ فقر و درویشی مفتی عبد الواحد صاحب ؒ اور استاذ العلماء
حضرت مولانا عبد الکریم صاحب ایسے نامور اور جید علمائے کرام مسندِ تدریس پر فائز تھے
استاذ العلماء حضرت مولانا عبد الکریم صاحب (جو بحمد اللہ ابھی تک بقیدِ حیات ہیں) نامور
مدرس، سینکڑوں علماء کے استاذ اور شب زندہ دار بزرگ ہیں آپ نے مجھ سے یہ

واقعہ بیان فرمایا کہ" ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک خیمہ ایستادہ ہے اور
اعلان ہو رہا ہے کہ اس خیمے میں غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں دوسرے
زائرین کے ساتھ میں بھی لپک کر خیمہ کے اندر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اندر حضرت خواجہ
پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف تشریف فرما ہیں۔ میں نے پوچھا حضور غوث
اعظم کہاں ہیں؟ خیمے کے قریب موجود لوگوں نے بتایا کہ یہی تو ہیں جن کی تم نے ابھی زیارت
کی ہے۔" اس کے بعد حضرت الاستاذ نے فرمایا۔" برخوردار! اسی روز سے میں تمہارے
شیخ کا بے حد معتقد ہو گیا ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے آپ کے مُرشد اپنے سلسلہ کے
بانی حضرت غوث اعظم میں فنا ہیں اور یوں وہ فنا فی الشیخ ہو کر مقام غوثیت پر فائز ہیں۔

ذرّہ نوازی

آپ کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے عرس کی ایک تقریب کے سلسلے میں
دربارِ عالیہ حاضری نصیب ہوئی۔ آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے نامور علمائے
کرام کے بیانات جاری تھے جماعتِ فقرا پر پروانوں کی طرح ہاؤ ھو اور سوز و گداز کی
کیفیت طاری تھی۔ سردیوں کا موسم تھا میرے شانوں پر سُرخ رنگ کی گرم شال تھی۔
میں شال کی وجہ سے شرم کے مارے حضرت کی نگاہ سے چھپنے لگا۔ آپ کی اچانک نگاہ
پڑ گئی اپنی غزالی آنکھوں سے ایسا خفیف اشارہ فرمایا جسے جماعتِ حاضرین بھی سمجھ گئی۔
اور یہ فقیر بھی۔ ہجومِ غفیر نے مجھے حضرت تک پہنچنے کا راستہ دے دیا۔ میں قریب پہنچ کر
بیٹھ گیا۔ آپ کے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی۔ مگر میں جلالت و وجاہت سے پسینہ
میں شرابور اس سے مجھے احساسِ کمتری سے نکالنا مقصود تھا۔

ایک دفعہ میں شدید بیمار ہو کر سول ہسپتال رحیم یار خان میں داخل ہوا۔
ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق پیٹ میں رسولی کا انکشاف ہوا۔ آپریشن کے بغیر کوئی
اور صورت ممکن نہ تھی۔ میں بے حد پریشان تھا خیال آیا کہ اپنے والدِ محترم کو اطلاع دوں۔
پھر خیال آیا کہ اپنے شیخ کو ساری صورتحال سے مطلع کروں پھر آپ جو حکم فرمائیں۔ چنانچہ
میں نے نہایت درد انگیز لہجے میں آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ تھوڑے دنوں میں حضرت
علامہ مولانا غلام قادر صاحب خطیب امام جامع مسجد مدنی کے پتہ پر حضرت کا جواب آ
گیا خط کچی پنسل سے نہایت صاف انداز میں لکھا گیا تھا۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے
لکھا تھا۔ ارشاد ہوا آپریشن نہ کراؤ اور فوراً درگاہِ عالیہ پہنچو۔ خط پڑھتے ہی میں نے
ڈاکٹروں سے اجازت حاصل کرنے کی تاخیر بھی بے ادبی سمجھی۔ اور فوراً درگاہِ عالیہ
پہنچ کر قدم بوس ہوا تو زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے۔ "کہیں کچھ نہیں ہے پیٹ میں ہوا
کا گولہ ہے۔ یہ دیسی گولیاں کھاؤ اللہ تعالیٰ خیر کرے گا۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

میرا اندازہ ہے کہ میں ہسپتال چھوڑ کر آپ کی طرف روانہ ہوا تو مجھے شفا
حاصل ہو گئی تھی۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

خوں غلط بلغم غلط صفرا غلط سودا غلط — میشود صد ہزاراں بو علی سینا غلط
از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب — دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

وہ دن تھا اور آج کا دن خدا جانے رسولی کسی آپریشن کی نذر ہو گئی افسوس
مجھ سے وہ خط مبارک گم ہو گیا۔ میں نے یہ خط ایک کتاب میں بحفاظت رکھا تھا۔ کسی

ہم مکتب کے ہاتھ لگ گیا یا کیا ہوا۔ اگر کوئی صاحب مجھے یہ خط واپس کر دیں یا کرادیں تو شکریہ کے ساتھ عرسے کا ٹکٹ بھی پیش کروں گا۔

جس نے دیکھے نین متوارے تیرے

غالباً ۱۹۵۸ء کا واقعہ ہے کہ آپ جماعت فقراء سمیت سردار محمد اکبر خان صاحب کانجو (مرحوم) کی دعوت پر رحیم یار خان شہر میں تشریف لائے۔ استاذ العلماء فخر اہلسنّت حضرت مولانا محمد نواز صاحب اویسی دامت برکاتہم نے حاضر ہو کر جامعہ محمدیہ رضویہ اندرون شہر (مدنی مسجد) میں قدم رنجہ فرمانے کی دعوت پیش کی۔ علمائے کرام کے مثالی احترام کی وجہ سے علالت طبع کے باوجود آپ نے پُرخلوص دعوت قبول فرمائی۔ اور عصر کے وقت مدرسہ میں تشریف لائے ابھی آپ پہنچے ہی تھے کہ اذان عصر کی صدا بلند ہوئی آپ حسب معمول یکدم ٹھہر گئے اور جماعت کے تمام افراد اپنی اپنی جگہ صامت و ساکت ہو گئے آپ نماز سے فراغت کے بعد فقراء ادارہ میں تشریف لائے۔ مفتی عبدالواحد صاحب اُن دنوں آخری کتابیں پڑھ رہے تھے۔ جامعہ محمدیہ رضویہ کی نظامت بھی آپ ہی کے ذمہ تھی آپ استاذ العلماء مولانا عبدالکریم صاحب کے عزیز اور ذی استعداد طالب علم تھے۔ اس وقت تک آپ کہیں بیعت نہیں ہوئے تھے حضرت کی تشریف آوری سے قبل رسماً میں نے مفتی صاحب کو اپنے شیخ کو صرف ایک نظر دیکھ لینے کیلئے کہا۔ اس وقت آپ خاموش ہو گئے آپ کی تشریف آوری ہوئی تو وہ سماں بندھا کہ حاضرین جن کی تعداد سینکڑوں میں تھی میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں سے آنسو نہ بہہ رہے ہوں۔ فقراء میں ہا و ہو کی کیفیت نے موم سے موم دلوں کو پگھلا دیا۔ مفتی صاحب خود اپنے حواس پر قابو نہ

رکھ سکے۔ نماز کے بعد بے شمار لوگ بیعت سے سرفراز ہوئے مگر مفتی صاحب پیش پیش تھے تھوڑی دیر قیام فرما کر آپ روانہ ہونے لگے تو مفتی صاحب آنسوؤں کی لڑیوں کے ساتھ مرشد کو الوداع کہہ رہے تھے۔

کرم پور کا تبلیغی جلسہ اور نواب بجاراٹی کی عقیدتمندانہ حاضری

۱۹۵۹ء کے اوائل میں کرم پور ضلع جیکب آباد (سندھ) میں ایک عظیم الشان تبلیغی جلسے کا پروگرام طے ہوا۔ آپ کی طبیعت کافی علیل تھی مگر کرم پور کے سادات کرام اور علاقہ کی جماعت کی پر زور خواہش پر آپ نے دعوت قبول کر لی۔ ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود آپ جماعتِ فقراء سمیت روانہ ہوئے۔ رات شکارپور میں گزاری۔ صبح کرم پور روانگی ہوئی۔ یہ فقیر بھی جماعت میں شامل تھا۔ کرم پور پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ اس مضافاتی قصبے میں ہزاروں لوگ زیارت کے لئے جمع ہیں۔ نماز ظہر کے بعد جامع مسجد میں آپ کی صدارت میں جلسہ کی پہلی نشست ہوئی۔ اس میں زبدۃ المشائخ حضرت مولانا پیر محمد قاسم مشوریؒ، حضرت پیر سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید حضور بخش صاحب نے خطاب فرمایا۔ اگلے روز مجمع کی زیادتی کی وجہ سے جلسہ گاہ میں ہوا یہاں پہلے پہلے مجھے تقریر کا حکم ہوا۔ اپنے مرشد اور اپنے دور کے نامور علمائے کرام کے سامنے ایک نو عمر، ناتجربہ کار طالب علم نے کیا تقریر کی۔ اسے خود بھی کچھ پتہ نہ تھا۔ جسم میں لرزہ، پسینے میں شرابور، موضوع میں نہ تطابق نہ توافق، مگر حکم کی تعمیل کر رہا تھا کسی نے میری بے ربط باتوں کی طرف حضرت کی توجہ دلائی تو آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اسے بکنے دو اسے تیار کرنا ہے یہ اجازت اور کرم کا خصوصی برتاؤ تھا جس نے مجھے آئندہ کیلئے

اندرون و بیرون ملک بڑی بڑی محافل میں ایک بے باک مقرر بنا دیا ؎

بگفتم من گِلے ناچیز بودم ولیکن مدتے با گُل نشستم

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

میرے بعد خطیب ملت حضرت پیر غلام مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب فرمایا۔

کرم پور میں قیام کے دوران بعد نماز مغرب میں حضرت کی خدمت میں قدموں کی طرف خلیفہ علی شیر سر کی مرحوم کے ساتھ بیٹھا تھا۔ کہ سندھ و بلوچستان کی مشہور بہادر قوم بجارانی کے قومی تمن دار اور سردار نواب نور محمد خان بجارانی سفید پگڑی، سفید شلوار قمیص میں ملبوس اپنے ایک صاحبزادے اور کسی عزیز کے ساتھ نہایت ذی وقار انداز میں تشریف لائے۔ اور شرفِ باریابی سے مشرف ہوئے آپ اس وقت پلنگ پر تشریف فرما تھے اس بہادر اور غیور قوم کے احترام میں نیچے گلیم (دری) پر تشریف فرما ہوئے۔ نواب صاحب کی خیر و عافیت پوچھی انہوں نے اپنے صاحبزادے کو بیعت کے لیئے پیش کیا آپ نے صاحبزادے کو شرف بیعت سے ممتاز فرمایا۔ نواب بجارانی کرم پور کے سارے پروگرام میں شامل رہے۔

آپ کرم پور سے بعد از نماز ظہر روانہ ہوئے۔ آپ کی جیپ بڑے روڈ پر پہنچی (میں بھی حضرت کے ساتھ جیپ میں سوار تھا)، تو ہم نے دیکھا کہ سردار بجارانی اپنی سفید شیورلیٹ کار میں پیچھے سے اچانک نمودار ہوئے۔ سردار صاحب کی گاڑی تیز رفتاری سے آرہی تھی جبکہ حضرت کی جیپ ۳۰، ۳۵ کلومیٹر سے زیادہ تیز نہیں تھی۔ آپ کے خلیفۂ خاص اور ڈرائیور فتح محمد فقیر عموماً اسی رفتار سے گاڑی چلاتے تھے۔ انہوں نے

حضرت کو سامنے دیکھا تو اپنی گاڑی آہستہ کر لی۔ خلیفہ فتح محمد نے راستہ دیا مگر شیورلیٹ کار آگے نہ بڑھی۔ اور آہستہ آہستہ پیچھے چلنے لگی۔ میں حضرت والا کے عین پشت کے بالمقابل بیٹھا تھا: بچپن کی بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے میں نے حضرت کو سردار صاحب کی اطلاع دی۔ آپ نے خلیفہ فتح محمد سے فرمایا فتُو! خان کو راستہ دو۔ فتح محمد نے عرض کیا حضور! میں کافی دیر سے راستہ دے رہا ہوں مگر سردار صاحب آگے نہیں بڑھ رہے اس شاہِ اقلیم و فقر کی عظمت و جلال سے جہاں ہم متاثر ہو رہے تھے وہاں اپنے وقت کے اس دولت مند، قومی سردار اور نواب کے ادب و نیاز اور ایک اللہ والے کے سامنے تواضع و انکساری کا مظاہرہ دیکھ کر ان کے اس عمل پر نثار ہو رہے تھے۔ سچ ہے ؎

دل بادشاہاں لرزد و ز گدائے بے نیاز ے

بالآخر حضرت والا نے اشارے سے خود سردار صاحب کو آگے بڑھنے کی اجازت دی۔ مگر نواب صاحب پھر بھی نہ بڑھے تو آپ نے اپنی جیپ روکنے کا حکم دیا جیپ رکی تو سردار صاحب جلدی میں اتر کر حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا خان! ہلو ہلو! (خان صاحب آپ چلیں) نواب صاحب نے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ ہم سب کے لیئے ایک وجدانی کیفیت پیدا کر گئے۔ ہم میں سے بیشتر افراد آبدیدہ تھے۔ خان صاحب نے فرمایا سائیں! ماں تاں ماں منجھی گاڈی بھی سائیں جی جیپ کوا گے ودھن لاءِ تیار ناھی۔ حضور! میں تو کیا میری گاڑی بھی آپ کی جیپ سے آگے جانے کیلئے تیار نہیں۔ آپ اِس خادم کی گاڑی میں سوار ہوں۔ آپ نے سردار صاحب کی پُر خلوص اور ادب و انکساری سے بھری ہوئی دعوت قبول فرمائی۔ اور اپنی جیپ چھوڑ کر سردار صاحب کی گاڑی میں روانہ ہوئے۔ سردار صاحب حضرت کی جیپ میں سوار ہوئے۔ ہم نے سردار

صاحب کو تمکا پور چھوڑا۔ اور عشاء کے وقت بھٹہ صاحب کے مکان پر حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ عشاء کا وقت ہوا تو آپ نے خود اذان دی اور مجھے اپنے ساتھ شامل فرما کر نماز سے پہلے حسبِ معمول حلقۂ ذکر کیا۔ اتنے میں حضرت پیر سید مغفور القادری علیہ الرحمۃ بھی تشریف لے آئے چنانچہ حضرت نے ہم دونوں کو اپنی اقتدائے صالحہ میں نماز ادا کرنے کی سعادت سے نوازا۔

کرم پور جلسہ سے فراغت کے بعد راستے میں یہ دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ میں جیپ میں حضرت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس وقت مجھے سر میں سخت درد ہونے لگا طبیعت اچانک بگڑنے لگی۔ دل میں خیال آیا کہ حضرت پیر غلام مجددؒ سرہندیؒ نے دردِ سر اور نزلہ وغیرہ سے شفا کی خاطر دوائی کی جو شیشی حضرت کو بطور تحفہ دی ہے کاش حضرت والا وہ مجھے عنایت فرمائیں۔ اس خیال کا آنا تھا کہ حضرت والا نے دفعتاً صدری (واسکٹ) سے دوائی کی وہ شیشی نکال کر مجھے عنایت فرمائی۔ اور فرمایا تمہیں سر میں دکھ ہے یہ استعمال کرو۔ اس سے میں حیرت زدہ ہو گیا کیونکہ میری تکلیف مجھی تک محدود تھی اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو تزکیۂ نفس کے بعد مکاشفہ اور دل کی صفائی کی جو نعمت عطا کرتا ہے۔ یہ اس کا معمولی اظہار تھا۔"[1]

فخر العلماء مفتی عبدالواحد صاحب

آپ تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان کے معروف مردم خیز اور علمی خاندان

---

[1] مکتوبات گرامی جناب مفتی محمد فاروق القادری رحمانی بنام راقم الحروف

"اعوان" سے تعلق رکھتے ہیں۔ "بستی اعوان" عہدِ قدیم سے علماء و صلحاء کا گہوارہ رہی ہے یہ بستی دینی تعلیم کا اہم مرکز سمجھی جاتی تھی۔ دور دراز سے شائقینِ علم یہاں آتے اور فیض یاب ہوتے۔

مفتی عبدالواحد ۱۹۴۶ء میں اسی بستی اعوان میں پیدا ہوئے۔ شرح جامی تک اسی بستی میں نامور عالمِ دین مولانا نور احمد صاحب سے تعلیم حاصل کی استاذ العلماء مولانا نور احمد رشتے میں مفتی صاحب کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ آپ نے آخری کتابیں اس زمانے کے مشہور علمی مرکز جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یار خان میں پڑھیں۔ واضح ہے کہ جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یار خان میں اہلِ سنت و جماعت کی قدیم ترین درس گاہ ہے یہاں وقت کے نامور مدرسین اور علماء درس دیتے رہے ہیں۔ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اس درس گاہ کے بانی اور سرپرست تھے۔

مفتی صاحب نے دورۂ حدیث محدثِ پاکستان شیخ المشائخ علامہ ابو الفضل مولانا سردار احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سے لائل پور (فیصل آباد) میں پڑھا اور آپ ہی سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔ نیز آپ نے سابق ریاست بہاولپور کی اسلامی یونیورسٹی جامعہ عباسیہ سے ثالثہ علامہ کی ڈگری نمایاں پوزیشن میں حاصل کی۔

مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ اپنی بیعت اور بھرچونڈی شریف حاضری کا ذکر کرتے ہوئے مفتی صاحب اپنے ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں۔

"انہی ایام (رحیم یار خاں میں تعلیم کے دوران) قطب الاقطاب حضرت خواجہ محمد عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جامع مدنی مسجد (رحیم یار خاں کی مشہور جامع مسجد) تشریف لائے

آپ کی تشریف آوری پر رحیم یار خاں شہر کے عوام و خواص نے جوق در جوق حاضر ہو کر روحانی فیض حاصل کیا۔ اس وقت آپ کی کرامات اور ارشاداتِ عالیہ کا ایسا سماں بندھا کہ میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا چنانچہ اسی وقت بیعت ہو گیا۔ آج بھی وہ روح پرور منظر ایمان و ایقان میں بہار کی کیفیت اور تازگی پیدا کر دیتے ہیں۔

بعض گھریلو مجبوریوں کی بناء پر تعلیمی سلسلہ بند ہونے لگا تو میں اپنے دیرینہ دوست مفتی محمد فاروق القادری کی خواہش پر ان کی معیت میں دربارِ عالیہ بھرچونڈی شریف حاضر ہوا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی مصروفیات اور ناسازیٔ طبع کے باوجود خصوصی توجہ اور کرم فرمایا۔ معاشی پریشانیوں سے نجات اور تعلیم کی تکمیل کے لئے خصوصی دعا فرمائی۔ آمد و رفت کا سفر خرچ لنگر سے عطا کیا۔ آپ کی دعاؤں کی برکت سے نہ صرف میری معاشی پریشانیاں ختم ہو گئیں بلکہ میں نہایت اطمینان سے اپنی تعلیم جاری رکھنے کے قابل ہو گیا چنانچہ حضرت شیخ الحدیث محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔[1]

مفتی صاحب نے اپنے مرشد کی یاد میں آپ کے نام پر جناح پارک رحیم یار خاں میں ۱۹۶۹ء میں جامعہ رحمانیہ رضویہ" کے نام سے ایک دینی درس گاہ کی بنیاد رکھی یہ درسگاہ اپنی پُرشکوہ عمارت، دیدہ زیب جامع مسجد اور تعلیمی خدمات کی بناء پر ملک کی اہم درس گاہوں میں شمار ہوتی ہے مفتی صاحب ۱۹۶۹ء سے اس درس گاہ میں تعلیمی، تدریسی اور تبلیغی خدمات سرانجام دے کر اپنے مرشد کے مشن کی تکمیل میں مصروف ہیں۔

---

[1] مکتوبات مفتی صاحب بنام راقم۔

مفتی صاحب منکسر المزاج، علم دوست، مہمان نواز اور خوش خلق عالم دین ہیں آپ جماعت بھرچونڈی شریف کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں۔ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے کی ہدایت فرمائی جو بحمداللہ بحسن و خوبی سرانجام دے رہے ہیں۔

بُلبلِ سندھ مولانا قاضی دوست محمد علیہ الرحمۃ لاڑکانہ

اس خوش گفتار، شیریں مقال اور صاحبِ جذب و درد عالم کی تقریر پہلے پہل بھرچونڈی شریف میں سُنی، آپ کے منفرد اسلوبِ خطابت، قرآنی آیات کی پُرسوز تلاوت اور اُن سے نادر استدلال اور جا بجا عارفِ حقانی حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی علیہ الرحمۃ کے برمحل اشعار سننے میں بے حد متاثر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ہزاروں کا مجمع درد و کیف کی ایک خصوصی فضا میں ڈوبا ہوا ہے۔ اکثر لوگ رو رہے ہیں۔ اس کے بعد بھرچونڈی شریف، کوٹ مٹھن اور ملتان میں شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہِ عالیہ پر متعدد دفعہ آپ کے مواعظِ حسنہ سننے کا اتفاق ہوا بلبلِ سندھ کے بارے میں میرا پہلا تاثر نہ صرف یہ کہ قائم رہا بلکہ کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا۔

دلوں کے مضراب چھیڑنے، پتھر دلوں کو موم بنا کر پگھلانے اور انسانی ضمیر کو آوازِ حق کے لیئے تیار کرنے کے سلسلے میں میرے ذہن میں خطبا اور واعظین کے جو چند نام آتے ہیں بلبلِ سندھ کا نمبر اُن میں زیادہ فاصلے پر نہیں۔ تیسرے چوتھے نمبر پر ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی اور حضرت سچل سرمست فاروقی کا سارا کلام آپ کے نوکِ زبان تھا۔ میری دانست میں عوامی انداز کے اعتبار سے کم از کم سندھ کی حد تک

کوئی واعظ یا خطیب آپ کے ہم پلّہ نہ تھا۔ آپ کی آواز میں خاص قسم کا لوچ اور مٹھاس تھا۔ بات شروع کرتے تو دل چاہتا کہ وہ کہتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔

بلبلِ سندھ مولانا دوست محمد ۱۹۱۸ء ضلع لاڑکانہ کے گاؤں ترائی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے استاذ العلما مولانا واحد بخش صاحب (کوٹ مٹھن شریف)، فاضلِ جلیل علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، غزالیٔ زماں حضرت علامہ سیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رح، شیخ الحدیث علامہ مفتی تقدس علی خانؒ اور شیخ الحدیث علامہ سردار احمد قادریؒ ایسے جلیل القدر علماء سے دینی علوم کی تکمیل کی۔

ابتدا ہی سے آپ کا میلان وعظ و خطابت کی طرف تھا۔ ایک ملاقات میں آپ نے مجھے بتایا کہ "میں دینی دستارِ فضیلت باندھ کر فارغ ہوا تو ایک رات مجھے غوثِ اعظم حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا بیٹا! تم بھرچونڈی جاؤ۔ روحانی فیض کا حصّہ تمہیں وہیں سے ملے گا۔ اگلے روز مجھے پتہ چلا کہ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ لاڑکانہ کے علاقے میں تشریف لاتے ہوتے ہیں۔ میں حاضرِ خدمت ہوا دور سے مجھے یوں لگا جیسے کسی ملک کا شہنشاہ اس علاقے میں اُترا ہوا ہے۔ حاضری کی سعادت ملی تو میں پہلی نگاہ میں رنگا گیا۔ آپ نے فرمایا "مولوی دوست محمد! اخلاق و اعمال کی اصلاح کا کام پیغمبرانہ ورثہ ہے تم اسے سنبھالو! میں پہلی حاضری میں بیعت سے مشرف ہو گیا۔ ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ بیعت کرتے وقت حسبِ معمول آپ نے اپنی صورتِ مبارکہ کا تصور قائم کرنے اور پھر آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا، چند لمحے بعد جونہی آپ نے آنکھیں کھولنے کا حکم دیا تو میرے سامنے بعینہٖ غوثِ اعظم کی شکل موجود تھی۔ بے ساختہ میرے منہ سے اللہ کا نعرہ بلند

ہوا اور میں بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا!"

تھوڑی دیر بعد آپ نے اٹھا کر گلے لگایا اور میرے حق میں خصوصی دُعا فرمائی۔

فاضلِ جلیل مولانا دوست محمد علیہ الرحمۃ کو جس نے بھی بلبلِ سندھ کا لقب دیا اُس نے رتّی بھر مبالغہ نہیں کیا۔ آپ کی جادو بھری آواز سندھ کے کونے کونے میں گونجتی رہی۔

عموماً ہر تقریر میں اپنے مرشد کا ذکر ضرور کرتے۔ بھرچونڈی شریف کے اعراس میں یادگارِ سلف حضرت مولانا بشیر احمد صاحب مبلغ اسلام کے ہمراہ باقاعدہ شریک ہوتے۔ مولانا بشیر احمد مرحوم علمائے سلف کی طرح درویش صفت، منکسر المزاج اور عزلت پسند عالم تھے۔ آپ بھی حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے دن کے وقت آپ لاڑکانہ شہر کے عوامی مقامات پر دینی کتابوں کا سٹال لگا کر خاموش تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے۔

بلبلِ سندھ راقم کے ساتھ بے حد محبت فرماتے۔ اور ملاقات ہونے پر انتہائی خوشی و مسرّت کا اظہار فرماتے۔ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کے پہلے سالانہ عرس کے موقع پر آپ نے اپنے شیخ کے ہجر و فراق کے دردِ دل کو زبان دی تو ہزاروں کا مجمع فریاد و فغاں اور گریہ و بکا کی تصویر بن گیا۔

مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ کی نورانی بزم کا یہ رکنِ رکین رجب ۱۴۰۷ھ کو واصلِ بحق ہوا۔ نمازِ جنازہ جناح باغ لاڑکانہ میں ہوئی علماء، مشائخ، حفاظ سادات اور عوام کی ایک بڑی تعداد نے جنازے کو کندھا دیا۔ مزار جامع مسجد عثمانیہ نزد کینڈی مارکیٹ لاڑکانہ میں شیخ المشائخ حضرت مخدوم محمد عثمان قریشی علیہ الرحمۃ (خلیفہ

حضرت سچل سرمستؒ) کے دربار کے احاطہ میں مرجع خلائق ہے۔[1]

آئے عشاق اگئے وعدۂ فردا لے کر
اب اُنہیں ڈھونڈھ چراغ رُخِ زیبا لے کر

خادم القرآن حافظ عبدالستار سومرو

آپ بھرچونڈی شریف کے منفرد دبستانِ قرأت کے قابلِ فخر فرزند ہیں آغازِ جوانی سے ہی قرآن مجید کی تعلیم وتدریس میں مصروف ہیں۔ بلا مبالغہ سینکڑوں کی تعداد میں طلبا نے آپ سے حفظ القرآن کی دولت حاصل کی ہے۔ درویشوں کی تمام اہم صفات سے آراستہ یہ خادمِ قرآن انتہائی متوکل، صابر و شاکر، کم گو، محنتی اور مرنجِ مرنجاں طبیعت کا مالک ہے۔ اس وقت بھی سینکڑوں طلبا آپ کے پاس قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں آپ کا مدرسہ ڈہرکی میں ایسو فرٹیلائزر فیکٹری کے سامنے جامعہ قادریہ کے نام سے عرصہ دراز سے خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ نے آپ کے حق میں دعا فرمائی۔ اور مخلوق خدا کو قرآن مجید اور دینی اخلاق سکھانے کا حکم دیا۔

استاذ الحفاظ حافظ عبدالغنی بھیٹ

آپ موضع روشن بھیٹ تحصیل صادق آباد کے باشندے ہیں اس وقت عمر اسی سال سے زیادہ ہے۔ زندگی قرآن مجید کی تعلیم وتدریس میں گزار دی ہے۔ شیخ ثانی ہادیٔ

---

[1] مکتوب گرامی صاحبزادہ سید زین العابدین شاہ صاحب راشدی لاڑکانہ

گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی دُعا فرما کر آپ کو قرآن مجید کی تعلیم وتدریس کے کام پر لگایا۔ بحمداللہ یہ فریضہ حسن وخوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ استاذ حافظ عبدالغنی سادہ منش، درویش صفت اور اسلاف کا نمونہ ہیں۔

مولوی عزیز الرحمٰن کھوسوؒ

آپ کا تعلق سید العارفین جنیدِ وقت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ کے خلیفہ زبدۃ الصالحین خلیفہ دل مراد خان کھوسو رحمۃ اللہ علیہ (جیکب آباد سندھ) کے خاندان سے تھا۔ شیخ ثانی ہادیٔ گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ شیخ ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے طویل عرصہ تک فیض یاب ہوتے رہے مولوی صاحب ذاکر و شاغل درویش، منکسر المزاج اور طالبانِ خدا کا صحیح نمونہ تھے راقم کی اُن سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ ہمیشہ مشائخ صوفیا کے اسرار و رموز قرآن وحدیث کے علمی لطائف اور اپنے مشائخ سلسلہ کے ملفوظات کے بارے میں نہایت پُرمغز پسندیدہ اور بامعنی گفتگو کرتے۔ بھرچونڈی شریف حاضر ہوتے تو مسجد میں رہتے۔ لنگر کے دال دلیے پر گزارہ کرتے۔

مجاہدِ اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ نے کمالِ مہربانی سے آپ کو مخلوقِ خدا کی رہنمائی کا حکم فرمایا۔ مولانا کا انتقال ہو گیا ہے۔

گوہر تابدار

محترم سید محمد فاروق القادری صاحب علمی، ادبی، دینی اور روحانی حلقوں میں ایسے گوہر تابدار ہیں، جن کا ہر پہلو ضوفشاں ہے۔ تصوف، معاشیات، شخصیات اور دیگر موضوعات پر آپ کے قلم کی جولانیاں محتاج بیان نہیں۔ آپ جس موضوع کو سپرد قلم کرتے ہیں، اپنے عمیق مطالعہ، تحقیق، بالغ نظری اور خداداد صلاحیتوں کے سبب اس کے ہر پہلو کو اس حسن و خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ کوئی پہلو تشنہ نہیں رہتا اور قاری سیراب ہوتا چلا جاتا ہے۔ آپ پیشہ ور قلم کاروں سے اس لیے ممتاز ہیں کہ آپ میدان علم و عمل کے شاہسوار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے قلم میں معاوضہ کی روشنائی نہیں بھرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریر تاریکیوں میں اجالا اور اجالوں کو کہکشاں بنا دیتی ہے۔

زیر نظر کتاب "نفحات الرحمٰن" جناب قادری صاحب کی تصنیفات کے گلدستہ میں ایک خوبصورت اور مہکتا ہوا اضافہ ہے۔

صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد

سجادہ نشین داتا دربار لاہور